ایک والد کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے

بچوں کی مناسب اور معیاری تربیت کے خواہشمند والد کیلئے اپنی نوعیت کی ایک نایاب کتاب

مثالی باپ

مصنف
مولانا محمد حنیف عبدالمجید

پسند فرمودہ
حضرت مفتی نظام الدین شامزی صاحبؒ

خصوصیات

① بچے کے لئے دعائیں
② پیدائش پر شکر
③ اولاد کی قدر و قیمت
④ اولاد سے نرمی اور رحم کا سلوک
⑤ ذہنی و جسمانی تربیت سے متعلق اصول
⑥ اسلاف کے واقعاتِ تربیت
⑦ احساسِ کمتری سے بچانے کی تربیت
⑧ مثالی باپ کی خصوصیات

بیت العلم ٹرسٹ

ایک والدین کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے

بچوں کی مناسب اور معیاری تربیت کے خواہشمند والد کیلئے اپنی نوعیت کی ایک نایاب کتاب

مثالی باپ

مصنف
مولانا محمد حنیف عبدالمجید

پسند فرمودہ
حضرت مفتی نظام الدین شامزی صاحب

خصوصیات

1. بچے کے لئے دعائے
2. پیدائش پر شکر
3. اولاد کی قدر وقیمت
4. اولاد سے نرمی اور رحم کا سلوک
5. ذہنی وجسمانی تربیت سے متعلق اصول
6. اسلا[illegible]ے [illegible]علق تربیت
7. احساسِ کمتری سے بچانے کی تربیت
8. مثالی باپ کی خصوصیات

بیت العلم ٹرسٹ

11040809

اسٹاکسٹ

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل نزد زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی۔

فون 0300-8948974, 0322-2583199

فیکس 2726509-213-92+

کتاب کا نام: .... مثالی باپ

مصنف: .... محمد حنیف عبدالمجید

تاریخ اشاعت: .... شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ بمطابق اگست ۲۰۰۹ء

ناشر: .... مکتبہ بیت العلم

ST-9E بلاک ۸، گلشن اقبال، کراچی

فون نمبر 4976073-213-92+ فیکس 4976339-213-92+

ویب سائٹ www.mbi.com.pk ای میل info@mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون: 0423-7224228

☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔ فون: 0423-7228196

☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔بی روڈ، ملتان۔ فون: 061-4544965

☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798

☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون: 081-662263

☆ کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔ فون: 071-5625850

☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدرآباد۔ فون: 022-3640875

نوٹ: یہ کتاب اب آپ بیت العلم سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

منفرد علمی اور دینی تحفہ

"مثالی باپ"

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ.

◎ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

◎ کیا آپ جانتے ہیں کہ: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

① یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ "دینی علوم سے واقفیت ہے" اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب تحفہ میں پیش کر کے ہم "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا"[1] والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنی: "تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔"

② اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں ...... رشتہ داروں ...... دفتر کے ساتھیوں ...... کاروباری حلقے ...... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

③ نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلہ کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلّہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں

[1] موطأ امام مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في المهاجرة: ٧٠٦، ٧٠٧

معاون و مددگار بنئے۔

۴ کتاب کو تحفہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی باعمل بھی ہوں گے۔

۵ اللہ تعالیٰ نے مالی گنجائش عطا کی ہو تو کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصال ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنایئے۔

کتاب دے دینا ہمارا کام ہے، مطالعہ کی توفیق اور پھر ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہم اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرما کر مطلوبہ نتائج بھی ظاہر فرمائیں گے۔

درجِ ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتہ پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتہ لکھیں۔

ہدیۂ مبارکہ

مِنْ From

....

....

إلٰی To

....

....

فہرست مضامین

باسمہ تعالیٰ

کلماتِ تبرک

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

اسلام ہمارے لئے ایک ایسی رحمت بن کر آیا ہے کہ صرف اسی کی بدولت ہمارا نظام زندگی درست ہوسکتا ہے۔ انسانی معاشرہ اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب کہ ہم اسلامی اصولوں کو اپنائیں۔

کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ بچے ہوا کرتے ہیں، اگر اس وقت وہ گود کا کھلونا ہیں تو آگے چل کر وہی مستقبل کے معمار بنیں گے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے سامنے سب سے پہلے دو بزرگ یعنی ماں باپ ہوتے ہیں۔ باپ ہی اپنے بچے کا پہلا استاد ہوتا ہے اور یہیں سے بچے کے اچھا یا برا بننے کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی استاد سے وہ اچھے یا برے جذبات واخلاق اور اطاعت یا نافرمانی کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ اس لئے باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اس ڈھنگ سے کرے کہ اس کے رگ وریشہ میں دین کی روح سرایت کر جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی ان صفات کا حامل ہو تاکہ بچہ کے لئے عملی نمونہ بن سکے۔

باپ کے اخلاق اعلیٰ ہوں، وہ سچ بولتا ہو، نماز اہتمام سے پڑھتا ہو، ہر طرح کی بری باتوں اور گناہ کے کاموں سے بچتا ہو تو ان شاء اللہ بچہ بھی خود بخود ایسا ہی طریقہ اختیار کر لے گا۔

آج سے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تربیت کے وہ اصول بتائے، جن پر عمل پیرا ہو کر انہوں نے اپنے بچوں کی ایسی تربیت کی جو کہ اسلام کا معیارِ مطلوب تھا۔

وہ اپنے بچوں کی تربیت اس انداز سے کرتے تھے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت پیدا ہو کر اسلام کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔

حضرات ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسی ہی تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی درد کو لے کر ہمارے دوست مولوی محمد حنیف عبدالمجید صاحب اور ان کے رفقا نے کچھ ایسی اصلاحی کتابیں مثلاً ''تحفۂ دلہن''، ''تحفۂ دولہا'' اور ''مثالی ماں''، ''مثالی استاذ'' مرتب کی ہیں، جن پر عمل کرنے سے ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ ان کے علاوہ ''آسان دینیات''، اور ''شرح اسمائے حسنیٰ'' ذوق شوق کی سیریز ''کہانیوں کی دنیا'' کے نام سے کتابوں کا ایک ایسا سلسلہ بھی جاری کیا ہے، جو بچوں کی دینی ذہن سازی کے لئے نہایت مفید ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''مثالی باپ'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں بچوں کی صحیح اسلامی اصولوں پر تربیت کرنے اور ان کو کامل مسلمان بنانے کی اسلامی تدبیریں درج ہیں۔ بندہ نے جستہ جستہ اس کتاب کو دیکھا، امید ہے باقی مضامین بھی صحیح ہوں گے۔ اندازِ تحریر دلبریز، آسان اور مبسوط ہے، جس سے عامۃ المسلمین کو بات سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ بندہ کے خیال میں گزشتہ کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی بچوں کی تربیت کے لئے نہایت مفید ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو شرف قبولیت بخشے اور امت مسلمہ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مولانا موصوف اور ان کے احباب کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے اور ان کو ایسی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(حضرت مولانا مفتی) نظام الدین شامزی (صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ)

استاذ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

کتاب کا تعارف

اس کتاب میں ایک مسلمان پر والد ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، مثلاً نیک، وفا شعار اور دیندار اہلیہ کا انتخاب، اولاد کی پیدائش سے قبل اولاد کے طلب کے لئے دعائیں، بچوں کی دینی و شرعی تربیت کے سنہری اصول، بچوں کی اصلاح اور اسلامی ذہن سازی کی چند بہت اہم تدابیر، توحید ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہو، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے، نیز آج کے یہ نونہال آئندہ کل کامل مؤمن، داعی، مجاہد اور امت مسلمہ کے قائد کیسے بنیں؟ ان کی نظر میں قرآن کریم واحادیث مبارکہ کی اہمیت پیدا ہو...... والدین کی محبت اور عظمت ان کے دلوں میں پیدا کرنا...... ان بچوں کے مزاج اور موقع محل کا خیال رکھتے ہوئے کیسے ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ پوری امت کے دین پر آنے کی فکر کرنے والے بن جائیں......ان میں ایثار کا ایسا جذبہ پیدا کرنا کہ اپنا سب کچھ ایک دوسرے پر قربان کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے۔

اور ان جیسے اور بے شمار مضامین کو تمثیلات و واقعات کی روشنی میں نفسیات اور طب و حکمت کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے فطری انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ ہر مسلمان والد نہایت آسانی کے ساتھ ان اصولوں اور تدابیر پر عمل پیرا ہو کر مثالی والد بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید کامل ہے کہ ان تدابیر پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچنے اور بچانے کے اہتمام کرنے سے ان شاء اللہ ہر گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا اور ایک مطمئن اور خوشحال معاشرہ وجود میں آئے گا۔

وما ذالك على الله بعزيز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟

یاد رکھیے مسلمان کی نیت بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے، لہٰذا پڑھنے سے پہلے یہ نیت کرلیں کہ اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوجائے اور اس کتاب میں جو دین کی بات میں پڑھوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا، اس نیت سے آپ پڑھیں گے، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر عمل کی توفیق ضرور عطا فرمائیں گے۔ جس بات پر عمل کرنا مشکل ہوگا، آپ کی سچی نیت اور پکے ارادہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنا آسان فرمادیں گے، اور جتنا وقت پڑھنے پر لگے گا وہ دین بنتا جائے گا اور عبادت میں شمار ہوگا۔

چونکہ یہ کتاب خاندانی زندگی کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے اور خاندان صحیح ہو تو معاشرہ بنتا ہے، یعنی اگر گھر کی زندگی صحیح کرلی تو باہر کی زندگی بھی صحیح ہوسکتی ہے، اس لئے ہماری عاجزانہ گزارش یہ ہے کہ:

> ”اس کتاب میں درج مضامین، ہدایات اور اصلاحی باتوں کو انتہائی سنجیدگی اور ہدایت کی نیت سے پڑھا جائے اور جن کوتاہیوں سے بچنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ان سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے۔“

انہیں واقعی اس نیت سے پڑھا جائے کہ مجھے اپنی اصلاح پر توجہ دینی ہے اور آئندہ کے لئے ان غلطیوں کے ارتکاب سے بچنا اور بچانا ہے۔ کتاب کی روح یہ ہے کہ جن مضامین کی طرف کتاب دعوت دے رہی ہے ان پر عمل پیرا ہوجائے، اگر اس کے مضامین پر عمل ہوگیا تو سمجھ لیں کہ کتاب دیکھ لی ورنہ نہیں دیکھی۔ امید ہے

کہ آپ ہماری ان گزارشات کو سامنے رکھ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔

۱ کتاب پڑھنے سے قبل یہ دعا ضرور کرلیں کہ یا اللہ! اس کتاب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنادے اور مجھے اپنے گھر والوں کی نگاہ میں مصلح اور مجھے اپنے بچوں کے لئے نیک اور مثالی والد بنادے اور میری اولاد کو میرے لئے "قُرَّةُ اَعْيُنٍ" آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور مجھے بھی اپنے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

۲ کتاب پڑھنے کے لئے وقت ایسا نکالا جائے جو الجھنوں یا پریشانیوں سے گھرا ہوا نہ ہو، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ الجھن ذہن پر سوار تھی کسی اور وجہ سے، اور چبھن محسوس ہوئی کتاب کے مضمون سے۔

۳ ایک اہم گزارش یہ ہے کہ کتاب کو از اول تا آخر مکمل طریقے پر ترتیب وار پڑھیں خواہ اس میں مہینہ بھر لگ جائے، بلکہ اس سے بھی زیادہ لگ جائے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، مگر پڑھیں مکمل طور پر اور ترتیب وار، صورت اس کی یہ ہے کہ کل صفحات کی تعداد کا اندازہ کرکے یومیہ کچھ صفحے پڑھنا متعین کرلیں، اور جہاں پہنچ کر رک جائیں وہاں کوئی نشانی لگادیں۔

۴ مزید یہ کہ کتاب کے مطالعے کے وقت ایک قلم ساتھ رکھیں اور جن امور میں خود کو کوتاہ محسوس کرتے ہوں اس پر نشان لگالیں اور اس کو بار بار پڑھیں اور اس کی اصلاح کے لئے خوب دعائیں بھی مانگیں اور کوشش بھی کریں۔

قلم کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جہاں بھی کوئی بات آپ کو ایسی محسوس ہو کہ وہ اگر کتاب کے مضامین کا حصہ ہوتی تو پڑھنے والے کی تشنگی دور کرنے کا ذریعہ بن سکتی تھی یا مسلمان والد ہونے کی حیثیت سے...... یا شوہر ہونے کی حیثیت سے...... یا استاد ہونے کی حیثیت سے...... مزید کوئی اہم ذمہ داری کی بات جو اس کتاب میں اگر ہوتی تو مسلمان بھائیوں کے لئے مفید ہوتی اور اس پر عمل کرنے سے گھروں سے

لڑائی جھگڑوں کی فضا ختم ہو سکتی۔ تو کسی الگ کاپی میں صفحہ اور سطر کے حوالہ کے ساتھ لکھ کر اور ناشر کے توسط سے ہم تک پہنچا کر اجر عظیم کے مستحق بنیئے۔

کتاب پڑھتے ہوئے دنیا کے سارے مسلمان شادی شدہ جوڑوں کے لئے دعائیں بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں محبت و الفت پیدا فرمائے، ان کو صالح مسلمان بچوں کے دنیا میں آنے کا سبب بنائے، خوب خوب خوشیاں دکھلائے، روزانہ دعا کریں کہ آج کے دن جہاں بھی شادیاں ہوئیں ان میاں بیوی میں اللہ پاک محبت پیدا فرمائے۔ اور ان کی اولاد کو دین کا خادم اور دین کا داعی بنائے۔

اس کتاب کو پڑھنے کی دوسرے مسلمان مردوں کو بھی دعوت دیں اور اس کتاب میں جو ایمانی ترقی اور اخلاقی بہتری سے متعلق بات ملے، ان خوبیوں اور صفات کی طرف دوسرے حضرات کی بھی توجہ دلائیں۔

آخر میں گزارش ہے کہ کتاب اور جن بزرگوں کی کتابوں سے استفادہ کر کے اس کتاب کے مضامین تیار کئے گئے یا دوران تیاری کتاب جن بزرگوں، دوستوں یا علماء حضرات سے رہنمائی حاصل کی گئی، نیز اس کی تیاری کے مختلف مراحل میں کسی بھی طرح شریک ہونے والے جملہ معاونین کے لئے خصوصی طور پر دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

میرے مرنے کے بعد

بچوں کا

کیا ہوگا؟

لوگ اس سوال پر غور کرتے ہیں اور جو کچھ بن پڑتا ہے، انتظام کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دور اندیش اور عقل مند سمجھے جاتے ہیں مگر۔

بچوں کے مرنے کے بعد

بچوں کا

کیا حال ہوگا؟

اس سوال پر کم ہی لوگ غور کرتے ہیں، حالانکہ اصل سوال یہی ہے۔ ہمارے بچے نیک وصالح نہ بن سکے تو چاہے وہ دنیا میں کچھ بھی کیوں نہ بن جائیں، معاملہ نقصان ہی کا رہا۔

دور اندیش اور عقل مند لوگ دنیا سے کہیں زیادہ آخرت کے بارے میں سوچتے ہیں۔

آپ بھی اگر عقل مند اور دور اندیش والد ہیں تو اپنے بچوں کو نیک اور صالح بنانے کی فکر کیجیے۔

ضروری گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.......ہم نے کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اغلاط وغیرہ نظر آئیں تو ازراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔

مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں ''خط'' دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ...... کافی محنت ہوئی ہے، اُمید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جزاکم اللہ خیرا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

بچے کے لئے دعا کیجیے

یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں حسب موقع اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "لطائف حوالۃ المنن والاخلاق" میں لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لئے دعا کا اہتمام کریں۔

دعا کرنے میں نہ تو پیسے خرچ ہوتے ہیں، نہ جان مارنا پڑتی ہے، لہٰذا اپنی اولاد کی دینی و دنیوی اصلاح کے واسطے دعا مانگنا سب سے آسان تدبیر ہے۔ والدین کی خدمت میں عاجزانہ گزارش ہے کہ اپنی اولاد کے لئے خوب دعاؤں کا اہتمام کریں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ فرمائیں۔

تمام مسلمان والدین کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات اور خصوصاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک قابل اتباع ہے اور اولاد کے لئے دعاؤں کا مانگنا اکثر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی سیرت میں ملتا ہے۔ درحقیقت دعا مانگنے کا سب سے اچھا سلیقہ اور طریقہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے پاس ہوتا ہے۔ ان کی دعائیں سبق آموز ہوتی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیا چیز مانگنے کی ہے۔

قرآن کریم و احادیث میں مذکور دعائیں پیغمبرانہ فراست والی دعائیں ہیں اور گویا ایسی ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ مجھ سے یہ دعائیں مانگو، تو یقیناً یہ دعائیں قبولیت کے بہت زیادہ قریب ہیں، لہٰذا تمام مسلمان والدین ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کریں، خصوصاً پانچوں نمازوں کے بعد یہ دعائیں ضرور مانگیں، یہاں پر ہم چند دعائیں لکھتے ہیں:

۱ ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ﴾[1]

ترجمہ: ''اے رب! بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔''

کتنی مختصر اور جامع دعا ہے۔ اس دعا کو چلتے پھرتے کثرت سے مانگا کریں اور اپنی اہلیہ کو بھی ترغیب دیں، خاص طور پر زمانہ حمل میں تو آپ اور آپ کی اہلیہ اس دعا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، ان شاء اللہ تعالیٰ رب کریم آپ کو ایسی اولاد عطا فرمائیں گے کہ جو آپ کے بلکہ آپ کی خاندان اور نسلوں کے لئے بھی دین و دنیا کی کامرانیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ بنے گی۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نیک اولاد طلب کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ دعوت و اطاعت کے کاموں میں میری اعانت کریں اور پردیس میں میرے مونس اور غم خوار بنیں۔''[2]

شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں لکھتے ہیں: ''انہوں نے (اپنی دعا میں) اولاد کے ساتھ ان کے نیک ہونے کا ذکر کیا، کیونکہ نعمت اولاد کی تکمیل ان کی نیکی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اولاد کی نیکی والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی اولاد کی نیکی ہی کے آثار میں سے ہے۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ایسی تابع دار اولاد عطا فرما جو چھوڑے ہوئے کنبے اور قوم کا عوض ہو۔''[4]

---

[1] سورۃ صفت آیت ۱۰۰

[2] تفسیر البیضاوی: ج ۲ ص ۲۹۸

[3] التحریر والتنویر: ج ۲۳ ص ۱۴۸

[4] تفسیر ابن کثیر: ج ۴ ص ۱۶

۲ ﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾[۱]

ترجمہ: ''اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھیئے۔ اے رب! یقیناً انہوں (بتوں) نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پس جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی پس تو یقیناً معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

اور شیخ دکتور فضل الٰہی اپنی کتاب "اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَبًا" صفحہ ۵۱، ۵۲ میں لکھتے ہیں: "وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ" کا معنی جیسا کہ امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ ہمیں ان کی عبادت سے بچنے میں ثابت قدمی عطا فرما۔[۲]

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے: ''مجھے اور انہیں (میری اولاد کو) ان کی عبادت کے قریب پھٹکنے سے بھی محفوظ رکھنا۔''[۳]

حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام کا اپنے اور اپنی اولاد کے بت پرستی میں مبتلا ہونے کا خدشہ کس قدر شدید تھا، خود منصب امامت پر فائز ہونے اور اولاد کی نیکی کے باوجود اس بارے میں کتنے فکر مند تھے کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں۔

ہم تو اتنے کمزور ہیں کہ جس کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

﴿فَاِنَّهٗ مَنْ لَا يَدْفَعُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ الْفَاْسَ فَكَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيْهِ الْبَاْسَ﴾

---

[۱] سورۃ ابراہیم آیت ۳۵، ۳۶

[۲] التفسیر الکبیر: ج ۱۹ ص ۱۳۲، زاد المسیر: ج ۴ ص ۳۶۵

[۳] تفسیر السعدی: ص ۴۵۳

ترجمہ: "پس جو شخص اپنے کندھوں سے کلہاڑی کو ہٹا نہیں سکتا، وہ کیسے اپنے ساتھیوں سے تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔"

شیخ ابراہیم تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب بات کہی ہے:

"مَنْ يَأْمَنُ الْبَلَاءَ بَعْدَ الْخَلِيلِ عَلَيْهِ السَّلَامِ حِيْنَ يَقُولُ: ﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾ كَمَا عَبَدَهَا أَبِي وَقَوْمِي."[1]

یعنی حضرت خلیل علیہ السلام کے بعد کون مبتلائے فتنہ ہونے کے ڈر سے آزاد رہ سکتا ہے؟

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: "مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھنا کہ ہم اس طرح بتوں کی عبادت کریں جس طرح کہ میرے باپ اور میری قوم نے کی۔" تو ہمیں کتنی زیادہ دعائیں مانگنے کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہر داعی کو چاہیے کہ وہ اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور نسل کے لئے (بتوں کی عبادت سے دور رہنے کی) دعا کرے۔[2]

یہ شرک سے بچنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک لہ پر مکمل ایمان رکھنے والا بننے کے لئے، اور عقیدہ توحید پر راسخ ہونے کے لئے بہترین دعا ہے۔

اس دعا کے بارے میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ: "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں، ان سے شرک و بت پرستی بلکہ کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، مگر یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اپنے آپ کو بھی شامل فرمایا ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ طبعی خوف کے اثر سے انبیاء علیہم السلام بھی ہر وقت اپنے آپ کو خطرہ میں محسوس کرتے رہتے ہیں یا یہ کہ اصل مقصود اپنی اولاد کو شرک و بت پرستی سے بچانے کی دعا کرنا تھا، اولاد کو اس کی اہمیت سمجھانے کے لئے

---

[1] تفسیر القرطبی: ج۹ص۳۶۸

[2] تفسیر ابن کثیر: ج۲ص۵۹۴

اپنے آپ کو بھی شامل فرما لیا، اللہ جل شانہ نے اپنے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمائی، ان کی اولاد شرک وبت پرستی سے محفوظ رہی۔''[1]

۳ ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے کھیتی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے رب! (یہ اس لئے) تاکہ وہ نماز قائم رکھیں، پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر کریں۔''

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: ''(تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ) ''تَحِنُّ اِلَیْهِمْ'' وَقَالَ قَتَادَةُ: ''تَنْزِعُ اِلَیْهِمْ.'' وَقَالَ الْفَرَّاءُ: تُرِیْدُهُمْ.''[3]

''(تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ) (سے مراد) ان کی طرف جانے کے لئے بے قرار ہوں، اور قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ''ان کی طرف کھچے جائیں۔'' اور فراء رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ''لوگوں کے دلوں میں ان کی چاہت ہو۔''

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے: ''(تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ) تُسْرِعُ اِلَیْهِمْ شَوْقًا وَّوِدَادًا.''[4]

''(تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ) (سے مراد) شوق و مودت سے ان کی طرف بھاگے جائیں۔''

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''(فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ

---

[1] معارف القرآن: ج۵ ص۲۶۰

[2] ابراہیم آیت ۳۷

[3] زاد المسیر: ج۴ ص۳۶۷، ۳۶۸

[4] تفسیر البیضاوی: ج۱ ص۵۲۱، وروح المعانی: ج۱۳ ص۲۳۸

تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ): اَیْ تُحِبُّهُمْ، وَتُحِبُّ الْمَوْضِعَ الَّذِیْ هُمْ سَاکِنُوْنَ فِیْهِ۔"[۱]

"(فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ) کا معنی یہ ہے کہ وہ ان سے محبت کریں اور اس جگہ سے بھی پیار کریں جہاں انہوں نے سکونت اختیار کر رکھی ہے۔"

ہر والد کو چاہیئے کہ یہی دعا اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لئے بھی کرے کہ:

اے اللہ! ہم کمزوروں کی نسل کو نیک بنا اور انہیں اپنا محبوب بنا، اور صالحین کے دلوں میں ان کے لئے چاہت اور محبت پیدا فرما۔ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔

اصل میں یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت مانگی، جب وہ اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی وادی سنگستان اور بے آب و گیاہ جگہ میں چھوڑ کر جارہے تھے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک طرف تو مقام خلیل اللہ کا حق ادا کیا کہ جس وقت اور جس جگہ ان کو یہ حکم ملا کہ آپ ملک شام واپس چلے جائیں۔ اس بے آب و گیاہ لق و دق میدان میں اہلیہ اور شیر خوار بچے کو چھوڑ کر چلے جانے اور حکم ربانی کی تعمیل میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں فرمائی، اس کی تعمیل میں اتنی دیر لگانا بھی گوارہ نہیں فرمایا کہ اہلیہ محترمہ کے پاس جا کر تسلی دیں، اور کہہ دیں کہ مجھے یہ حکم ملا ہے آپ گھبرائیں نہیں، بلکہ جس وقت جس جگہ حکم ملا فوراً حکم ربانی کی تعمیل کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

دوسری طرف اہل و عیال کے حقوق اور ان کی محبت کا یہ حق ادا کیا کہ پہاڑی کے پیچھے ان سے اوجھل ہوتے ہی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی حفاظت اور امن و اطمینان کے ساتھ رہنے کی دعا فرمائی، ان کی راحت کا سامان کر دیا، کیونکہ وہ اپنی جگہ مطمئن تھے کہ تعمیل حکم کے ساتھ (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان کر) جو دعا کی جائے گی

---

[۱] تفسیر السعدی: ص ۴۵۳

بارگاہ کریم سے وہ ہرگز رد نہ ہوگی، اور ایسا ہی ہوا کہ یہ بے کس و بے بس عورت اور بچہ نہ صرف خود آباد ہوئے بلکہ ان کے طفیل میں ایک شہر آباد ہوگیا۔" [1]

اس مضمون میں خصوصیت سے جس چیز کی طرف توجہ دلائی گئی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت بہت ضروری امر ہے اور اس کے ساتھ دعا مانگنا سونے پر سہاگہ کی طرح ہے یعنی باجماعت پانچوں نمازیں ادا کرنا، صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ و حج ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرنا، چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے بچنا، آنکھیں کسی نامحرم کی طرف نہ اٹھیں، زبان سے کسی کا دل نہ دکھائے، کسی کی غیبت نہ کرے، کسی کو طعنہ نہ دے، حقوق العباد کا پورا پورا اہتمام کرنا، سارے عالم کے انسانوں کو پورے دین پر عمل پیرا کرنے کے لئے اپنی جان و مال اور صلاحیت لگانا اور پھر اس کے ساتھ دعا مانگنا ہو تو سمجھیں قبولیت میں ذرا تردد نہ ہوگا اور فوراً قبول ہوجائے گی۔

دوسری بات یہ کہ حقوق اللہ کے اہتمام کے ساتھ بیوی بچوں کی تمام جائز ضرورتوں کا دل جان سے خیال رکھنا اور ان کے لئے حلال روزی کی فراہمی میں کوشش کرنا، بریانی قورمہ نہ سہی، انڈا پراٹھا نہ سہی، ریشم چکن نہ سہی، لیکن دال سبزی اور سوتی اونی کپڑے مہیا کرنے اور ان کو دیندار بنانے کی حتی الامکان کوشش کرنے میں کوتاہی نہ کرنا، جب اللہ کے راستہ میں ملکوں میں جانا ہو، دین کی سربلندی کے لئے سفر ہو تو گھر والوں کو اعتماد میں لینا، ان کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگنا، ان کی ہدایت، استقامت اللہ تعالیٰ سے منوالینا اور ان کے لئے عافیت اور سہولت کو اللہ تعالیٰ سے مانگ لینا بھی بہت ضروری ہے۔

دینی مقاصد کی خاطر اپنی اولاد کو سرزمین مکہ مکرمہ میں چھوڑنے کے بعد حضرت

---

[1] ماخذہ معارف القرآن: ج ۵ ص ۲۶۴

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ ان کے اس اقدام سے ہونے والی کمی کی وہ خود تلافی فرمائے۔ "وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ."

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں قلم بند کیا ہے: "(وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ): یعنی میری اس نسل کو جنہیں میں نے یہاں بسایا ہے، پھلوں کا رزق دے، یا (مراد یہ ہے کہ) انہیں اور ان کے ساتھ رہائش پذیر ہونے والے لوگوں کو ان سب قسموں کے پھلوں کا رزق عطا فرما جو اس جگہ پیدا ہوں یا باہر سے لائے جائیں۔"[1]

حضرت خلیل علیہ السلام کی اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی نسل کے لئے ان تمام اقسام کے پھلوں کے رزق کی دعا کی جو لوگوں کے درمیان معروف تھے۔ اس بارے شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے: (الثَّمَرَات) میں تعریف (الْ) استغراق عرفی کے لئے ہے، یعنی پھلوں کی وہ تمام اقسام جن سے لوگ آشنا ہیں، اور اس میں ان (کی نسل) کے لئے خوش حالی کی دعا ہے تاکہ وہ (سامانِ خورد و نوش کی قلت کے سبب) وہاں سے کوچ کا ارادہ نہ کریں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا، اور جس چیز کے فقدان کا انہیں اندیشہ تھا وہی چیز اس سے اعلیٰ نوعیت اور وافر مقدار میں ان کی نسل اور اہل مکہ کو عطا فرمائی۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾[3]

ترجمہ: "کیا ہم نے انہیں امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر چیز (یعنی قسم) کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں، (یہ) ہماری

---

[1] فتح القدیر: ج ۳ ص ۱۶۱

[2] التحریر والتنویر: ج ۱۳ ص ۱۵ا۷، روح المعانی: ج ۴ ص ۲۵۵

[3] سورۃ قصص آیت ۵۷

طرف سے رزق ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"

اپنی نسل کے لئے عبادت و طاعت میں معاون رزق طلب کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی نسل کے لئے ہر قسم کے پھلوں کے رزق کی دعا کی تو انہوں نے اپنی دعا ہی میں طلب کیا کہ وہ رزق ایسا ہو جو عبادت و طاعت میں ان کی بھرپور توجہ، دل جمعی اور تقویت کا سبب ہو۔

قرآن کریم میں حضرات ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ [1]

ترجمہ: "اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر کریں۔"

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: "یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عقل مند شخص کا دنیوی منافع (کے حصول) سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے میسر آنے پر وہ توجہ اور دل جمعی سے عبادت اور نیکی کے کام کر سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو واضح کیا کہ اپنی اولاد کے لئے دنیوی منافع طلب کرنے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ خوب توجہ اور دھیان سے نمازیں اور دیگر واجبات ادا کر سکیں۔"

علامہ خازن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: "یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دنیوی فوائد صرف اس غرض سے حاصل کیئے جاتے ہیں کہ وہ عبادات کے ادا کرنے اور نیکی کے امور سرانجام دینے میں معاون بن سکیں۔" [2]

---

[1] سورۂ ابراہیم آیت ۳۷

[2] تفسیر خازن: ج ۳ ص ۴۹

شیخ ابن عاشور رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: (دنیوی ساز وسامان کے حصول سے) مقصود یہ ہے کہ یک سوئی کے ساتھ عبادت کے اسباب میسر آجائیں، اور اس کی راہ میں حائل ہونے والی فکر معاش کی رکاوٹ ختم ہو جائے۔[1]

ہمیں بھی چاہیئے کہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بقدر ضرورت حلال اور پاکیزہ دنیوی ساز وسامان اور مال و دولت طلب اور جمع کرتے وقت اس کی غرض و غایت بھی یہی ہو۔ دنیوی مال ومتاع کو مقصود بالذات نہ ٹھہرائے۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جو دنیوی مال ومتاع میسر آئے اس کے ذریعے اپنی آخرت بنانے اور سدھارنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾[2]

ترجمہ: ''اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھا ہے، اس سے آخرت طلب کیجیے۔''

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

﴿أُطْلُبْ فِيمَا أَعْطَاكَ اللّٰهُ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالنِّعْمَةِ الْجَنَّةَ وَهُوَ أَنْ تَقُومَ بِشُكْرِ اللّٰهِ فِيمَا أَنْعَمَ عَلَيْكَ وَتُنْفِقَهُ فِي رِضَا اللّٰهِ﴾[3]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مالوں اور نعمتوں کے ذریعے جنت طلب کرنے کی کوشش کرو، اور اس کی عملی شکل یہ ہے کہ ان نعمتوں کا شکر کرو اور انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے کاموں میں خرچ کرو۔''

شیخ قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے فقر و فاقہ کے بعد آپ کو جو تونگری عطا فرمائی ہے اس کے ساتھ فرائض و مستحبات میں

---

[1] التحریر والتنویر: ج ۱۳ص ۲۲۲، روح المعانی: ج ۱۳ص ۲۲۰

[2] سورۂ قصص آیت ۷۷

[3] تفسیر بغوی: ج ۳ص ۴۵۴

سے نیک اعمال کرکے اپنے لئے زادِ آخرت بنالیجیے۔"[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں، ہمارے بہن بھائیوں اور اولادوں کو ان سعادت مند لوگوں میں شامل فرمائے جو نعمتِ دنیا کو یک سوئی اور توجہ سے عبادات کرنے اور زیادہ سے زیادہ اچھے کام سرانجام دینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ آمین یا حی یا قیوم!

اس لئے حدیث میں یہ دعا سکھلائی گئی کہ اے اللہ!

﴿وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا﴾[2]

ترجمہ: "اور دنیا کو ہمارا بڑا مقصد نہ بنا اور نہ اس کو ہمارے علم کی انتہائے پرواز بنا۔"

والد کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کے لئے رزق میں برکت کی دعا کرے

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ اور اسی میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر مکہ مکرمہ تشریف لائے، تب ان کے بیٹے گھر میں موجود نہ تھے۔ انہوں نے اپنی بہو سے ان کے حالات اور گذران کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے یہ سوال بھی کیا: "مَا طَعَامُكُمْ؟" "تمہاری خوراک کیا ہے؟"

بہو نے عرض کی: "اَللَّحْمُ" "گوشت۔"

انہوں نے پوچھا: "فَمَا شَرَابُكُمْ؟" "تمہارا مشروب کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "اَلْمَاءُ" "پانی۔"

---

[1] تفسیر قاسمی: ج ۱۳ص ۱۳۶

[2] مشکوٰۃ، باب جامع الدعاء: ج ۱ص ۲۱۹

انہوں نے دعا کی: "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِی اللَّحْمِ وَالْمَاءِ."

"اے اللہ! ان کے لئے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔"[1]

۴ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا دی:

"اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِی طَعَامِھِمْ وَشَرَابِھِمْ."

"اے اللہ! ان کے لئے ان کے کھانے اور پینے میں برکت عطا فرما۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: "ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بَرَكَةُ بِدَعْوَةِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ."

"(مکہ میں چیزوں کی فراوانی) ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت کی وجہ سے ہے۔"[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام مسلمانوں کے بچوں کے لئے بھی برکت کی دعا کیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اَلْجَامِعُ الصَّحِیْح میں ایک باب کا درج ذیل عنوان رکھا ہے:

﴿اَلدُّعَاءُ لِلصِّبْیَانِ بِالْبَرَكَةِ وَمَسْحُ رُؤُوْسِھِمْ﴾[3]

ترجمہ: "بچوں کے لئے برکت کی دعا کرنا اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنا۔"

اور اس باب میں ذکر کردہ واقعات میں سے تین درج ذیل ہیں:

(الف)...... حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے برکت کی دعا کی۔[4]

(ب)...... حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ انہیں آنحضرت صلی اللہ

---

[1] بخاری، کتاب الانبیاء: ج۱ص۴۷۶

[2] بخاری، کتاب الانبیاء: ج۱ص۴۷۶

[3] صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبیان بالبركة ومسح رؤسهم: ج۲ص۹۴۰

[4] ایضاً

علیہ وسلم کے پاس لے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے برکت کی۔[1]

(ج)...... حضرت ابوعقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے برکت فرمائی۔[2]

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے لئے بھی اور اولاد کے لئے بھی پاکیزہ حلال رزق وافر کے لئے دعا مانگتے رہیں اور پھر ان کے رزق میں برکت کی دعا بھی مانگتے رہیں، اور اے اللہ! یہ رزق ان کو آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں مدد کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسے کو طلبِ برکت کی دعا سکھلانا

علاوہ ازیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کریں: ''اپنی عطا کردہ نعمتوں میں میرے لئے برکت عطا فرما۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا:

﴿عَلَّمَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُوْلُهُنَّ فِي الْوِتْرِ: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيْمَنْ هَدَيْتَ...... وَمِنْهَا: وَبَارِكْ لِي فِيْمَا أُعْطَيْتَ﴾[3]

ترجمہ: ''مجھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں کہنے (دعا کرنے)

[1] صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ ومسح رؤسهم: ج۲ص۹۳۹

[2] ایضاً

[3] رواہ الترمذی، فی ابواب الوتر: ج۱ص۱۰۶

کے لئے یہ الفاظ سکھلائے:

اے اللہ! جن کو تو نے ہدایت دی، مجھے بھی ان میں سے (شامل کر کے) ہدایت دے......"

اور اسی دعا میں ہے: "اور تو نے جو کچھ عطا کیا ہے، اس میں میرے لئے برکت عطا فرما۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

۵ ﴿اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَآ اَعْطَيْتَهٗ﴾ [۱]

ترجمہ: "اے اللہ! اس (انس) کے مال کو زیادہ فرما، اس کی اولاد کو بڑھا اور (اپنی طرف سے) جو نعمتیں تو نے اس کو عطا کی ہیں ان میں برکت دے۔"

۶ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ [۲]

ترجمہ: "اے میرے رب! مجھ کو بھی نماز کا (خاص) اہتمام رکھنے والا رکھیئے اور میری اولاد میں بعضوں کو اے ہمارے رب، اور میری (یہ) دعا قبول کیجیے۔"

یہ مشہور دعا ہے، جو اکثر نماز میں درود شریف کے بعد بھی پڑھی جاتی ہے، دراصل اپنی اولاد کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں نماز کا پابند بنا دیا جائے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں نہ صرف اپنی اولاد کے لئے بلکہ اس کی آنے والی تمام نسلوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے نماز کی پابندی کی دعا مانگی

---

[۱] مشکوٰۃ جامع المناقب: ج ۲ ص ۵۷۵

[۲] سورۂ ابراہیم آیت ۴۰

ہے۔ ہر مسلمان اور مثالی والد کو سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے گھر والے خصوصاً بیوی بچے نماز کے پابند رہیں۔ اسی کے لئے مختلف تدابیر جو آگے مضامین میں آئیں گی ان کے ساتھ ساتھ یہ ایک بہترین دعا تعلیم کی گئی ہے، لہٰذا اس کا خوب اہتمام کریں۔

۷ ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا﴾ [۱]

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا پیشوا بنادے۔“

یہ مبارک دعا قرآن کریم میں مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کرنے والوں کو اپنے خاص اور نیک بندے فرماتے ہیں، یعنی اللہ والے بندوں کی صفات میں یہ شامل ہے کہ وہ یہ دعائیں کریں۔ آنکھوں کی ٹھنڈک بنادینے سے مراد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول دیکھے، یہی ایک انسان کے لئے آنکھوں کی اصلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد اور بیویوں کی ظاہری رحمت و عافیت اور خوشحالی بھی اس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے۔

یہاں اس دعا سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کرلیتے بلکہ اپنے اہل وعیال کی بھی اصلاح اعمال و اخلاق کی فکر کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صلاحیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں۔ ”وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا“ کے بارے میں بعض علماء کرام نے

---

[۱] سورۂ فرقان آیت ۷۴

فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے اہل وعیال کا قدرتی طور پر امام وپیشوا ہوتا ہے، اس لئے دعا کا حاصل یہ ہوگیا کہ ہماری اولاد اور اہل وعیال کو متقی بنا دیجئے اور جب وہ متقی ہوجائیں گے تو طبعی طور پر یہ شخص متقین کا امام وپیشوا کہلائے گا۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اپنی بڑائی کی دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست و امامت اور پیشوائی طلب کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود اس دعا کا یہ ہے کہ ہمیں ایسا بنا دیجئے کہ لوگ دین وعمل میں ہماری اقتداء کیا کریں اور ہمارے علم وعمل سے ان کو نفع پہنچے تاکہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو۔ حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دعا کا مقصود اپنے لئے تقویٰ کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگوں کو بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔

تو مسلمان والد کو چاہیئے کہ اپنے بیٹے اور بیٹی (بہو اور داماد) کے لئے دین و دنیا کی بھلائی کی دعا کرے اور خوب اخلاص کے ساتھ دعا کرے کہ یا اللہ! میرے بیٹے اور بیٹی کو پکا دین دار اور خالص مسلمان بنا، اپنے نازل کردہ دین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نورانی طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور اس پر ان کو قائم رکھ، یا اللہ! ان کو دنیا کے اندر دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھیلانے کا ذریعہ بنا، انہیں دین کا خادم اور دین پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والا بنا، یا اللہ! انہیں عالم عالمہ، حافظ حافظہ، داعی داعیہ، مبلغ مبلغہ بنا، یا اللہ! ان کو ہدایت یافتہ وہادی بنا، یا اللہ! ان کی تمام دنیوی واخروی مصیبتیں دور فرما، انہیں سوائے اپنی ذات بابرکت کے کسی اور کا محتاج نہ بنا، ان کو صالح بنا۔

یا اللہ! تو ہمیں اور ہماری اولاد کو ایمان کی زینت سے آراستہ کردے اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنادے، اے اللہ! مجھ کو اور میری اولاد کو اور زیادہ علم عطا فرما اور ہماری اولاد کو ہدایت عطا کر، اور ان کے دلوں کو الٹنے سے بچا اور انہیں اپنی طرف سے خاص رحمت نصیب فرما، بے شک آپ بہت بڑے عطا فرمانے والے ہیں، اے

اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اچھے اخلاق نصیب فرما اور برے اخلاق مجھ سے اور میری اولاد میں سے دور فرمادے، اے اللہ! میرا اور میری اولاد کا دین سنوار دے جس میں میری اور میری اولاد کے ہر کام کی حفاظت ہے، اور میری اور میری اولاد کی دنیا درست کردے جس میں ہمارا گذران ہے اور ہماری آخرت درست کردے جس میں ہمیں لوٹ کر جانا ہے، آمین یارب العالمین!

اسی طرح جو دعا حالات کے مناسب ہو آپ مانگ سکتے ہیں، مانگیے خوب رو رو کر مانگیے اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے اور آپ کی اولاد دنیا و آخرت دونوں میں خوش و خرم رہے گی۔

دعا تو ہر وقت قبول ہوتی ہے اس کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں، البتہ ان مندرجہ ذیل مواقع پر قبولیت کا زیادہ امکان ہے، لہٰذا ان اوقات میں زیادہ اہتمام کے ساتھ دعائیں مانگیے:

۱ ہر رات کے پچھلے پہر یعنی آخری حصے میں۔ اس وقت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا ہے کہ تم لوگ مجھ سے مانگو میں دوں گا۔

۲ شب جمعہ میں،

۳ جمعہ کے دن،

۴ شب قدر میں،

۵ اذان کے وقت،

۶ اذان و اقامت کے درمیان،

۷ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے بعد،

۸ اقامت کے وقت،

۹ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دین پھیلانے کی محنت کرتے ہوئے،

۱۰ فرض نمازوں کے بعد،

۱۱ سجدے کی حالت میں،
۱۲ قرآن کریم کی تلاوت اور ختم قرآن مجید کے وقت،
۱۳ عرفہ کے دن یعنی نو ذی الحجہ کو،
۱۴ رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ افطار کے وقت،
۱۵ بارش کے وقت،
۱۶ زمزم کا پانی پیتے وقت،
۱۷ مرغ کی آواز کے وقت،
۱۸ صدقہ کرنے یا کسی نیک عمل کے بعد۔

ان اوقات میں گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیے، اگر آپ کو زیادہ دعائیں یاد نہیں تو اس کے لئے الحِزْبُ الْاَعْظَم، حصن حصین، پُر نور دعائیں (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)، مستند مجموعہ وظائف (مرتبہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم) پڑھیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولاد سے محبت کرنے والا اور ان کے لئے دعائیں کرنے والا بنائے آمین۔

اپنی نسل کے لئے منتخب شہر کے پُر امن ہونے کی دعا

سیرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام میں یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ انہوں نے جس شہر میں اپنی نسل کو بسایا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

۸ اے اللہ! اس کو امن والا شہر بنادے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی اس دعا کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر کیا گیا ہے:

۱ سورۃ البقرہ میں اس دعا کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾ [۱]

---

[۱] سورۂ بقرہ آیت ۱۲۶

ترجمہ: ''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے رب! اس (مقام) کو امن والا شہر بنا۔''

۲ سورۂ ابراہیم میں یہ دعا یوں بیان کی گئی ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾[1]

ترجمہ: ''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجیے۔''

(الف)...... سورۃ البقرہ میں ذکر کردہ دعا تعمیر کعبہ سے پہلے کی ہے، اور سورۃ ابراہیم میں موجود دعا بنائے کعبہ اور اہل مکہ کے وہاں رہائش پذیر ہونے کے بعد کی ہے۔[2]

(ب)...... سورۃ البقرۃ میں مذکورہ دعا میں دو باتوں کو طلب کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس ویران جگہ کو شہر بنایا جائے، دوسری بات یہ ہے کہ اس کو پر امن بنا دیا جائے، اور سورۂ ابراہیم میں صرف شہر کو پر امن بنانے کی دعا کی گئی ہے اور مقصود یہ ہے کہ امن دائمی ہو۔ کیونکہ وہ ہی مقصود اصلی ہے۔[3]

(ج)...... سورۃ ابراہیم میں صرف طلب امن کی دعا ہے، اس امن میں مبالغہ کا ذکر نہیں، سورۃ البقرہ میں امن میں مبالغہ کی التجا بھی ہے۔

امن کو رزق سے پہلے طلب کرنے کی حکمت:

سورۃ البقرہ میں موجود دعا "رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ"[4] میں ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے طلبِ رزق سے پہلے اس شہر کے پر امن ہونے کی دعا کی۔ علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

---

[1] سورۂ ابراہیم: آیت ۳۵

[2] تفسیر ابن کثیر: ج ۱ص ۱۸۶

[3] روح المعانی: ج ۱ص ۳۸۱

[4] سورۂ بقرہ آیت ۱۲۶

’’نعمتِ امن کے ساتھ دعا کی ابتدا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ سب نعمتوں سے بلند و بالا ہے، اور اس کے بغیر دین و دنیا کی کوئی مصلحت پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔‘‘

کسی عالم سے سوال کیا گیا: ’’امن افضل ہے یا صحت؟‘‘ انہوں نے جواب دیا: ’’امن افضل ہے۔‘‘[1]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں لکھا ہے: ’’طلب امن کو دیگر سب التجاؤں پر مقدم کیا کیونکہ امن کے مفقود ہونے کی صورت میں انسان دین و دنیا کے کسی کام کو بھی توجہ اور دل جمعی سے سرانجام نہیں دے سکتا۔‘‘[2]

جیسا کہ حدیث شریف میں ذکر ہے:

﴿مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ، مُعَافًى فِي جَسَدِهِ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا﴾[3]

ترجمہ: ’’تم میں سے جو اپنے اہل و عیال میں امن کے ساتھ صبح کرے، جسمانی طور پر باعافیت ہو، اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو تو وہ ایسے ہے کہ اس کے لئے دنیا کو سمیٹ دیا گیا (یعنی اس کو دنیا دے دی گئی)۔‘‘

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

’’بحذافیرها.‘‘ ’’کہ پوری کی پوری (دنیا)۔‘‘[4]

لیکن نعمت امن کی حقیقی قدر غالباً وہی لوگ کرتے ہیں جو اس سے محروم ہو چکے ہیں۔ اے اللہ! ان شہروں کو با امن بنا جہاں ہماری اولادیں آباد ہیں، اور سارے عالم

---

[1] دیکھیے، التفسیر الکبیر: ج ۱۹ ص ۱۳۵

[2] فتح القدیر: ج ۳ ص ۱۲۰

[3] جامع الترمذی، باب ماجاء فی الزهادة فی الدنیا، رقم الحدیث: ۲۳۴۹، ج ۷ ص ۹

[4] سلسلة الاحادیث الصحیحة: ج ۵ ص ۴۰۸

اسلام کو بھی پر امن بنا۔ آمین یا رب العالمین۔

دعائے ابراہیم علیہ السلام کی قبولیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس فریاد کو بھی قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ﴾ [1]

ترجمہ: ''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو با امن بنایا (حالانکہ) لوگ ان کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں؟ کیا وہ باطل پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں مانتے؟''

شہری امن ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہم نے ہماری کتاب شرح اسمائے حسنیٰ میں ''المؤمن جل جلالہ'' کے تحت اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُلَاحِظْ." "ایمان بڑھانے کے لئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت اور محبت حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید رہے گا۔

بیٹوں کے لئے ہر شر سے پناہِ الٰہی کے حصول کی فریاد

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ:

﴿كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، وَيَقُوْلُ: إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ﴾ [2]

[1] سورۂ عنکبوت آیت ۶۷ [2] فتح الباری: ج ۶ ص ۴۱۰

تَرجَمَہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے (ہر شر سے بچاؤ کے) لئے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کیا کرتے تھے اور فرماتے: ''تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام) اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے لئے اللہ تعالیٰ سے (ان کلمات کے ساتھ) پناہ طلب کیا کرتے تھے۔''

❾ ﴿أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ.﴾

تَرجَمَہ: ''میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان، ہر زہریلی چیز، اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔''

''تمہارے باپ ان کلمات کے ساتھ پناہ طلب کیا کرتے تھے۔'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے لئے مذکورہ بالا دعا کے ساتھ کثرت سے پناہِ الٰہی طلب کیا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح حدیث میں تحریر کیا ہے: (وَمِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ) میں انسانوں اور جنوں کے سب شیطان داخل ہیں۔ اور ''هَامَّة'' میم کے تشدید کے ساتھ ہے اور (هَوَام) کا مفرد ہے، اور مراد زہریلی چیزیں ہیں، اور (اس کے معنی میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کا زہر قاتل ہو، اور اگر زہر قاتل نہ ہو تو اس کو ''سوام'' کہتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر ذی روح ہے جو برائی پہنچانے کا قصد کرے۔''[1]

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے (مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ) کی شرح میں لکھا ہے: ''اس سے مراد جنون اور جسم کے مختلف حصوں کو لاحق ہونے والی ہر وہ بیماری اور آفت ہے جو انسانوں کو پہنچتی ہے۔''[2]

---

[1] فتح الباری: ج ۶ ص ۴۱۰، عمدۃ القاری: ج ۱۵ ص ۲۶۵ [2] فتح الباری: ج ۶ ص ۴۱۰

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قلم بند کیا ہے: (اَلْعَيْنُ اللَّامَّةُ) سے مقصود برائی پہنچانے والی آنکھ ہے۔"[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اپنے دونوں بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہت کثرت سے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں، زہریلی چیزوں اور برائی کا قصد کرنے والی ہر آنکھ کے شر سے پناہ طلب کیا کرتے تھے، اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی بات اپنے دونوں پیارے نواسوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول: "كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُعَوِّذُ" کی شرح میں ایک عجیب بات نقل فرمائی ہے: لفظ "كَانَ" یعنی (تھے) کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو بیان کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت کے ساتھ اپنے نواسوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔"[2]

دکتور فضل الٰہی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

اللہ اکبر! خلیل الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن علیہما الصلوٰۃ والسلام اپنی نسلوں کو ہر قسم کے شرور وفتن سے بچانے کے لئے پناہ الٰہی حاصل کرنے کے کس قدر حریص تھے!

اے مولائے کریم! ہمیں بھی اپنی اولادوں کے بارے میں یہ حرص عطا فرما کہ ہم بھی آپ کی بارگاہ میں بار بار کثرت سے اولاد کی حفاظت و عافیت کے لئے ہدایت و استقامت کے لئے دعائیں مانگتے رہیں۔ آمین "یا ذَالْجَلَالِ

---

[1] عمدۃ القاری: ج ۱۵ ص ۲۶۵

[2] عمدۃ القاری: ج ۱۵ ص ۲۶۵

والاکرام.‘‘[۱]

اللہ تعالیٰ سے نسل میں سے امت مسلمہ بنانے کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے یہ دعا بھی کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایسی نسل پیدا فرمائے جو کہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی مطیع...... تابع دار ......اور فرماں بردار...... ہو۔

قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر درج ذیل آیت کریمہ میں ہے:

۱۰ ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص﴾[۲]

ترجمہ: ’’اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ۔‘‘

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: انہوں نے (ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام) نے اپنے لئے اور اپنی نسلوں کے لئے مسلمان بننے کی دعا کی۔ اور مسلمان بننے کی حقیقت یہ ہے کہ دل اور اس کے ساتھ سارے جسم کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار بن جائیں۔[۳]

شیخ ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ اس بات کی دعا ہے کہ ان کی نسل میں دین اسلام باقی رہے۔[۴]

اس دعا میں اپنی نسل کی تخصیص کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ خازن رحمہ

---

۱ ماخوذ حضرت ابراہیم بحیثیت والد: ص ۵۵

۲ سورۂ بقرہ آیت ۱۲۸

۳ تفسیر سعدی: ص ۵۱

۴ التحریر والتنویر: ج ۱ ص ۷۲۰

اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: کیونکہ وہ شفقت و نصیحت کے دوسرے لوگوں سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾[1]

ترجمہ: ''اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ ان کی نسل نماز قائم کرنے والوں میں سے ہو۔

1 ...... انہوں نے اپنی اولاد کو بیت اللہ کے پڑوس میں آباد کیا کہ وہ وہاں نماز قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾[2]

ترجمہ: ''(ابراہیم علیہ السلام نے کہا:) اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے کھیتی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے، اے ہمارے رب! (یہ اس لئے) تا کہ وہ نماز قائم رکھیں۔''

علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے: ''رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' میں ''لِيُقِيْمُوْا'' کا (لام) ''اَسْكَنْتُ'' سے متعلق ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے اپنی نسل میں سے ایک حصے کو اس بے آب و گیاہ جگہ میں اس غرض سے آباد کیا ہے کہ وہ یہاں نماز قائم کریں۔''[3]

2 ...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں اور ان کی اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے۔ ان کی اس دعا کا ذکر درج ذیل آیت کریمہ میں ہے:

---

[1] سورۃ تحریم آیت ۶

[2] سورۃ ابراہیم آیت ۳۷

[3] تفسیر کبیر: ج ۱۹، ص ۱۳۶

⑪ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ [1]

ترجمہ: ''اے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا، اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب! تو دعا کو قبول فرما۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''(رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ) سے مراد یہ ہے کہ میں نماز کی حفاظت کروں اور اس کی حدود کو قائم کروں (وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ) اور میری نسل کو بھی اسی طرح نماز قائم کرنے والا بنا۔'' [2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز قائم کرنے والوں میں اپنی نسل کے شمولیت کی خاطر دو چیزوں کا اہتمام کیا، انہیں بیت اللہ کے پڑوس میں آباد کیا، اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے التجا بھی کی۔ دونوں میں سے صرف ایک بات پر اکتفا نہ کیا۔ [3]

اس لئے رہائش کے لئے جگہ کا انتخاب کرتے وقت ہمیں چاہیے کہ مسجد کے قریب مکان بنائیں، یا خریدیں۔

اولاد کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں

اولاد لڑکا ہو یا لڑکی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی، دنیوی اعتبار سے اس طرح کے گھر کی رونق اولاد کے دم سے ہے، گھر میں خیر و برکت انہی سے ہوتی ہے، اولاد آپ کی جانشیں ہے جو آپ کے بعد آپ کی روایات اور کارناموں کو زندہ رکھتی ہے۔

اور دینی اعتبار سے اس طرح کہ اگر اولاد کی تربیت صحیح اسلامی بنیادوں پر ہو تو یہی اولاد آگے چل کر جو بھی دین کا کام کرے گی اس میں آپ کا پورا پورا حصہ ہوگا

---

[1] سورۂ ابراہیم آیت ۴۰

[2] تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۵۹۵

[3] ماخذہ ثُلُثُه مِنْ كِتَابِ ابراهيم عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلَامُ أَبًا: د۔ فضل الٰہی: ص ۶۱

اور اگر خدانخواستہ بچپن میں ہی انتقال ہوگیا اور اللہ کی مرضی سمجھ کر آپ نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے بے تحاشا اجر ہے، اور یہی بچے ماں باپ کے لئے دوزخ کی آگ سے آڑ ہیں، والدین کی سفارش کرنے والے ہیں، ان کی سفارش مقبول ہے۔ اور اولاد کی زندگی میں اگر آپ دنیا سے رخصت ہوگئے تو نیک اولاد آپ کے لئے ایک ایسا صدقہ ہے جس کا اجر رہتی دنیا تک آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیجیے کہ یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھے ایسی دولت سے نوازا ہے جو نہ قوت سے حاصل کی جاسکتی ہے نہ دولت سے، یا اللہ! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس بچہ اور بچی کی ایسی تربیت کروں کہ یہ تیرے دین کے داعی اور مجاہد بنیں۔

یہ شکر ادا کرنا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی۔ زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو وہ بڑے متعجب ہوئے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ:

﴿كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝﴾ [1]

ترجمہ: ''اسی طرح اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہے۔''

اور بعد میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝﴾ [2]

ترجمہ: ''اور یاد کیجیے اپنے رب کو بہت اور تسبیح کیجیے شام اور صبح۔''

یعنی ''اپنے رب کو (دل سے بھی) بکثرت یاد کیجیے (اور زبان سے بھی) تسبیح (وتقدیس) کیجیے، دن ڈھلے بھی اور رات صبح بھی۔'' [3]

[1] سورۂ آل عمران آیت ۴۰

[2] سورۂ آل عمران آیت ۴۱

[3] معارف القرآن: ج ۲ ص ۶۲، ۶۳

اسی طرح ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شکر کرتے ہوئے فرمایا:

"شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحٰق۔"

اس لئے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے تو بجائے لغویات میں پڑنے کے اللہ تعالیٰ کی خوب حمد وثنا بیان کریں، شکر ادا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے اور اپنے لئے پورے دین پر چلنے کی دعائیں کریں۔

اصل شکر یہ ہے کہ نعمت اپنے صحیح مقصد میں استعمال ہو۔

اولاد اللہ تعالیٰ نے اس لئے دی ہے کہ اس کی صحیح دینی تربیت ہو اور اس طریقے پر پروان چڑھے کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور بڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو ساری دنیا میں بلند کرنے کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کرے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اغیار کے طریقوں پر ہو اور بڑا ہو کر صرف دنیا کے چند ٹکوں کے حصول میں اپنی زندگی گذارے، تو یہ نعمت اولاد کی ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم عطا فرمائے، اور نعمتِ اولاد پر حقیقی شکر ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

اولاد کی قدر و قیمت

اولاد کا پہلا اور اہم حق یہ ہے کہ آپ اس کی قدر و قیمت کا احساس کریں، اس کے وجود کو وبال جان سمجھ کر اس سے اکتائیں نہیں، بلکہ اس کو اپنے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور انعام سمجھیں۔ اگر آپ اس کے وجود کی قدر و قیمت کا احساس کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر اس کے دوسرے حقوق ادا کرنا مشکل ہوگا۔

اولاد کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کے لئے اولاد کی صحیح قدر و قیمت کا جاننا ناگزیر ہے۔ اولاد اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ہے، اولاد گھر کی رونق، خیر و برکت اور دین و دنیا کی بھلائی کا سامان ہے۔

دین کے لحاظ سے اولاد اللہ تعالیٰ کا بے مثال انعام ہے، دین کے کاموں میں آپ کی بہترین معین اور جانشین ہے، دینی امور کی انجام دہی میں وہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے، اگر آپ نے ان کی صحیح طریقے سے تربیت کی تو وہ دینی روایات اور نظریات کی محافظ ہے، دنیا میں دین پھیلانے کا ذریعہ ہے، ساری دنیا کے چین و آرام کا سبب ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی:

۱۲ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ﴾ [۱]

ترجمہ: "میرے پروردگار تو اپنے پاس سے مجھے پاکباز اولاد عطا فرما۔"

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ان کا بیٹا دینی امور کا وارث بنے، لہٰذا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

۱۳ ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ [۲]

ترجمہ: "سو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دے دیجئے کہ وہ میرا وارث بنے۔" [۳]

یعنی یعقوب علیہ السلام (حضرت زکریا علیہم السلام کے اجداد میں سے تھے) کے گھر سے جو دین کی روشنی پھیلی تھی، اس کا وارث بنے۔

اولاد دنیا و آخرت کے اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے، اس لئے اپنی اولاد کی تربیت اس طریقے سے کریں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو

---

[۱] سورۂ آل عمران: ۳۸

[۲] سورۂ مریم آیت ۵

[۳] معارف القرآن: ج ۶ ص ۱۶

پھیلانے اور دنیا میں اسے نشر کرنے کے لئے اپنا مال اپنی جان پیش کرنے کو قابل فخر سمجھتا ہو۔

وضاحت: یہ تقریباً ۱۳ دعائیں ہیں، ان کو یاد کرلیں اور اپنے معمولات میں شامل کر لیں، ان میں عربی کی دعائیں نفل نماز کے سجدوں میں بھی مانگ سکتے ہیں، لہٰذا خصوصاً تہجد کی نماز میں سجدہ میں خوب دعائیں مانگیئے، جو دعا دل سے نکلتی ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

لڑکی کی پیدائش پر آپ کا ردعمل

آپ کے یہاں لڑکی پیدا ہو یا لڑکا آپ خوشی مناتے ہیں، اور قدرتی بات ہے کہ آپ خوشی منائیں، بلکہ اپنے ملنے جلنے والوں اور رشتہ داروں سے بھی توقع رکھیں کہ وہ آپ کی خوشی میں شریک ہوں، اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے، اس لئے کہ اسلام نے آپ کو جو روشنی دی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل آپ کے سامنے ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ سوچ ہی نہیں سکتے کہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان کوئی تفریق کریں، لڑکے کی پیدائش پر خوشی منائیں اور لڑکی پیدا ہو تو خوشی کا اظہار نہ کریں۔ لڑکی کے وجود کو حقیر سمجھنا اور لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینا غیر اسلامی طرز فکر وعمل ہے، جس سے اسلامی معاشرے کو پاک ہونا چاہیے، اور ایسا ہے بھی۔

لیکن پھر بھی کچھ گھرانے ایسے مل جاتے ہیں جن میں لڑکے اور لڑکی کی پیدائش کے موقع پر یکساں طرز عمل اختیار نہیں کیا جاتا، لڑکے کی پیدائش پر جس طرح دلی خواہشات کے ساتھ خوشی منائی جاتی ہے، لڑکی کی پیدائش پر اس طرح خوشی نہیں منائی جاتی۔ لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری جن جذبات کے ساتھ اپنے عزیز واقارب اور ملنے جلنے والوں کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ لڑکی کی خبر پر مبارکباد کچھ اس طرح دیتے ہیں، کہ گویا لڑکی والے کے جذبات کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں، اور اس کو

تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کر رہے ہیں۔

آپ ہی بتایئے ان جملوں کا کیا مطلب ہے؟ غیر تربیت یافتہ دادی یا پھوپھی صاحبہ کہتی ہیں، اس کو بھی گود میں لے لیتی ہوں مگر لڑکے کی تو بات ہی اور ہے، لڑکی والے تو سر اٹھا ہی نہیں سکتے، خیر بھئی ٹھیک ہے، اللہ کی مشیت میں کس کو دخل ہے، اللہ تعالیٰ نصیب اچھا کرے، اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا ہے تو وہی ہمت بھی دے گا، اس کو بھی پیار کرتا ہوں مگر بجھے بجھے دل سے۔ لڑکا ہوتا تو امنگ ہی اور ہوتی۔ آپ کو اطلاع اس لئے نہیں دی کہ کیا اطلاع دوں، وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا ہے، اس لئے کیا لکھتا۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" آپ ہی بتایئے ان جملوں کا اسلامی تعلیم سے کیا جوڑ ہے؟ مگر یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض مسلمان گھرانوں میں بھی دہرائے جاتے ہیں۔ مرد بھی دہراتے ہیں اور عورتیں بھی۔

اولاد کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس میں نہ کسی کے ارادے کو دخل ہے اور نہ کسی کی خواہش اور آرزو کو، اور یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں لڑکی بہتر ہے اور کس کے حق میں لڑکا۔ آپ یہ دعا اور تمنا تو ضرور کرسکتے ہیں کہ آپ کے یہاں لڑکی پیدا ہو، لڑکا نہ ہو یا لڑکا پیدا ہو لڑکی نہ ہو، لیکن ضروری نہیں کہ آپ کی تمنا پوری ہی ہو اور آپ کی دعا کو شرف قبولیت ہی ملے، یہ فیصلہ محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ آپ کو لڑکی بخشے یا لڑکا۔ دونوں سے نوازے یا دونوں سے محروم کرے۔ کسی کے بس میں نہیں کہ اس کے فیصلے کو بدل دے یا اس پر اثر انداز ہو، اس کی قدرت و اختیار میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

"وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو (جس کے لئے چاہے) جمع کر دیتا ہے (کہ) بیٹے بھی (دیتا ہے) اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے

بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔[۱]

یعنی انسان کی تخلیق میں کسی کے ارادہ واختیار بلکہ علم وخبر کا بھی کوئی دخل نہیں، اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا انسان کے ماں باپ جو اس کی تخلیق کا ظاہری سبب بنتے ہیں خود ان کے ارادہ واختیار کا بھی بچے کی تخلیق میں کوئی دخل نہیں، بچے کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا...... کیسا...... اور کس طرح...... بن رہا ہے، یہ صرف حق تعالیٰ کا کام ہے کہ کسی کو اولاد لڑکیاں دیتا ہے کسی کو نرینہ اولاد لڑکے بخش دیتا ہے، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرما دیتا ہے، اور کسی کو بالکل بانجھ کر دیتا ہے کہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی۔

ان آیات میں بچوں کی اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ شانہ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا بعد میں کیا ہے، اسی آیت کے اشارہ سے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔[۲]

حقیقت یہ ہے کہ اولاد کے معاملے میں انسان قطعی بے بس ہے، اگر وہ صرف اسی ایک معاملے پر غور کرے تو اس حقیقت کو پالے گا کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ کا حکم چل رہا ہے اور اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں۔ اولاد کے معاملے میں نہ کسی کی بزرگی اور کرامت کام دیتی ہے، نہ تعویذ گنڈے، اور نہ ڈاکٹری تدبیریں۔ دوسروں کو اولاد دلانا یا لڑکی کے بجائے لڑکا پیدا کرانا تو درکنار، خود کوئی بڑے سے بڑا روحانی پیشوا اپنے یہاں بھی اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا نہیں کرسکتا۔ اور اگر اولاد سے محروم ہے، تو یہ ممکن نہیں کہ اپنی کوششوں سے ایک بچہ بھی پاسکے۔

---

[۱] سورۃ الشوریٰ آیت ۴۹، ۵۰

[۲] قرطبی: ج۸ص۵۰، ۴۵۰، بحوالہ معارف القرآن: ج۷ص۷۱۲

پھر آپ یہ بھی کسی ذریعہ علم سے معلوم نہیں کر سکتے کہ آپ کے حق میں لڑکی خیرو برکت کا سامان ہے یا لڑکا۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک گھر میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں اور وہ خیر و برکت اور سکون و اطمینان کا نمونہ ہے، اور ایک گھر میں لڑکے ہی لڑکے ہیں، لیکن ہر ایک ماں باپ کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے، اور ماں باپ لڑکوں سے اس قدر نالاں ہیں کہ ان کا ذکر گوارہ نہیں اور لڑکی ان کے لئے اس درجہ سکون ہے کہ اس کے گن گاتے نہیں تھکتے، حقیقت یہ ہے کہ غیب کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی جانتا ہے کہ انسان کی سعادت اور بھلائی کس چیز میں ہے۔

اولاد اللہ کا انعام ہے۔ لڑکی بھی اس کا انعام ہے اور لڑکا بھی، انعام پانے والے کا کام ہے کہ وہ انعام کی قدر کرے اور اپنے محسن کا شکر بجالائے۔ مؤمن کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ مالک کے انعام کی ناقدری کرے اور ناشکری کی روش اختیار کرے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کس نعمت سے نوازے اور وہی اپنے علم اور اپنی قدرت کے تحت حکیمانہ فیصلے فرماتا رہتا ہے۔ اس کے فیصلوں پر راضی رہنا اور اس کو اپنے حق میں بہتر سمجھنا مؤمن کی شان ہے۔

یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوکر اس کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس تقدیر کا انکار کرتا ہے کہ جو اس کے متعلق اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہے۔ اور ایسے مواقع پر انسان کی مسلمانی کے معیار کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے کہ جب تک انسان کا قدرت کے فیصلے پر ایمان پختہ نہیں، وہ ایماندار نہیں بن سکتا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی مؤمن اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ ...... تقدیر پر ایمان نہ رکھے۔“ اور ابن ماجہ کی ایک طویل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان کا اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں تو اس کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔ [1]

---

[1] ابوداؤد، کتاب السنۃ: باب فی القدر، ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فی القدر: ۷۷

تقدیر کے ہر فیصلہ پر راضی رہنے کے لئے یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے:

﴿اَللّٰھُمَّ اَرْضِنِیْ بِقَضَآئِكَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَ لِیْ حَتّٰی لَآ اُحِبَّ تَعْجِیْلَ مَآ اَخَّرْتَ وَلَا تَاْخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ﴾[۱]

ترجمہ: ”اے اللہ! اپنی قضا پر مجھ کو راضی کر دے اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اسی میں مجھے برکت عطا فرما تا کہ جو چیز تو نے مؤخر فرما دی ہے اس کی جلدی نہ کروں اور جس کو تو نے فی الحال مقدر کر دیا ہے اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔“

لڑکی جو باعث سعادت بنی

حضرات عمران رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیوی نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ پروردگار میں اپنے ہونے والے فرزند کو تیرے حضور نذر کرتی ہوں، تو میری نذر کو قبول فرما۔ مگر جب ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تو بہت غم زدہ ہوئیں اور بولیں پروردگار یہ کیا، یہ تو لڑکی ہے۔ ہائے اللہ! اس بچی سے وہ مقصد کیسے پورا ہوگا جس کے لئے میں نے نذر مانی تھی۔ لڑکا تو لڑکی کی طرح نہیں ہوتا، وہ بہت سی فطری کمزوریوں اور تمدنی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ زوجہ عمران نے کس کو جنم دیا ہے، وہ اسے لڑکی سمجھ کر پریشان ہو رہی ہیں کہ اس سے وہ مقصد کیسے حاصل ہو سکے گا جس کے لئے وہ اپنے فرزند کو نذر کرنا چاہتی تھیں، انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ لڑکی ہی ان کے لئے وجہ سعادت ہے اور یہی لڑکی قیامت تک ان کا نام روشن رکھے گی، اسی کی بدولت زوجہ عمران کا نام آخری آسمانی کتاب میں محفوظ ہو جائے گا اور قیامت تک کروڑوں افراد ان کا نام لیتے رہیں گے اور اسی کی بدولت وہ ایک اولو العزم پیغمبر کی نانی بنیں گی، جن پر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب انجیل نازل فرمائے گا۔ چنانچہ

[۱] الحزب الاعظم: ص ۸۵

اللہ تعالیٰ نے زوجہ عمران کی نذر ٹھکرائی نہیں بلکہ اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسنِ قبول بخشا کہ قیامت تک اس حسنِ قبول کی کہانی دہرائی جاتی رہے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہر مؤمن مرد اور ہر مؤمن عورت کا یہ عقیدہ ہے کہ ان سے افضل نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ ہوسکتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار لڑکیوں کے والد ماجد تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین و آسمان میں ان سے بہتر کوئی خاتون نہیں، انہیں سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چار لڑکیاں عطا فرمائی تھیں، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان چار لڑکیوں کی ماں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت فرمائی:

"لڑکیوں سے نفرت نہ کرو، میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔"

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹیاں بڑی محبت والی اور بڑی خیر و برکت والی ہوتی ہیں۔[1]

حضرت ابن شریط رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے، جب کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے یہاں فرشتوں کو بھیجتا ہے جو آکر کہتے ہیں، اے گھر والو! السلام علیکم، فرشتے پیدا ہونے والی لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں، اور اس کے سر پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں: "يَقُوْلُوْنَ: ضَعِيْفَةٌ خَرَجَتْ مِنْ ضَعِيْفَةٍ اَلْقَيِّمُ عَلَيْهَا يُعَانُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" یہ ایک ناتواں کمزور جان ہے جو ایک ناتواں اور کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے، جو شخص اس ناتواں جان کی پرورش کی ذمہ داری اٹھائے گا، قیامت کے

---

[1] کنز العمال: ج ۱۶ ص ۴۴۹

دن اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہے گی۔ [1]

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جو کئی بچیوں کا باپ تھا، اس نے کہا کاش یہ سب بچیاں مر جاتیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سنا تو انہیں غصہ آگیا اور اس شخص سے بولے: کیا تم ان کو روزی دیتے ہو؟

لڑکی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے بنیادی طور پر دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آدمی لڑکی کے وجود ہی کو اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھے، دوسرے یہ کہ اس کے مصارف سے گھبرائے۔

پہلے سبب کا تجزیہ کیجیے تو ہر مسلمان والد کو شرم محسوس ہوگی کہ اس طرح سوچے، جو آدمی اسلام کی روشنی میں زندگی گزارنا چاہتا ہو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو اپنے لئے نمونہ مانتا ہو وہ بھلا کیسے سوچ سکتا ہے کہ لڑکی والا ہونا شرم اور عار کی بات ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بیٹیوں کے والد ماجد تھے، اور لڑکی کے وجود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی ڈھال اور جنت کا ذریعہ بتایا ہے۔

دوسرے سبب کا تجزیہ کیجیے تو آپ لمحہ بھر کے لئے بھی گوارا نہ کریں گے کہ اس طرح کا جاہلانہ خیال کسی مسلمان والد کے ذہن میں آئے۔ اللہ تعالیٰ کو رازق اور روزی رساں ماننے والا کیسے سوچ سکتا ہے کہ لڑکی کو روزی دینے والا میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان رکھنے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ رزق دینے والا اور ضروریات پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور ہر پیدا ہونے والے کو اللہ تعالیٰ ہی روزی مہیا کرتا ہے وہ اپنے حصے کی روزی ساتھ لے کر آتا ہے۔ کسی انسان کو اس طرح سوچنے کا کیا حق ہے کہ میں کسی کے لئے روزی مہیا کرتا ہوں جب کہ خود اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے اور وہ اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہے، پچھ

---

[1] کنز العمال: ج ۱۶ ص ۱۸۷، رقم ۴۵۳۷۰

بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کس کے نصیب میں کیا ہے اور پیدا ہونے والی کمزور ناتواں بچی کتنا طاقتور نصیب لے آئی ہے۔ یہ بھی اللہ کی قدرت سے بعید نہیں کہ آپ کے گھر میں پیدا ہونے والی نحیف و ناتواں بچی نہ صرف اپنے لئے روزی لے کر آئی ہو بلکہ وہ اپنے نصیب کی بدولت آپ کے بھی دن پھیر دے۔

کمزور لڑکی کا سرپرست بنا کر اللہ تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا احسان کہ اگر آپ سوچیں تو آپ کا رواں رواں شکر کے جذبات سے سرشار ہو جائے، وہ جنت جس کو اللہ تعالیٰ نے مشکلات اور تکالیف سے گھیر رکھا ہے اور جس کی راہ مشکلات سے پر ہے، لڑکی کا باپ بنا کر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے وہ راہ بہت آسان کر دی ہے کہ آپ کو لڑکی کا باپ بنا کر اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا فرما دی ہے اور آپ طبعی طور پر مجبور ہیں کہ اپنی بچی کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور اسے باپ کا پیار دیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت یہ ہے کہ لڑکی کے ساتھ پیار و محبت کا سلوک کرنا ایک طرف تو دوزخ کی آگ سے بچاؤ کے لئے ڈھال ہے اور دوسری طرف جنت کا ذریعہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

بیٹی ماں باپ کی جنت

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹی کا باپ بنایا ہے تو آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی جنت آپ کی نگرانی میں دے دی ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس جنت کی حفاظت کریں یا اسے ضائع کر دیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری دی ہے کہ اگر آپ نے بیٹی کی پرورش کا حق ادا کیا تو آپ کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں: نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں، وہ تینوں کو اپنی سرپرستی میں رکھے، ان کی ضروریات پوری کرے اور ان پر رحم کھائے تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ کسی قبیلے کے ایک آدمی نے پوچھا: اور اگر دو بیٹیاں ہوں یارسول اللہ! فرمایا: دو ہوں تب بھی یہی اجر ہے۔''[1]

مشکوٰۃ میں اسی مفہوم کی ایک اور روایت ہے جس کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، ان کا بیان ہے کہ اگر لوگ ایک بیٹی کے بارے میں پوچھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بارے میں بھی یہی بشارت دیتے۔[2]

اسلام نے لڑکی کی پرورش پر خصوصیت کے ساتھ متوجہ کیا ہے، اور لڑکی کی پرورش کا عظیم اجر و انعام بتا کر خاص طور پر اس کی ترغیب دی ہے۔

دراصل لڑکی ایک کمزور مخلوق ہے، برسوں تک اس کی پرورش اور کفالت کے بعد بھی اس سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ یہ اس کا کچھ دنیوی صلہ یا بدلہ والدین کو دے سکے گی، یا کما کر لا سکے گی۔ اس سے کسی خدمت کی توقع بھی نہیں ہے، اس لئے کہ جوں ہی یہ خدمت کے لائق ہوتی ہے، یہ کسی دوسرے کی خدمت کے لئے حوالے کردی جاتی ہے۔ کوئی آڑا وقت آجائے تو مدافعت کا حق بھی ادا نہیں کرسکتی۔ ان حالات میں اگر اسلام کی تعلیم آدمی کے سامنے نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ لڑکی کی پرورش کا حق ادا نہ کرسکے اور اس کو وہ پیار و محبت اور وہ عزت و مقام نہ دے سکے جس کی یہ مستحق ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان ہدایات کی بار بار یاددہانی کی جاتی رہے جو لڑکی کی پرورش سے متعلق خصوصیت کے ساتھ اسلام نے دی ہیں۔

قابلِ رشک صلہ

''بچیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہیں'' یہ مقولہ صرف معاشرتی مقولہ ہی نہیں

[1] الادب المفرد: ص ۱۵ [2] مشکوٰۃ، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق: ج ۲ ص ۴۲۳

بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ زندگی میں خدمت کی صورت میں اور آخرت میں اجر عظیم کی صورت میں اللہ کی رحمت ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بچی کی تربیت لڑکے کی تربیت سے زیادہ باعث اجر وثواب ہے۔ جو خوش قسمت اپنی بچیوں کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کرتا ہے، وہ لڑکوں کی تربیت کرنے والے سے اللہ کا زیادہ مقرب ومحبوب بن جاتا ہے، بلکہ ایسا انسان قیامت کے دن رحمۃ للعالمین کا ہمسایہ بنے گا۔ کس قدر بلند وارفع اعزاز ہوگا یہ۔ رسول رحمت کی زبان حقیقت ترجمان سے اس کی پیشن گوئی یوں ہوتی ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ.﴾ [1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص نے دو بیٹیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں بالغ (اور جوان ہوگئیں اور اپنے گھروں کی) ہوگئیں، تو روز قیامت وہ اس حال میں آئے گا کہ وہ اور میں (ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہوں گے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔"

ایک مؤمن ماں اور ایک مؤمن باپ کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ قیامت کے دن ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر ہو۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تبلغا" کا جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ بڑا ہی بلیغ ہے، اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ دونوں جوان ہوگئیں اور یہ بھی کہ وہ اپنی منزل یا مقصد کو پہنچ گئیں، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے گھر اپنے شوہر کی سرپرستی میں پہنچ

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ باب فضل الاحسان الی البنات: ج۲ص۳۳۰

گئیں۔

کتنی خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہے اس شخص کی کہ جو بچیوں کی پیدائش سے نفرت نہیں کرتا ان کو برا نہیں جانتا، ان کو بوجھ تصور نہیں کرتا، بلکہ ان سے پیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سمجھتا ہے اور بہترین تربیت کر کے ان کو جوان کرتا ہے......

ایسے ہی خوش نصیب کو قیامت کے دن، جب پیغمبر بھی "رَبِّ نَفْسِیْ رَبِّ نَفْسِیْ" پکار رہے ہوں گے، اس وقت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی اور رفاقت نصیب ہوگی۔

یا یوں کہہ لیں کہ وہ تربیت تو اپنی اولاد کی کر رہا ہے جب کہ اجر وثواب اور درجہ اللہ کے ہاں اس طرح حاصل کر رہا ہے کہ رسول مکرم نبی رحمت کا ساتھ اور رفاقت جنت میں حاصل کر رہا ہے۔

ایک حدیث میں بچیوں کی بہترین تربیت کرنے والے کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

﴿جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ وَ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا فَسَأَلَتْنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا فَأَخَذَتْهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْنَتَاهَا فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ حَدِيثَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ﴾[1]

ترجمہ: "میرے پاس ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لے کر حاضر ہوئی اور اس نے مجھ سے (کسی چیز کا) سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ باب فضل الاحسان الی البنات: ج۲ص۳۳۰

صرف ایک کھجور ہی موجود تھی۔ میں نے وہی کھجور اس عورت کو دے دی۔ اس نے اس کھجور کے دو حصے کیے اور دونوں بچیوں کو تقسیم کر دیے جبکہ اس کھجور سے خود کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ چلی گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا۔ یہ واقعہ سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ان بچیوں کے بارہ میں امتحان میں ڈالا گیا، وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے کامیاب ہوگیا۔ تو وہ بچیاں (قیامت کے دن) اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ (پردہ) بن جائیں گی۔“

بچی کی پرورش سے متعلق فضائل بیش بہا ہیں، سب کا احاطہ مشکل ہے، چند باتیں مذکورہ بالا احادیث میں آ گئیں، مگر قابل لحاظ امر یہ ہے کہ ان فضائل کا مستحق وہی بنے گا جو اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت حضرت فاطمہ، زینب، ام کلثوم و رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرز پر کرے کہ فوقیت دینی تربیت و تعلیم کو دے اور ضرورت کے درجے میں بقدر ضرورت عصری علوم بھی سکھلائے اور ذریعہ تعلیم بھی دینی ہونا ضروری ہے، ورنہ مخلوط تعلیم نے اخلاق کی تباہی میں جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اس طرح بچپن سے ہی شرعی پردہ کی تلقین اور نو دس سال کی عمر ہوتے ہی شرعی پردہ شروع کروا دیا جائے، کیونکہ فی زمانہ جن حالات سے ہمارا معاشرہ دوچار ہے، وہ سب پر ظاہر ہے، اس لئے کیوں اپنی لاڈلی بیٹی کو دوسروں کے دل میں برے خیالات پیدا کرنے کا سبب بنائیں۔ یہ بات یاد رکھیے کہ بچے اور بچیوں کا کھلانا پلانا اور لباس وغیرہ کی ضرورت پوری کرنے میں تو دنیا کے سارے لوگ برابر ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اصل فرق طرز تربیت کا ہے کہ مسلمان اپنی اولاد کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اپنی زندگی کا نصب العین

بنالے۔ صرف بچے پالنا دین نہیں، بچے تو غیر مسلم بھی پالتے ہیں۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر بچے پالنا دین ہے اور باعث ثواب بھی۔ بچیوں کو بچپن سے ہی بالوں کو ڈھانپنے کی ترغیب دیں، دستر خوان پر بیٹھیں تو بچہ بھی سر ڈھانپ لے ٹوپی پہن کر اور بچی اسکارف پہن لے، گھر کے باہر جائے تو بال کھلے ہوئے نہ ہوں، خالہ اور ماموں کے لڑکوں کے ساتھ نہ کھیلے، بلکہ خالہ اور ماموں کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلے، ڈائجسٹ اور عشقیہ مضامین کے پڑھنے سے بچائیں، وغیرہ......

بچیوں کی شادی کرانے کی فضیلت

ہر مسلمان والد کو چاہیئے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت، ان پر خرچ کرنا، ان کی پرورش کرنا، ان کی شادیاں کرانا، اس کو ہرگز بوجھ نہ سمجھیں، اس پر پریشان نہ ہوں خاص طور سے لڑکیوں کی شادی پر بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بلکہ ٹھنڈے دل سے ان تمام کاموں پر جو فضائل احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں ان کا استحضار رکھیں، اور اپنی اہلیہ کو بھی تسلی دیں کہ ان سب فکروں پر اور پریشانیوں پر اللہ تعالیٰ ہمیں بہت کچھ عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تین بچیوں کی پرورش کی، پھر ان کو ادب سکھایا، پھر ان کی شادیاں کروادیں، پھر ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔"[۱]

کتب احادیث میں وارد فرامین رحمۃ اللعالمین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بچیوں کی بہتر تعلیم و تربیت کرنا، لڑکوں کی نسبت زیادہ درجہ و اجر و ثواب کی حامل ہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ بچی کی گود مستقبل میں ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتی ہے،

[۱] ابوداؤد، كتاب الادب، باب في فضل من عال يتامى: ج۲ص۳۳۵

اگر تو اس کی تربیت اسلامی طریقہ پر نہ ہوئی تو وہ بھی اپنی اولاد کی تربیت غلط ہی کرے گی۔ ایک عربی شاعر نے اس مضمون کو کیا خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے:

اَلْاُمُّ مَدْرَسَةٌ اِنْ اَعْدَدْتَهَا
اَعْدَدْتَ شَعْبًا طَيِّبَ الْاَعْرَاقِ

ترجمہ: "ماں کی گود ایک درسگاہ ہے، اگر تو نے اس درس گاہ کو سنوار دیا تو گویا ایک بااصول اور پاکیزہ نسب والی قوم وجود میں آگئی۔"

حاصل یہ کہ اللہ کریم جو بھی اولاد عطا کرے، خواہ بیٹا ہو یا بیٹی، ہمارا فرض ہے کہ ہم ایمانداری سے اس پر پوری توجہ دیں، نہ کہ جاہلیت کے تصورات کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں، اور نرینہ اولاد کے حصول کی خواہش میں خالق کائنات اور آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرکے اپنی دولت ایمان کو لٹا بیٹھیں اور یوں ہم "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ" کا مصداق ٹھہریں۔

بے سہارا بیٹی کی کفالت

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں بہترین صدقہ کیوں نہ بتادوں، وہ تمہاری بیٹی ہے جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہے اور تمہارے سوا کوئی اس کو کما کر کھلانے والا نہیں ہے، اس کی کفالت کرنا" (یعنی شادی کے بعد بیوہ ہوجانے کے بعد پھر ماں باپ کے حوالے کردی گئی ہو)۔[1]

اس سے مراد اصلاً تو وہی بیٹی ہے جو شادی ہوجانے کے بعد پھر اپنے ماں باپ کے حوالے کردی گئی ہے، خواہ اس لئے کہ اس کا شوہر مرگیا اور سسرال میں اس کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے یا اس لئے کہ شوہر نے کسی وجہ سے اس کو طلاق

[1] ابن ماجہ، باب برالوالد والاحسان الی البنات، ص ۲۶۹

دے دی ہے اور وہ ماں باپ کے یہاں آگئی ہے، لیکن وہ لڑکی بھی اس سے مراد ہے جس کی شادی نہیں ہو سکی ہے یا وہ شادی کے لائق نہیں ہے۔

مثلاً کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہے...... یا کسی جسمانی نقص کی وجہ سے اس کی شادی نہیں ہو پا رہی ہے یا شادی کے لائق ہی نہیں ہے...... بہر حال ایسی بے سہارا لڑکی پر خرچ کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ خرچ ایسا صدقہ ہے جو تمام صدقات سے افضل ہے۔

بعض گھرانوں میں مطلقہ یا بیوہ بیٹی کو رکھ تو لیتے ہیں، لیکن بھابیوں، بھائیوں، چھوٹی بہنوں اور کبھی والدہ و والد کی زبانی طعنہ کے ایسے تیر مارے جاتے ہیں کہ وہ معصوم تڑپ جاتی ہے۔ ہرگز ایسا نہ کریں۔ کیا یہ وہی بیٹی نہیں کہ جب وہ چھوٹی تھی تو اس کی ناز برداریوں میں دن رات آپ نہیں تھکتے تھے اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا آپ کا مقصد حیات تھا۔ آج یہ بے چاری ٹوٹا دل لے کر آپ کے در پر پڑی ہے، تو اس کو زخم کیوں لگائے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے اس کی شادی کسی دین دار اور مناسب شخص ہی سے کر دیں۔ اور ہمت و جرأت کے ساتھ اس کی فکر کریں، کوشش کریں، رشتہ داروں، بزرگوں، اور دوستوں کو بتائیں کہ میری بیٹی یا بہن کے لئے کوئی رشتہ ہو تو بتاؤ، اگر یہ ممکن نہیں تو اس کے لئے اپنے گھر میں کمرہ الگ کریں، ہو سکے تو چولہا بھی الگ کریں تاکہ بھائیوں اور بھابیوں سے زیادہ واسطہ نہ پڑے تاکہ زخم ہرے نہ ہوں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ آپ کا یہ عمل یقیناً اللہ جل جلالہ کے دربار سے آپ کو بہت کچھ دلائے گا۔

لڑکی اور لڑکے کے ساتھ امتیازی سلوک

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے یہاں بچی ہوئی اور اس نے

اسے دور جاہلیت کی طرح زندہ دفن نہیں کیا، نہ اس کو حقیر سمجھا اور نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔“[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ماں باپ کو جس عمل پر جنت کی بشارت دی ہے اس کے تین اجزاء ہیں:

1. لڑکی کو زندہ دفن نہ کریں اور جینے کا حق دیں۔
2. لڑکی کی توہین وتحقیر نہ کریں۔
3. لڑکے کو لڑکی پر ترجیح نہ دیں۔

بہت سے گھرانوں میں لڑکوں کو گھر اور خاندان کے اندر جو عظمت و اہمیت حاصل ہوتی ہے وہ لڑکیوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ لڑکوں، لڑکوں کی بیویوں اور ان کی اولاد کے ساتھ جو اچھا سلوک ہوتا ہے، وہ بیٹیوں، بیٹیوں کے شوہروں اور ان کی اولاد کے ساتھ نہیں ہوتا۔ دراصل بیٹی اور بیٹے کے ساتھ جو امتیازی سلوک ہوتا ہے، اس میں یہ ذہن کام کرتا ہے کہ لڑکی کی پرورش دوسرے کے لئے کی جاتی ہے اور لڑکے کی پرورش اپنے لئے۔ لڑکی سے کسی طرح کی کوئی امید نہیں ہے اور لڑکے سے ہر قسم کی امیدیں وابستہ ہیں۔ لڑکی دوسرے کے گھر کی رونق اور آبادی کا ذریعہ ہے اور لڑکا اپنے گھر کی رونق اور آبادی کا ذریعہ ہے۔ اس ذہن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے کی پرورش میں جو ولولہ اور دلی جذبات کام کرتے ہیں، لڑکیاں ان سے محروم ہوتی ہیں۔ لڑکی کی پرورش اور اس کے ساتھ سلوک میں ادائے فرض کا جذبہ تو کام کرتا ہے، لیکن وہ امنگ و ولولہ اور نشاط و حوصلہ نہیں ہوتا جو لڑکے کی پرورش اور اس کے ساتھ سلوک میں کارفرما ہوتا ہے۔

لڑکی گھر میں بھی حقیر سمجھی جاتی ہے اور خاندان میں بھی۔ گھر میں بھی لڑکے کو

---

[1] ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی فضل من عال یتامی: ج ۲ ص ۳۴۳

اس پر ترجیح دی جاتی ہے اور خاندان اور تعارف والوں میں بھی لڑکے کو اس پر فضیلت حاصل رہتی ہے۔ ماں باپ بھی لڑکی کو وہ لباس، وہ زیور اور وہ تحفے نہیں دیتے جو اپنی بہو کو دیتے ہیں، بہو کو جو کچھ دیتے ہیں وہ دلی جذبات کے ساتھ دیتے ہیں کہ وہ انہی کے گھر کی رونق ہے اور بیٹی کو جو کچھ دیتے ہیں وہ محض ادائے فرض یا معاشرے میں اپنا مقام بنائے رکھنے کے لئے دیتے ہیں۔ بہو کو دے کر یاد نہیں رکھتے، لیکن بیٹی کو دے کر اسے یاد رکھتے اور اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایسے گھرانوں میں بیٹی کی اولاد کو بھی وہ سرپرستی، وہ شفقت اور پیار نہیں ملتا جو بیٹے کی اولاد کو ملتا ہے، بیٹے کے بچے اپنے گھر کے بچے سمجھے جاتے ہیں۔ اور بیٹی کے بچے غیر کے گھر کے بچے سمجھے جاتے ہیں۔ خاندان اور تعارف والوں میں بھی بیٹے کی اولاد اپنے گھر کے بچوں کی طرح سامنے لائی جاتی ہے اور اسی حیثیت سے خاندان والوں سے ان کے ساتھ سلوک کی توقع کی جاتی ہے، لیکن بیٹی کی اولاد کے ساتھ نہ اپنے سلوک کا یہ انداز ہوتا ہے اور نہ خاندان والوں سے اس حیثیت کے سلوک کی توقع کی جاتی ہے۔ اور خاندان والے بھی اپنے لوگوں کے بیٹوں کی اولاد کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں، وہ ان کی بیٹیوں کی اولاد کے ساتھ نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک مسلمان ماں باپ کو خبردار کرتی ہے کہ یہ طرز عمل پسندیدہ نہیں۔ اللہ کی خوشنودی اور جنت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ماں باپ، لڑکی اور لڑکے کو یکساں اہمیت دیں، دونوں کے ساتھ برابری کا سلوک کریں۔ لڑکی کو بھی گھر اور خاندان میں عزت وعظمت کا وہی مقام دیں جو وہ لڑکے کو دیتے ہیں، اور کسی معاملے میں بھی لڑکے کو لڑکی پر ترجیح نہ دیں اور ہمیشہ اپنے ذوق اور معاشرے کی روایات اور دستور کے مقابلے میں دین کے تقاضوں کو مقدم رکھیں۔

دنیا میں لڑکی کی ذات سے کسی مادی فائدے کی توقع نہ ہو تو نہ سہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آخرت پر یقین رکھنے والے ماں باپ کے لئے لڑکی

کے ساتھ حسن سلوک کا اس سے بڑا اور قوی محرک اور کیا ہوگا کہ یہی کمزور بچیاں قیامت کے روز اس کے لئے جہنم کی بھڑکتی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، اس کی گود میں اس کا بچہ تھا، وہ پیار سے اس بچے کو چمٹانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا: کیا تمہیں اس پر رحم آتا ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس بچے پر جتنا رحم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ وہ سارے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔[1]

عقیقہ کرنا

بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ ضرور پیش نظر رہے کہ عقیقہ صرف ایک مستحب صدقہ ہے، فرض نہیں ہے کہ لازماً کیا جائے۔ اگر کوئی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ باپ خوش حال ہو تو بہتر یہی ہے کہ عقیقہ کرے۔ یہ بچے کی جان کا صدقہ ہے۔ عقیقہ کر دینے سے بلائیں دور ہو جاتی ہیں اور آفات و مصائب سے بچے کی حفاظت رہتی ہے، عقیقہ کرنے سے بچے کی بہت سی مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ عقیقے کا گوشت غریبوں میں تقسیم کرنے سے غریبوں کی دعائیں بچے کو ملتی ہیں، ان کے قبول ہونے کا قوی امکان رہتا ہے۔ رشتے داروں اور پڑوسیوں کو بھی گوشت دیا جاتا ہے یا کھلایا جاتا ہے، اس سے سماجی روابط مضبوط ہوتے ہیں۔ اخوت اور بھائی چارے کی فضا استوار ہوتی ہے اور تو مولود کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَةٍ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ

[1] الادب المفرد، باب رحمة العيال: ص١١٩

وَيُسَمّٰى﴾[1]

ترجمہ: ’’ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض رہن ہے، ساتویں روز اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اسی روز اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال اتروائے جائیں۔‘‘

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَاهْرِقُوا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى﴾[2]

ترجمہ: ’’لڑکے کا عقیقہ کرو۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو (سر کے بال صاف کرو)۔‘‘

عقیقہ دراصل اس جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی ولادت کے ساتویں دن بطور صدقہ ذبح کیا جاتا ہے، اگر ممکن ہو تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک، لیکن لڑکے کے عقیقے میں دو بکریاں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے، ایک بکری یا بکرا بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔ یہ چونکہ بچے کی جان کا صدقہ ہے، اور بچے کی جان اس کے عوض رہن ہے اس لئے عقیقہ کرنا پسندیدہ عمل ہے۔

’’حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عقیقے میں ایک بکری کی اور فرمایا فاطمہ! ان کے بال اتروا دو اور بالوں کا وزن کر کے اتنے وزن کی چاندی خیرات کردو۔ تو ہم نے ان کے بالوں کا وزن کیا، بال ایک درہم کے برابر ہوئے یا ایک درہم سے کچھ کم۔‘‘[3]

---

[1] ابوداود، کتاب الضحایا: ج۲ص۳۶، جامع ترمذی، کتاب الاضاحی: ج۱ص۲۷۸

[2] صحیح بخاری، باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ: ج۲ص۸۲۲

[3] جامع ترمذی، کتاب الاضاحی باب العقیقۃ بشاۃ: ج۱ص۲۷۸

ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کی۔[1]

بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کرنے سے ایک تو نومولود کے لئے خیر و برکت ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ غریبوں اور مسکینوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ گھر کے افراد میں غریبوں کے لئے خرچ کرنے کا مزاج بنتا ہے۔ دراصل اسلام، معاشرے کے معاشی نظام کو کسی مرحلے پر بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ غریبوں اور پس ماندہ لوگوں کا ہر وقت خیال رکھتا ہے اور ہر خوشی کے موقع پر انہیں بھی خوش رکھنا چاہتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی طرف سے ایک بکری یا بکرا ذبح کرنا بھی جائز ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور وہ دو جانور کرنا چاہتا ہے تو خوشی سے کرے، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور کرنا ضروری نہیں، ایک بھی کر سکتے ہیں۔

عقیقہ ساتویں روز کرنا چاہیے۔

﴿وَلْيَكُنْ ذَاكَ يَوْمَ السَّابِعِ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فَفِيْ أَرْبَعَةَ عَشَرَ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فَفِيْ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”عقیقہ ساتویں دن ہونا چاہیے، اگر میسر نہ ہو تو چودھویں دن اور پھر بھی میسر نہ ہو تو اکیسویں دن۔“

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر چودھویں یا اکیسویں روز بھی عقیقہ نہ کیا جا سکتا ہو تو کسی ایسے دن کر دیا جائے، جو بچے کی پیدائش کا ساتواں دن ہو، مثلاً:

[1] موطا امام مالک، كتاب العقيقة: باب ماجاء في العقيقة: ص ۵۰۱
[2] مستدرک حاکم: ج ۴ ص ۲۳۸، ۲۳۹

اٹھائیسویں دن یا پینتیسویں دن، اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ بچہ جس روز پیدا ہوا ہے، اس سے پہلے والے دن عقیقہ کیا جائے مثلاً: بچہ منگل کو پیدا ہوا ہے تو پیر (سوموار) کو عقیقہ کیا جائے۔ جس پیر کو بھی عقیقہ کیا جائے، وہ پیدائش کا ساتواں دن پڑے گا۔

اگر کسی وجہ سے ساتویں روز نہ کرسکیں تو پھر چودھویں روز یا اکیسویں روز کریں، اور اس کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔

عقیقہ مسنون تقریب ہے، سنت کی پیروی کی نیت سے نہایت سادہ انداز میں اس تقریب کو انجام دیں، آخر میں ایک بات اور سمجھ لیں کہ عقیقہ کا گوشت سب کھا سکتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی قید کہ دادا دادی یا نانا نانی نہیں کھا سکتے، فضولیات میں سے ہے اور احادیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

عقیقے کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اور پکا کر بھی اور یہ بھی جائز ہے کہ دعوت کر کے کھلا دیا جائے۔ عقیقے کا گوشت قربانی کی طرح گھر والوں کے لئے بھی کھانا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیئے جائیں، ایک حصہ گھر کے لئے اور ایک حصہ رشتہ داروں اور دوستوں کے لئے اور ایک حصہ غریبوں اور مسکینوں کے لئے۔

اگر کسی وجہ سے کسی کا عقیقہ بچپن میں نہ ہوا ہو تو وہ بالغ ہونے کے بعد اپنا عقیقہ کر سکتا ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ خود کیا۔[1]

ایک روایت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔[2]

---

[1] فتح الباری: ج ۹ ص ۵۹۴

[2] مصنف عبدالرزاق: رقم ۷۹۶۰

عقیقے کا جانور ذبح کرتے وقت بچے کا نام لیا جائے، حدیث میں عقیقے کی دعا ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَاِلَيْكَ هٰذِهٖ عَقِيْقَةُ فُلَانٍ﴾[1]

ترجمہ: ''اللہ کے نام سے، اے اللہ! یہ تیرا مال ہے اور تیرے حضور پیش ہے۔ یہ فلاں (بچہ کا نام لیا جائے) کا عقیقہ ہے۔''

ختنہ

ختنہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور اسلامی شعار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فطرت (سلیم) پانچ چیزیں ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، بغل کے بال صاف کرنا، مونچھیں کترنا، اور ناخن کاٹنا۔''[2]

الفطرت سے مراد فطرت سلیم ہے، یعنی یہ پانچ چیزیں جو طہارت و نظافت اور خوش ذوقی کا تقاضا اور علامت ہیں، انسان کی فطرت میں داخل ہیں، بشرطیکہ انسان نے اپنی فطرت کو اپنی بدعملی اور بدذوقی سے مسخ نہ کرلیا ہو، یہ پانچوں چیزیں پرانے زمانے سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کی سنت رہی ہیں، سارے انبیاء ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور سب کی شریعتیں ان پر متفق رہی ہیں۔ گویا یہ انسان کی فطرت اور جبلت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔

اگر بچہ زیادہ کمزور نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ ساتویں روز ختنہ کرالیا جائے، اس میں دو مصلحتیں ہیں، ایک یہ کہ بچے کی کھال اس وقت بہت نرم اور پتلی ہوتی ہے، جلد اچھی ہوجائے گی۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ساتویں دن ختنہ کا جو اشارہ ملتا ہے، اس کی بھی تکمیل ہوجائے گی۔ حضرت سلمان

---

[1] فتح الباری: ج۹ ص۵۹۴، بیہقی: ج۹ ص۳۰۴

[2] صحیح بخاری، کتاب اللباس: ج۲ ص۸۷۵، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ: ج۱ ص۱۲۸

بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:

''بچے کی ولادت کے ساتھ عقیقہ ہے، پس اس کی طرف سے خون بہاؤ، اور اس سے گندگی وغیرہ دور کرو۔''[1]

گندگی وغیرہ دور کرنے سے مراد بال اتروانا اور نہلانا وغیرہ ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک ختنہ بھی اسی حکم میں داخل ہے، اس لئے کہ وہ بھی گندگی دور کرنے اور پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنے کے لئے ہے۔

لہٰذا مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز ختنہ کرالیا جائے اور اگر کسی وجہ سے نہ کرائیں تو چالیس دن کے اندر اندر کرالیں۔ ورنہ جب بھی کرائیں، پہلے یا بعد میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ دو باتوں کا خیال رہے، ایک یہ کہ بہت زیادہ تاخیر نہ کریں، دوسری بات یہ کہ اس سنت کو نہایت سادہ انداز میں کسی بڑے اہتمام کے بغیر ادا کریں۔ اگر حالات سازگار ہوں اور اس سنت کو ادا کرنے کی خوشی میں اپنے دوست احباب کو کچھ کھلائیں پلائیں تو گنجائش ہے، لیکن اس کو مستقل تقریب کی شکل دینا اور نمود و نمائش کے لئے کچھ خرچ کرنا ضروری سمجھنا، اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ بے وجہ اپنے اوپر کچھ چیزیں لازم کرنا اور پھر زیر بار ہونا اور اپنے لئے پریشانیاں پیدا کرنا شریعت کی نافرمانی ہے۔

بہتر یہی ہے کہ اس سنت کو اس طرح سادگی کے ساتھ ادا کیا جائے کہ خواہ مخواہ یہ لوگوں کے لئے پریشانی اور زحمت کا باعث نہ بنے۔

البتہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوشحال کیا ہے اور آپ اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سنت کے ادا کرنے کی توفیق بخشی ہے تو کچھ لوگوں کو کھانے پینے پر بلانا چاہیں یا کچھ شیرینی تقسیم کرنا چاہیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ حضرت

---

[1] ترمذی، ابواب الاضاحی، باب ماجاء فی العقیقۃ: ج ۱ ص ۲۷۸

سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: جب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہماری اور نعیم کی ختنہ کرائی تو اس خوشی میں انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کیا تو میں نے دیکھا کہ ہم اپنے ساتھ کے بچوں میں فخر اور خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہماری طرف سے تو مینڈھا ذبح کیا گیا۔[1]

البتہ اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ یہ کوئی رسم نہ بن جائے۔ اور پھر اس رسم کے لوازم اور مصارف کی وجہ سے یہ آسان اور اہم سنت امت کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ نہ بن جائے۔

بچے کو ماں کا دودھ پلوایئے

بچوں کو پالنے پوسنے کی خدمت میں قدرتی طور پر یہ بات بھی شامل ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو معروف دستور کے مطابق اپنا دودھ پلائیں۔ یہ ماں پر اس کے پیارے بچے کا حق بھی ہے اور ماں کی مادریت کا تقاضہ بھی۔ ماں کا بچے کو اپنا دودھ پلانا معاشرے کا ایک معروف دستور اور عام معمول ہے اور ہر ماں اپنی طبعی اور فطری ذمہ داری سمجھتی ہے کہ اپنے بچے کو اپنا دودھ پلائے۔

بچے کے وجود کو برداشت کرنا، اس کو جنم دینا اور اس کو پروان چڑھانے کے لئے اپنا دودھ پلانا، ہر ماں کا طبعی وظیفہ ہے، اور وہ اپنے طبعی تقاضوں کے تحت اس وظیفے کو اپنا دل پسند مشغلہ اور فطری فریضہ سمجھتی ہے۔ اور اپنے ننھے اور ناتواں معصوم بچے کا یہ حق سمجھتی ہے کہ اسے اپنے سینے سے لگائے اور اپنا خون جگر پلا کر پالے۔ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط﴾[2]

[1] الادب المفرد: ص ۱۸۲

[2] سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳

ترجمہ: ''اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں (یہ مدت اس کے لئے ہے) جو شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے۔''[1]

ماں کا دودھ بچے کا فطری حق ہے اور بچہ صرف باپ ہی کی اولاد نہیں ہے، بلکہ ماں کا بھی جگر گوشہ ہے، لہٰذا ماں کو چاہیئے کہ بچے کے باپ کا غصہ بچے پر نہ اتارے، اور بچے کی حق تلفی نہ کرے۔ بچوں کو دودھ پلانا انسانی سماج کا معروف دستور اور عام معمول ہے، جس کا زور دار داعیہ ہر ماں کی طبیعت اور فطرت میں موجود ہے، نہ صرف انسان بلکہ جانور کی طبیعت میں بھی موجود ہے۔ مائیں جن طبعی جذبات اور دلی لگن کے ساتھ اپنے معصوم بچوں کو جوش محبت میں دودھ پلاتی ہیں، وہی مطلوب اور محبوب ہے۔

اسی لئے قرآن کریم نے اس کی تائید، تحسین، ترغیب اور اہمیت کی وضاحت پر ہی اکتفا کیا۔ مؤمن ماں کے لئے اس ذمہ داری کو امتیازی شان کے ساتھ ادا کرنے کے لئے یہی محرک کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے عمل کی تائید کرتی ہے، اس کو پسند کرتی ہے اور اس کو نہایت اہم سمجھتی ہے اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل پر عظیم انعام اور صلے کی بشارت دیتے ہیں، اس لئے باپ پر لازم ہے کہ ماں کو اگر کوئی عذر نہیں تو اسے تاکید کرے کہ بچے کو اپنا دودھ پلائے، اس سے بچوں کی صحت بھی ٹھیک رہے گی اور دو سال کی عمر تک ماں باپ اجر کے مستحق بھی ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جب سب سے چھوٹے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع نے آپ کو خوشخبری سنائی، آپ نے اس خوشی میں اسی وقت ایک غلام آزاد کردیا۔ جب ساتواں دن ہوا تو عقیقہ کیا اور بچے کے بال اتروائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالوں

---

[1] معارف القرآن: ج ۱ص ۵۷۹

کے وزن کے برابر چاندی فی سبیل اللہ خیرات کی۔

دودھ پلانے کے لئے انصار کی بہت سے خواتین نے پیش کش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے خولہ بنت زید انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس خدمت کے لئے منتخب فرمایا اور ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا اور اس خدمت کے معاوضے میں ان کو کھجوریں دیں۔[1]

لیکن دودھ پلانے میں باپ ایک بات پر نظر رکھیں کہ اگر ماں کے دودھ میں کسی قسم کے مضر اثرات (جو کہ بعض اوقات دواؤں کے استعمال سے پیدا ہو جاتے ہیں) ہوں، یا ماں ولادت کے بعد اتنی کمزور ہوگئی ہو کہ دودھ پلانے کی متحمل نہیں ہے تو ایسے حالات میں بے جا طور پر بیوی کو مجبور نہ کریں کہ وہ ضرور بچے کو دودھ پلائے۔ صرف سمجھائیں، اور دعا کریں۔

بعض اوقات شوہر، بیوی کی واقعۃً حقیقی کمزوری کو بہانہ سمجھ کر اس سے بچے کو دودھ پلوانے کی ضد کرتے ہیں، جو جھگڑے کا باعث بنتا ہے۔

ماں باپ دونوں خصوصاً والد اس بات کا بہت خیال رکھے کہ بچے کی پیدائش کے بعد دو سال تک حمل نہ ٹھہرے، اطباء نے لکھا ہے کہ اگر حمل نہ ہو تو ماں کا دودھ وافر اور صحت بخش ہوتا ہے، جس سے بچے کی تندرستی قائم رہتی ہے اور اس سے بچے کی صحیح نشونما ہوتی ہے۔

حمل ٹھہرنے کی صورت میں دودھ خراب ہو جاتا ہے، اس لئے طبیب سے مشورہ کر کے کوشش کریں کہ کم از کم دو سال تک حمل نہ ٹھہرے کہ اتنی مدت تک دودھ پینا بچے کا حق ہے۔

جنت میں شکر کا محل

والدین کی زندگی ہی میں اولاد کی موت واقع ہو جائے اور والدین اس جانکاہ

[1] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم از علامہ شبلی نعمانی: ج ۲ ص ۴۵۸

صدمے کو صبر اور شکر کے ساتھ اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اللہ تعالیٰ نے لے لی اور مجھے اجر ملے گا، برداشت کرلیں تو والدین کے لئے یہ تکلیف ذخیرہ آخرت، وسیلہ جنت اور زبردست اعزاز واکرام کا ذریعہ ہے۔ اس صبر اور شکر کے صلہ میں اللہ تعالیٰ والدین کو جنت سے نوازے گا اور جنت میں ایک محل تیار کرے گا جس کا نام شکر کا محل ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب کسی بندے کی اولاد کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ فرشتے جواباً کہتے ہیں: جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: تم نے اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟ فرشتے کہتے ہیں: جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: پھر میرے بندے نے کیا کیا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: (پروردگار) تیرے بندے نے تیری تعریف کی اور اس مصیبت پر اس نے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں: میرے بندے کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کرو اور اس کا نام "بَیْتُ الْحَمْد" "شکر کا محل" رکھو۔[1]

''حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان جوڑے کے بھی تین نابالغ بچے مرجائیں، تو یہ بچے قیامت کے روز جنت کے دروازے پر رک کر کھڑے ہوجائیں گے، اور جب ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہوجاؤ تو یہ معصوم بچے جواب دیں گے: جب تک ہمارے ماں باپ جنت میں داخل نہ ہوں گے، ہم جنت میں نہیں جاسکتے،

---

[1] مشکوٰۃ، باب البکاءِ علی المیت: ج ۱ ص ۱۵۱

تو اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ ”جاؤ تم اور تمہارے ماں باپ سب ہی جنت میں جاؤ۔“[1]

بچوں کی کفالت سے غفلت، سنگین گناہ

﴿كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ﴾[2]

ترجمہ: ”آدمی (کی بربادی) کے لئے یہی گناہ کافی ہے کہ وہ ان کو ضائع کردے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ ہے۔“

آدمی جن لوگوں کا کفیل بنایا گیا ہے، ان کی کفالت سے غفلت برتنا اور ان کو ضائع کردینا ایسا سنگین جرم ہے کہ تنہا یہی جرم اس کو اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور گنہ گار قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ اس غفلت اور کوتاہی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

یہ کہ وہ نمود ونمائش میں تو خوب خرچ کر رہا ہو، لیکن اہل وعیال کے حقوق سے غافل ہو۔

یہ کہ خود تو داد عیش دے رہا ہو اور دوستوں کے ساتھ مل کر خوب دعوتیں اڑا رہا ہو اور اولاد فاقہ کشی میں مبتلا ہو۔

یہ کہ دین کی صحیح سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا مال ومتاع دوسرے خیر کے کاموں میں لگا رہا ہو اور اہل وعیال کی ضروریات سے غفلت برت رہا ہو۔

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام شریعت کی پابندی کرتے ہوئے اپنے وسائل کی حدود میں ان کے دنیوی تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بیت اللہ کے جوار میں بسانے کے لئے لائے تو اپنے ہمراہ ان دونوں

---

[1] مجمع الزوائد: ج ۳ ص ۶۵

[2] سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ: ج ۱ ص ۲۳۸

کے لئے کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ لائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا:

﴿ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ وَبِابْنِهَا إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - وَهِيَ تُرْضِعُهُ۔ حَتّٰى وَضَعَهَا عِنْدَ الْبَيْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ، فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ وَسِقَاءً فِيهِ مَاءٌ﴾[۱]

ترجمہ: "پھر ابراہیم علیہ السلام اس (والدہ اسماعیل) کو، اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کو، جنہیں وہ (ان دنوں) دودھ پلا رہی تھی، لے آئے، ان دونوں کو گھر (خانہ کعبہ) کے پاس بڑے درخت کے قریب مسجد کے بالائی حصے میں بٹھا دیا جہاں (اب) زمزم ہے، اور تب مکہ میں کوئی نہ تھا، اور نہ ہی وہاں پانی تھا۔ انہوں نے کھجوروں کا چمڑے کا بنا ہوا تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ ان دونوں کے پاس رکھ دیا۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیوی بچوں کے لئے کھجور پانی کا انتظام کیا، پھر ان کو چھوڑ کر گئے۔

وہ خرچ جس کا اجر سب سے بڑھ کر ہے

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی، ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے کسی غلام کو غلامی سے آزاد کرانے کیلئے خرچ کی ہو، ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے کسی غریب کو صدقہ میں دی، اور ایک اشرفی وہ ہے، جو تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کی۔ ان میں سب

---

[۱] صحیح البخاری، کتاب الانبیاء: ج ۱ ص ۴۷۲

سے بڑا اجر اس اشرفی کا ہے جو تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کی۔‘‘[۱]

اس روایت کی مزید وضاحت حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’سب سے بہتر اشرفی، وہ اشرفی ہے، جس کو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے۔ اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔ ابوقلابہ (ایک درمیانی راوی) کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال بچوں پر خرچ کرنے سے بات شروع کی اور پھر فرمایا: اس آدمی سے بڑھ کر اجر و انعام کس کا ہوسکتا ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو مانگنے سے بچائے اور خوشحال بنائے رکھے۔‘‘[۲]

اولاد پر خرچ کرنے میں نیت صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہو۔ یہ نیت بالکل نہ ہو کہ آج میں ان کے لئے کر رہا ہوں کل یہ میرے لئے کریں گے۔ آج جو کچھ میں ان پر لگا رہا ہوں، وہ انویسٹ ہو رہا ہے، کل اس سے بڑھ کر ملے گا، اور میرے بڑھاپے میں میرے لئے بیساکھی کا بندوبست ہوگا۔ یہ ایک گھٹیا اور ادنیٰ نیت ہے، اعلیٰ نیت یہی ہے کہ جو میں ان پر خرچ کر رہا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے خرچ کر رہا ہوں، اور یہ بڑے ہوکر جو خیر و بھلائی کا کام کریں گے، وہ میرے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

وہ باپ جس کا چہرہ بدر کامل کی طرح چمک رہا ہوگا

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول

[۱] مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقة علی العیال: ج ۱ ص ۳۲۲

[۲] جامع ترمذی، ابواب البر والصلة: ج ۲ ص ۱۸

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے حلال ذرائع سے دنیا طلب کی تاکہ اپنے کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچائے رکھے اور اپنے اہل وعیال کے لئے روزی مہیا کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے، وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ بدر کامل کی طرح چمک رہا ہوگا۔ اور جس نے حلال طریقے سے دنیا اس لئے کمائی کہ وہ دوسروں سے مال و دولت میں بڑھ جائے، دوسروں پر اپنی بڑائی جتائے، نمود ونمائش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔"[1]

غور فرمایئے! بچوں کے لئے دنیا کمانا بھی اجر وثواب کا باعث بن گیا، لہٰذا بچوں کے لئے آپ جتنی محنت کررہے ہیں، اس پر آخرت کے اجر کی بھی امید رکھیے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ملازمت اور تجارت کرتے ہوئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کیجیے۔

کفالت کی ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ بچے کی ولادت سے بالغ ہونے کے وقت تک بچے کے ہر طرح کے مصارف باپ برداشت کرے۔ اس کی ولادت کے مصارف، کھانے پینے پہننے اوڑھنے کے مصارف، اس کی خدمت ونگہداشت کے مصارف، اس کی صحت وآرام کے مصارف، اجنبی عورت سے دودھ پلانا ہوتو اس کا معاوضہ، اور اگر اللہ نہ کرے بچے کی ماں کو طلاق دے دی ہو اور وہ دودھ پلائے تو اس کا معاوضہ، غرض بچے کی پرورش اور نشو ونما کے لئے ہر قسم کے خرچ برداشت کرنا باپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ اگر باپ خوش حال ہوتو بچے کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا بھی اس پر واجب ہے اور بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا بھی مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باپ کے سینے میں پدری محبت کا بے پناہ جذبہ پیدا فرما کر اس پر

[1] کنز العمال: ج ۴ ص ۱۲

بھی زبردست احسان کیا ہے اور اولاد پر بھی۔ اس فطری محبت کے بغیر محض تقاضائے فرض کے طور پر اولاد کی کفالت بڑا کٹھن کام تھا۔ اور کم ہی لوگ اس فرض کا حق ادا کرپاتے۔ نتیجے کے طور پر اولاد کی پرورش انسانی معاشرے کا ایک سنگین مسئلہ بن جاتا اور اولاد بالعموم پرورش سے محروم رہ جاتی۔ اولاد پر بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے والدین کے دل میں ان کی زبردست محبت و پیار پیدا کر کے ان کی پرورش کو والدین کے لئے نہایت خوشگوار فرض اور انتہائی محبوب اور دل پسند مشغلہ بنا دیا۔

مسلمان باپ اپنی اولاد کی کفالت اس لئے بھی کرتا ہے کہ وہ اولاد سے فطری محبت رکھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ تصور بھی رکھتا ہے کہ اولاد کی کفالت ایک دینی فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے سپرد کیا ہے کہ میں ان کی نگرانی اور سرپرستی کروں۔ اپنی اولاد پر خرچ کر کے وہ اپنے پدری جذبات کو بھی تسکین دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ آخرت میں اس حسن عمل کا اس کو بیش بہا صلہ عطا فرمائے گا۔

اولاد کی فطری محبت کے ساتھ جب یہ زوردار محرک بھی مل جاتا ہے کہ اولاد کی کفالت آخرت میں بھی کامیابی کا ذریعہ ہے، تو یہ فریضہ نہایت آسان اور دل پسند بن جاتا ہے اور مسلمان باپ اپنی عاقبت بنانے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں محبوب بننے کے لئے اس فرض کو عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ اولاد کی کفالت کے لئے سخت سے سخت مشقتیں جھیل کر اور زبردست قربانیاں دے کر بھی خوش اور مطمئن ہوتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حسن عمل کی توفیق بخشی اور اس نے میرے سپرد جو امانت کی تھی، میں نے اسے ضائع نہیں کیا۔ اولاد پر خرچ کر کے بجا طور پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا۔

حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَهْلِهٖ نَفَقَةً يَحْتَسِبُهَا فَهِیَ لَهٗ صَدَقَةٌ﴾ ؎

ترجمہ: ”جب کوئی شخص اللہ کو خوش کرنے اور آخرت میں اجر پانے کے لئے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ (اللہ تعالیٰ کی نظر میں) صدقہ قرار پاتا ہے۔“

احتساب کے ساتھ کسی عمل کو کرنے کے معنی یہ ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے اجر کے لئے عمل کیا جائے اور اس کے پیچھے کوئی اور جذبہ نہ ہو۔ اور اس کا استحضار ہو کہ اس پر مجھے اللہ تعالیٰ یہ اجر عطا فرمائیں گے۔

ایک بات کی وضاحت یہاں پر ضروری ہے کہ بچے پر جو کچھ بھی خرچ کرے، اس میں ایک پیسہ بھی حرام کا نہ ہو، ورنہ ”نیکی برباد گناہ لازم“ کا مصداق ٹھہرے گا۔ اسی طرح جب نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہے تو نام ونمود ونمائش وغیرہ کے لئے اور فضول تقریبات مثلاً سالگرہ وغیرہ پر مال خرچ کرنے سے اجتناب کریں، اگر ماں اور بچے کی طرف سے زور بھی ہو تب بھی پیار ومحبت سے ان کو سمجھائیں اور ترغیب دیں کہ ایسی لغویات کی اسلام میں اجازت نہیں اور اس میں آخرت کے علاوہ دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے اور یہی پیسہ جو ہم سالگرہ پر خرچ کرتے ہیں، غریب یتیم بچوں کی تعلیم پر خرچ کریں تو معاشرہ میں جہالت کے ختم ہونے کا سبب ہو، اور سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ اس میں غیروں کی نقل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دونوں جہان میں نقصان کا سبب بنتی ہے۔

اولاد پر خرچ، والد کی ذمہ داری ہے

اصولی طور پر وہی صدقہ وخیرات پسندیدہ ہے، جس کے بعد بھی خوش حالی رہے اور بچے کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔ اسی طرح یہ بھی فہم دین سے محرومی کی

؎ ریاض الصالحین: ص ۱۵۲

بات ہے کہ آدمی کے اپنے بچے تو فاقہ کشی میں مبتلا ہوں، ان کو تو ناپ تول کر دیا جائے، اور شہرت و ناموری کے لئے یا ذاتی عیش و آرام کے لئے کشادہ دلی سے خرچ کیا جائے۔ آپ کے مال و متاع کے اولین مستحق آپ کے پیارے بچے ہیں، خواہ وہ اس بیوی ہی کے کیوں نہ ہوں، جو آپ سے جدا ہو چکی ہے، چاہے کسی وجہ سے بھی، بہر حال وہ آپ کے بچے ہیں، ان کو تنگی میں رکھ کر آپ خود عیش کریں یا دوسروں کو عیش کرائیں اور ان کو ترسا ترسا کر دیں، اور دوسروں کو دینے میں کشادہ دلی اور فراخ دستی دکھائیں، یہ حق تلفی ہے، آپ کا یہ عمل قابل اصلاح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے اولاد کی ضروریات پوری کریں۔

> ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اچھا صدقہ وہ ہے، جس کے بعد بھی خوشحالی برقرار رہے اور سب سے پہلے ان پر خرچ کرو، جن کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے۔''[۱]

اس حدیث سے مسلمان ماں باپ کو ایک متوازن، معتدل اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق نقطہ نظر ملتا ہے۔ ہر انسان کی فطری خواہش ہے کہ اس کا مال اس کی اولاد کے کام آئے اور وہ آرام و آسائش کی زندگی گزارے۔ مال و دولت کمانے کا سب سے بڑا محرک بھی یہی ہے، اور سب سے پہلا پسندیدہ مصرف بھی یہی ہے۔ اسلام صدقہ و خیرات پر بہت زور دیتا ہے، بلکہ اس کو ایمان کا تقاضا قرار دیتا ہے اور بخل اور تنگ دلی کو نفاق کی علامت بتاتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ سب سے پہلے ان لوگوں کی ضروریات پوری کرو، جن کے تم کفیل بنائے گئے ہو۔ اولاد کی ضروریات نظر انداز کر کے اپنی ذاتی نفسانی فضول خواہشات پر لگانا یا اولاد سے بچا بچا کر جمع پہ جمع کرتے رہنا اور اپنی جمع شدہ پونجی کی ان کو خبر بھی نہ

---

[۱] مشکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ: ج ۱ ص ۱۷۰

ہونے دینا، یہ سمجھداری نہیں ہے۔

اسی طرح اپنی حیثیت کے موافق اولاد پر خرچ کرنے میں سخاوت کی جائے، بار بار روک ٹوک اور ایک ایک پیسہ کے حساب پر ڈانٹ ڈپٹ اور ذلیل نہ کیا جائے، بلکہ اچھی چیزوں پر خرچ کرنے کا عادی ہے تو حوصلہ افزائی کی جائے اور غلط چیزوں پر خرچ کرنے کا عادی ہو تو بار بار اس طرح سمجھایا جائے کہ اس کی سمجھ میں آجائے، بچے کو عمر کے موافق جیب خرچ دی جائے، ایسا نہ ہو کہ سخاوت کے جذبے کے تحت چھوٹی عمر میں اتنے پیسہ دے دیں کہ جس سے خود اس بچے اور دوسرے بچوں کے اخلاق خراب ہوں۔

لہٰذا افراط وتفریط کے درمیان اس طرح خرچ کیا جائے کہ نہ بچہ بگڑے اور نہ جوان شادی شدہ اولاد والد کی موت کی تمنا کرے، اس لئے کہ سمجھدار بچوں پر بہت زیادہ روک ٹوک اور بار بار دوسرے بھائی بہنوں کے سامنے ذلیل کرنا، بچوں کے دل میں والد کی موت کی تمنا پیدا کردیتا ہے۔ اس موقع پر والد کو سوچنا چاہیئے کہ میرے انتقال کے بعد تو سب اولاد اور بیوی ہی کا ہے تو میں اپنی بات اسی طرح کہوں کہ اس کا وزن باقی رہے اور بچوں کو اس سے نصیحت ملے، نہ کہ وہ مزید پریشانی کا سبب ہو۔

اسی طرح گناہوں میں خرچ کرنے سے خود بھی بچے اور اولاد کو بھی بچائے۔ دنیا وآخرت میں گناہوں پر خرچ کرنے کے نقصانات، اس پر عذاب و وبال اور انفرادی و اجتماعی نقصانات کو ان کے سامنے کھول کھول کر بیان کرے، تاکہ وہ ان گناہوں میں خرچ نہ کریں، لیکن یہ خیال رکھے کہ سو فیصد اولاد کا مزاج باپ پر نہیں آسکتا، اگر والد قناعت پسند ہے تو ہوسکتا ہے اولاد فضول خرچ ہو یا اس کا عکس۔ دونوں صورتوں میں سمجھدار والد کو چاہیئے کہ خود اپنے معیار سے نیچے اترے اور ان کو تھوڑا سا اوپر لائے اور درمیانی راہ اختیار کر کے خود بھی خوش رہے اور بالغ اولاد کو بھی خوش رکھے۔

اسی طرح خرچ کرنے میں نیت اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کی کرلے۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں احتساب اور ثواب کا استحضار کہا جاتا ہے۔ اس نیت کی وجہ سے خرچ کرنے کا ثواب مزید بڑھ جائے گا۔ ویسے تو ہر ماں باپ اولاد پر خرچ کرتے ہی ہیں، لیکن جو والدین اس میں ثواب کی بھی نیت کرلیتے ہیں، وہ دُگنا فائدے میں رہتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات آدمی دوستوں کے ساتھ لنچ یا کھانے پر ہوٹلوں میں خوب خرچ کرتا ہے اور بل ادا کرنے میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ میں بل ادا کروں گا، اس وقت ہر والد کو سوچنا چاہیے کہ میرے حقیقی دوست میرے بیوی بچے ہیں، کیا میں اپنی بیوی بچوں پر اسی طرح خوشی سے خرچ کرتا ہوں؟ کیا میں اس خرچ پر ثواب کی امید رکھتا ہوں؟

اولاد کے ساتھ حُسنِ سلوک

اولاد کا ایک اہم حق یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان پر رحم کھائیں، ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آئیں، ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھیں، ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ کریں، ان کو خوش رکھنے کی کوشش کریں اور کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں، جس سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگے، ان کا دل ٹوٹے، ان پر مایوسی طاری ہو یا ان کی خودداری اور عزتِ نفس مجروح ہو۔

آپ کے ننھے منے پیارے بچے آپ کی طرف شفقت طلب نظروں سے دیکھتے ہیں، یہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں۔ اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے اور اس کے انعام کی ناقدری نہ کیجیے، اولاد کی قدر کیجیے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیجیے جس کے یہ مستحق ہیں۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس امانت کی حفاظت کیجیے، اولاد کے ساتھ ایسا

سلوک کیجیے کہ یہ لائق فائق اور دنیا کے لئے بھی باعث رحمت ہوں اور آپ کے لئے بھی عزت وعظمت، نیک نامی اور آخرت کی سرخروئی کا سامان بنیں۔

اگر آپ کا سلوک اپنی اولاد کے ساتھ اچھا نہیں ہے تو یہ آپ کے اپنے ساتھ بھی زیادتی ہے، اولاد کے ساتھ بھی زیادتی ہے اور اپنے معاشرے کے ساتھ بھی۔

بات بات پر بے جا غصہ کرنا...... چیخنا...... چلانا...... ڈانٹنا...... جھڑکنا...... برا بھلا کہنا...... ناکارہ...... نالائق...... جیسے الفاظ سے یاد کرنا، ان کی نادانیوں اور شرارتوں سے تنگ آکر ان سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنا، گالی دینا...... کوسنا...... اور ان پر سختی کرنا...... ان کو بے جا مشقت میں مبتلا کرنا...... ان کو کسی وقت کھیل کھیلنے اور ہنسنے بولنے کا موقع نہ دینا...... اولاد کے ساتھ بدسلوکی ہے۔ اس بدسلوکی کے نتائج انتہائی تلخ اور انتہائی حسرت ناک ہوتے ہیں، اولاد کے حق میں بھی، ماں باپ کے حق میں بھی اور معاشرے کے حق میں بھی۔

بچے اپنی ابتدائی عمر میں جب وہ نادان، کمزور اور بے بس ہوتے ہیں، آپ کی محبت ومہربانی کے بھی مستحق ہوتے ہیں، آپ کی مشفقانہ ہمدردی اور مدد کے بھی اور آپ کی رہنمائی اور رہبری کے بھی، لیکن آپ کے سائے میں اگر انہیں ان تین نعمتوں کے بجائے صرف غصہ، قہر اور سخت گیری ہی میسر آئے تو فطری طور پر وہ آپ سے مایوس اور بیزار ہوں گے۔ آپ سے دور دور رہنے اور گھر سے بھاگنے کی کوشش کریں گے اور جہاں بھی انہیں ان تین نعمتوں کی جھلک نظر آئے گی، وہ بے اختیار ادھر لپکیں گے۔ بچوں کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ وہ حقیقی محبت...... اور مصنوعی محبت...... میں فرق کر سکیں، اخلاص...... اور فریب...... کو پہچان سکیں۔ معاشرے کے بدقماش اور بے دین لوگوں کو ایسے بچوں کو ورغلانے اور اپنے گھناؤنے جال میں پھانسنے کا موقع مل جاتا ہے اور یہی نادان بچے دھیرے دھیرے معاشرے کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں اور بڑے بڑے جرائم کرنے لگتے ہیں۔

اگر خوش قسمتی سے یہ بچے برے لوگوں کے چنگل میں پھنسنے سے بچ جائیں تو بھی یہ والدین کے لئے مستقل دردِ سر ہوتے ہیں، ان کو اپنے ماں باپ سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ ماں باپ کے لئے وہ پاکیزہ جذبات پیدا ہی نہیں ہوتے جو سعادت مند اولاد کے دل میں ہوتے ہیں۔ ماں باپ زندگی بھر ان کی نافرمانی اور نالائقی کا رونا روتے رہتے ہیں، حالانکہ ان کو باغی اور سرکش بنانے میں سب سے گہرا اثر انہی کے برے سلوک کا ہوتا ہے اور جس بات کی ساری ذمہ داری یہ اولاد کے سر ڈال کر ان کی شکایت کرتے ہیں، اس بگاڑ میں ان کا اپنا حصہ اولاد سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

والدین کی بدسلوکی کا تیسرا برا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے بچے اخلاقی اعتبار سے انتہائی پست ہوتے ہیں، اور وہ ان اخلاقی جوہروں سے بالعموم محروم ہوتے ہیں، جن کی بدولت کوئی انسان دین یا دنیا کے لئے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ وہ خود اعتمادی، جرات، ہمت، حوصلہ، خودداری، عظمت، استقلال، خوش اخلاقی، خوش مزاجی اور خوش کلامی وغیرہ جیسے اخلاقی فضائل سے محروم ہوتے ہیں۔ اس کی بجائے وہ جھنجھلاہٹ، تنگ نظری، کم ظرفی، احساس کمتری، بخل، تنگ دلی اور غرور و ریا جیسے اخلاقی رذائل کا شکار ہوتے ہیں، وہ اکثر اپنے وجود کو نہایت حقیر، بے مصرف اور نکما سمجھتے ہیں اور اپنے اس عیب کو چھپانے کے لئے اپنی برتری اور بڑائی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔

اگر آپ واقعی اولاد کے بہی خواہ ہیں، تو ان کا حق ادا کیجیے اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیجیے، جیسے سلوک کی آپ خود ان سے توقع کرتے ہیں۔ تب ہی اولاد کے دل کی گہرائیوں سے آپ کے لئے یہ دعا نکل سکے گی:

﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ [1]

ترجمہ: "اے میرے پروردگار! ان دونوں (ماں باپ) پر رحمت

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۴

فرمائیے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن (کی عمر) میں پالا پرورش کیا ہے۔''

قرآن کریم کے ذریعے ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اولاد کے ساتھ نرمی اور عفو و درگذر کا برتاؤ کیا جائے اور شفقت و مہربانی سے پیش آیا جائے۔ اولاد کی کوتاہیوں پر ان کو سزا دینا، ان سے انتقام لینا اور ان پر غصہ اتارنے کے لئے سختی کرنا، ناپسندیدہ عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے قصور بخشتے اور انہی لوگوں پر رحم فرماتے ہیں، جو اپنے گھر والوں کے ساتھ معافی، درگزر اور بخشش کا سلوک کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: ''اور اگر تم ان کو معاف کر دو، ان سے درگزر کرو اور ان کو بخش دو تو اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

کچھ لوگ اسلام لانے کے باوجود ہجرت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے، ہوا یہ کہ جب انہوں نے مدینے کو ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے گھر والے آڑے آئے انہوں نے کہا: ہم نے یہ تو برداشت کرلیا کہ تم مسلمان ہوگئے، لیکن اب یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ تمہیں اپنے سے جدا ہونے دیں، اور بیوی بچوں نے کچھ اس طرح ان کے جذبات محبت کو ابھارا، جس سے وہ متاثر ہوئے اور وہ ہجرت سے رک گئے، پھر جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ جو لوگ اس وقت ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے تھے، وہ دین کی سوجھ بوجھ میں ان سے بہت آگے ہیں، تو ان کو بہت دکھ ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ اس عظیم نقصان کا سبب ہمارے بیوی بچے ہیں، چنانچہ بیوی بچوں کے خلاف ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور انہوں نے بیوی بچوں سے انتقام لینے اور ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔[2]

---

[1] سورۂ تغابن آیت ۱۴ [2] تفسیر روح المعانی: ج ۲۸ ص ۱۲۶

اس موقع پر قرآن کریم نے ان کو یہ ہدایت کی کہ بے شک گھر والوں کی نادانی سے تم ہجرت کی فضیلت سے محروم رہے، لیکن تم نے خود ہی تو ان کو دین کے تقاضے پر ترجیح دی، لہٰذا آئندہ تم ان سے ہوشیار رہو، لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تم گھر والوں کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، ان سے انتقام لو اور ان کو سزا دو، ان کے ساتھ اچھا سلوک ہی دین کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بہت زیادہ بخشنے والا ہے اور بخشنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے، اگر تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کے طالب ہو تو اولاد کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کرو، ان کو معاف کر دو، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرو اور ان کو بخش دو۔

"واستدلّ بها على انّه لاينبغى للرّجل ان يحقد على زوجه وولده اذا جنوا معه جناية وان لا يدعو عليهم"[۱]

علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ اہل و عیال سے کوئی کام خلاف شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا...... اور ان سے بغض رکھنا...... یا ان کے لئے بددعا کرنا...... مناسب نہیں بلکہ ان کی نرمی سے اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے۔

احنف بن قیس کی نصیحت

احنف بن قیس عرب کے مشہور سردار تھے، ان کی شان و شوکت، ان کی دانائی، ان کی بردباری اور جاہ و جلال کا عرب میں بڑا شہرہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا بڑا لحاظ فرماتے اور فرمایا کرتے تھے: یہ بگڑ جائیں تو سمجھو ایک لاکھ عرب بگڑ گئے۔

ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے یہاں بلوایا، جب آپ تشریف لائے تو پوچھا: ابو بحر! اولاد کے ساتھ سلوک کے بارے میں آپ کی کیا رائے

---

[۱] روح المعانی: ج۲۸ ص۱۳۶

ہے؟ احنف بن قیس نے کہا:

"هُمْ ثِمَارُ قُلُوْبِنَا، وَعِمَادُ ظُهُوْرِنَا وَنَحْنُ لَهُمْ اَرْضٌ ذَلِيْلَةٌ وَسَمَاءٌ ظَلِيْلَةٌ فَإِنْ طَلَبُوْا فَاَعْطِهِمْ وَاِنْ غَضِبُوْا فَاَرْضِهِمْ فَاِنَّهُمْ يَمْنَحُوْنَكَ وُدَّهُمْ وَيُحِبُّوْنَكَ جُهْدَهُمْ وَلَا تَكُنْ عَلَيْهِمْ ثَقِيْلًا فَيَمَلُّوْا حَيَاتَكَ وَيَتَمَنَّوْا وَفَاتَكَ"[1]

ترجمہ: "اولاد ہماری دلی آرزوؤں کا ثمرہ اور کمر کی ٹیک ہے۔ ہم اس کے لئے اس زمین کی طرح ہیں، جو نہایت نرم اور بالکل بے ضرر ہے۔ ہمارا وجود اولاد کے لئے اس آسمان کی طرح ہے، جو اس پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ ہم اسی کے سہارے بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی ہمت کرتے ہیں۔

لہٰذا اولاد اگر آپ سے کچھ مطالبہ کرے تو خوش دلی کے ساتھ اسے پورا کیجیے۔ اگر وہ غم زدہ ہو، اس کے دل کا غم دور کیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ سے محبت کرے گی۔ آپ کی پدرانہ کوششوں کو پسند کرے گی، آپ کبھی اس کے لئے ناگوار اور ناقابل برداشت بوجھ نہ بنئے کہ وہ آپ کی زندگی سے اکتا جائے، آپ کی موت چاہنے لگے اور آپ کے قریب آنے سے نفرت کرے۔"[2]

احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس نصیحت کو دوبارہ پڑھیے اور بار بار پڑھیے اور دعا کیجیے کہ "اے اللہ! یہ نصیحت میرے دل و دماغ میں پیوست فرما دیجیے۔"

بچوں کے ساتھ سلوک میں مساوات

آپ کی اولاد ہونے کے ناطے آپ کے سارے بچے برابر ہیں اور سب کا آپ

[1] مأخذہ تربیۃ الاولاد فی الاسلام: ج ۱ ص ۱۲۸

[2] اصلاح معاشرہ اور اسلام: ص ۵۸۴

پر یکساں حق ہے، لہٰذا آپ سب کے ساتھ یکساں سلوک کریں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلی بیوی یا پہلے شوہر کی اولاد اور موجودہ شریک حیات کی اولاد کے درمیان برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا، جس شریک حیات سے جدائی ہو چکی ہے اور اس کی اولاد کے مقابلے میں نئے شریک حیات کی اولاد کی زیادہ قدر کی جاتی ہے اور پہلے شریک حیات کی اولاد کے حقوق نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ایک ہی بیوی سے دو بچوں میں ہوشیار اور بے وقوف، لڑکے یا لڑکی میں فرق کیا جاتا ہے۔

حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے میرے والد بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں، جب تک کہ تم اس ہبہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالو، چنانچہ حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے اپنے بیٹے نعمان کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے، ایک غلام ہبہ کر دیا ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ کو گواہ بنالوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے، کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ اَوْلَادِكُمْ"[1]

"کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو۔" حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد واپس آئے اور مجھے جو غلام ہبہ کر دیا تھا، وہ واپس لے لیا۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الاولاد فى الهبة: ج۲ ص۳۷

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر فرمایا کہ "لَا اَشْهَدُ عَلٰى جُوْرٍ" "میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔"[1]

ایک اور روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِى الْبِرِّ سَوَاءً؟"

یعنی "کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سارے بچے تمہارے ساتھ یکساں حسن سلوک کریں۔" حضرت بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ "کیوں نہیں" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پس تم ایسا نہ کرو۔" اور طحاوی شریف میں اسی طرح کا ایک قصہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے تو ان کا بیٹا آیا، انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور اپنی ران پر بٹھایا، پھر بیٹی آئی، اس کو اپنے برابر میں بٹھایا تو آپ نے فرمایا:

"فَهَلَّا عَدَلْتَ بَيْنَهُمَا."[2]

ترجمہ: "تم نے ان دونوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟"

مصنف عبدالرزاق میں اس روایت پر یہ بھی اضافہ ہے:

"قَارِبُوْا بَيْنَ اَبْنَائِكُمْ وَلَوْ فِى الْقُبَلِ."[3]

ترجمہ: "اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، چاہے بوسہ لینے میں ہو۔"

یہ تو انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اپنے سارے بچوں کے ساتھ یکساں محبت کرے، طبعی طور پر کبھی کسی بچے کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے، محبت میں مساوات نہ انسان کے قابو میں ہے اور نہ اس کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ حدیث میں جس بات کا مطالبہ اور تاکید ہے، وہ سلوک اور برتاؤ ہے۔ آپ کی اولاد ہونے کے ناتے آپ کے سارے بچے برابر ہیں اور سب کا آپ پر یکساں حق ہے، لہٰذا آپ

---

[1] مشکوۃ، باب العطایا: ج ۱ ص ۲۶۱۔

[2] طحاوی ج ۲ ص ۲۰۲

[3] تکملہ فتح الملہم ج ۲ ص ۷۲

سب کے ساتھ یکساں اور نیک سلوک کریں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں۔ ایک بچے کو دوسرے پر ترجیح دینا اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس طرح ایک کی حق تلفی ہوتی ہے اور اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس سے بچوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ جس کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے، اس میں برتری اور بڑائی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور وہ دوسرے بہن بھائیوں کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگتا ہے، اور جن بچوں کے ساتھ سلوک میں کمی کی جاتی ہے، ان میں احساس کمتری کا مرض پیدا ہوتا ہے اور وہ نفسیاتی طور پر اپنے وجود کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں، جس سے ان کی اخلاقی اور جسمانی اٹھان پر برا اثر پڑتا ہے، ساتھ ہی محبت و شفقت اور ایثار و قربانی کے وہ جذبات بھی مجروح ہوتے ہیں، جو ہر شخص کے دل میں اپنے بہن بھائیوں کے لئے قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح والدین کے لئے عزت و احترام اور عظمت و عقیدت کے جو جذبات ہوتے ہیں، وہ بھی مجروح ہوتے ہیں۔

اگر کسی کی دو بیویوں سے اولادیں ہیں اور ان میں سے ایک بیوی کی اولاد کی طرف سے والد کا دل صاف نہیں ہے یا ان کی عادتیں اور اطوار والد کو پسند نہیں ہیں اور والد کی طبیعت ان کی طرف غیر اختیاری طور پر مائل نہیں ہوتی تو والد مجبور ہے، لیکن اسلام والد سے یہ مطالبہ ضرور کرتا ہے کہ اختیاری طور پر سلوک و برتاؤ میں سب کے ساتھ برابری ضرور کرے، اولاد کو یہ محسوس نہ ہونے دے کہ فلاں کو مجھ پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر ایک کے لئے والد عیش و آرام کے سارے سامان مہیا کرے اور دوسرے کو ترسائے تو والد شریعت کی نظر میں مجرم ہے۔

والدین اپنے طرز عمل کی تاویلیں کر کے اپنے نفس کو دھوکا دے سکتے ہیں، دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر سے نہ اپنا جرم چھپا سکتے ہیں، نہ اس کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روش کو ظلم قرار دیا ہے۔

اسی طرح بچوں کے ساتھ سلوک میں مساوات یہ بھی ہے کہ کسی ایک بچے کی بار بار تعریف نہ کرے، بعض اوقات انجانے میں والدین سے یہ غلطی ہوتی ہے کہ کسی ایک بچے کی بار بار ہوشیاری وسلیقے کی تعریف کرتے رہتے ہیں، جس سے لامحالہ مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ باقی بھائی بیوقوف ہیں یا اس کے مقابلہ میں کم سمجھ ہیں، اور ماشاء اللہ یہ تو بہت ہی ہوشیار ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے دوسرے بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ والد اور خاندان والوں کی نگاہ میں ہوشیار تو یہی ہے، ہم تو ویسے ہی پاگل و بیوقوف ہیں یا کام کرنے والا تو وہی کہلاتا ہے، ہم جتنے بھی کام کریں، ہمیں تو نکمے کا ہی لقب ملنا ہے، ہمارے تو بھلے کاموں کی بھی برائیاں نکالنی ہیں تو پھر کیوں غم کھاتے ہو، ان کا کوئی کام ہی نہ کرو، لہٰذا والدین کو چاہیئے کہ کسی ایک کی ہوشیاری اور قابلیت کا بار بار ذکر نہ کریں، بلکہ اس کی ہوشیاری اور قابلیت کی حفاظت کا بھی طریقہ یہی ہے کہ اس کا ذکر نہ کریں، ورنہ نظر لگ جاتی ہے، یا حاسدین پیدا ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح اپنے بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنی اولاد پر کبھی بھی قولاً وفعلاً ترجیح نہ دیں، اگر بھائی یا بہن کے بیٹوں میں کوئی قابلیت نظر آئے، جو اپنے بیٹوں میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ! یہ نعمت آپ میری اولاد کو بھی عطا فرمایئے، لیکن اپنی اولاد سے یہ نہ کہیئے، دیکھو نعیم کو...... تمہاری ہی عمر کا لڑکا ہے، تمہاری پھوپھی کا ہی تو لڑکا ہے اور تم...... وہ کتنا ہوشیار ہے...... کتنا کام کرتا ہے...... اس کے طور وطریقے دیکھو...... بات کرتا ہے تو منہ سے پھول نکلتے ہیں...... اور تم اب تک بیوقوف کے بیوقوف ہی رہے، ہرگز ایسا نہ کیجیے...... ہرگز ایسا نہ کیجیے...... خدارا ایسا نہ کیجیے، اس طرح کرنے سے اچھے خاصے بھلے بچے اپنے آپ کو بے وقوف سمجھنے لگتے ہیں۔ اور عمر بھر اپنے آپ کو کوستے رہتے ہیں۔

بچوں پر شفقت اور ان سے نرمی کا برتاؤ

شفقت کا مطلب نرمی، پیار اور محبت ہے۔ ویسے تو بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت، انسانیت اور اخلاق کا عمومی اصول ہے اور ہمارے دین اسلام اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت زیادہ تاکید کی ہے، لیکن اپنے بچوں پر شفقت کی خصوصی اہمیت ہے۔ یہ معصوم بچے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہیں، آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، ان کی اچھی اور مناسب تربیت کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ ان کے کردار کو دین و شریعت کے سانچے میں ڈھالنا آپ کا فرض ہے۔ یہ فرض اس طرح ادا ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے بچوں کی تربیت میں شفقت کو بنیادی حیثیت دیں۔ شفقت کا یہ مطلب نہیں کہ بچوں سے بے جا لاڈ پیار کر کے ان کو ضدی اور خودسر و نافرمان بنا دیا جائے اور ان کے کسی فعل پر خواہ وہ کسی بھی طرح کا ہو، کوئی باز پرس نہ کی جائے، بلکہ بچوں کو بری عادات و اطوار سے روکنے کے لئے بوقت ضرورت سختی سے کام لینا چاہیے۔ لیکن یاد رکھیے کہ یہ سختی بھی شفقت آمیز اور نصیحت کے لئے ہو۔ مثلاً بچے کی عمر سات سال کی ہوگئی تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دیجیے اور اپنے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں لے کر جائیے۔ اگر آپ دیکھیں کہ بچہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے یا نماز میں سستی کر رہا ہے تو اس کو تنبیہ کیجیے، اس طرح سے ان شاء اللہ دس سال کی عمر تک اس کی نماز پڑھنے کی عادت پختہ ہو جائے گی۔

لیکن اگر وہ پھر بھی سستی کرے تو اس پر سختی کی جائے اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے مار سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے محسوس کیا کہ بچے کو جھوٹ کی عادت پڑ رہی ہے تو نرمی سے سمجھائیے، لیکن اگر پھر وہی حرکت کرے تو سختی کیجیے۔ غرض بچے کی کسی بھی بری حرکت کو دیکھ کر نظر انداز مت کیجیے، ورنہ وہ حرکت اس کی عادت بن جائے گی۔ اس کے دور کرنے کی فکر کیجیے اور اس کے لئے اگر ضرورت پڑے تو سختی

بھی کیجیے اور جب بچے کی عمر دس سال سے بڑھے تو اس کی کڑی نگرانی کیجیے، مگر اس انداز میں کہ اسے محسوس نہ ہو۔ ملازمین خصوصاً اگر گھر میں کام کرنے والی ملازمہ ہے تو اس سے اور دیگر رشتہ دار ہم عمر لڑکیوں سے بے تکلف ہونے نہ دیجیے نہ ہی ان کے ساتھ تنہائی میں رہنے دیجیے۔

لیکن خدا کے لئے ایسی سختی نہ کیجیے کہ آپ بچوں کے لئے ہیبت اور دہشت کی علامت بن جائیں۔ بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ بچوں کی نامناسب حرکات کو اچھی طرح سمجھ کر اور اس کی تہہ تک پہنچ کر اس کے بنیادی اسباب معلوم کیجیے اور ان کی روک تھام کا مناسب حل تلاش کیجیے اور جہاں تک ہو سکے نرمی کے ساتھ ان کی رہنمائی کیجیے اور اس کے لئے سب سے آسان اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ یہ باتیں بچوں کو ہنسی مذاق میں اور ان کے ساتھ ان کے کھیل میں شریک ہو کر سکھائی جائیں۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ اور سلف کے مختلف واقعات ان کو سنائیے، اس سے ان کا ذہن بہت ہی اچھا اثر قبول کرے گا۔

آپ کی سنجیدگی اور نرمی کے ساتھ اس طرح کی نصیحت کہ بیٹا ہمیشہ سچ بولو، جھوٹ سے اجتناب کرو، بڑوں کی بات مانو، لالچ نہ کرو، حسد نہ کرو، اپنے دوستوں سے نہ لڑو، اپنا آج کا کام کل پر نہ چھوڑو، خدمت کیا کرو وغیرہ بچے پر بہت ہی زیادہ اثر انداز ہوگی، اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قصوں اور دلچسپ مثالوں کی روشنی میں بات سمجھنے سے اثر ہوگا۔ اس لئے کہ بچوں کو فطرتاً قصے کہانیوں اور عجیب وغریب باتوں سے دلچسپی ہوتی ہے اور یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ آپ اپنی اولاد پر شفیق ہوں اور آپ کا لہجہ ان سے نرمی والا ہو۔ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ بچوں سے انتہائی نرمی اور شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر سفر سے واپس تشریف

لاتے تو جو بچے راستے میں ملتے، انہیں اپنے ساتھ سواری پر آگے یا پیچھے بٹھا لیتے، اسی طرح راہ چلتے ہوئے اگر بچے کھیلتے ہوئے مل جاتے تو مسکرا کر انہیں سلام کرتے اور انہیں سلام میں پہل کرنے کا موقع ہی نہ دیتے، پھر ان سے پیار بھری باتیں کرتے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بات سمجھنے اور یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ان ساری نصائح سے آپ فائدہ اس وقت اٹھا سکیں گے، جب آپ خود بھی عملی طور پر ان تمام برائیوں سے بچیں، جن سے آپ اپنے بچے کو بچانا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ کسی کی غیبت نہ کیا کرے، لیکن اگر آپ نے خود اپنے گھر میں دفتر کے ساتھیوں کی برائی کی، اپنے دوسرے رشتہ داروں کی غیبت کی تو اب آپ لاکھ اس کے سامنے غیبت کرنے کے نقصان گنوا دیں، اس کو آپ غیبت سے نہیں روک سکیں گے۔ آپ سے کوئی ملنے آیا اور آپ نے بچے سے کہہ دیا کہ جاؤ بیٹا! کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں ...... یا ابو سو رہے ہیں تو پھر یاد رکھیے کہ آپ اس کو عملی طور پر جھوٹ بولنا سکھا رہے ہیں، جھوٹ بولنے کی اس عملی مشق میں جو کچھ آپ کریں گے، وہ بچہ آسانی سے سیکھ جائے گا۔

قرآنِ کریم واحادیث مبارکہ کے ذریعے بچوں کی تربیت کیجیے

قرآن کریم وہ کتاب ہے جو زندگی کا دستور العمل ہے۔ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ یہی وہ کتاب ہے،

[1] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۲ ص ۲۳۰، ابوداود، کتاب الأدب، باب في السلام علی الصبیان: ج ۲ ص ۳۵۱

جس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا کے تمام خوف و غم ہیچ ہو جاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کے سمجھانے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اس کتاب کی تفسیر ہیں، انہی اقوال مبارکہ پر عمل کرنے سے عرب کے لوگ دنیا کے سب سے بڑے علماء و عقلاء ٹھہرے۔ اس لئے آپ بھی اپنے بچوں کی تربیت قرآن کریم واحادیث نبویہ پر کیجیے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے احکام ان کے ذہنوں میں اتاریئے، قرآن کریم اور احادیث میں مذکور واقعات ان کو سنایئے اور ان کے نصیحت آموز جزئیات ان کو ازبر کرایئے۔ اس کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ روزانہ کسی مخصوص وقت میں، مثلاً نماز فجر کے بعد یا نماز مغرب وغیرہ کے بعد تمام بچوں کو لے کر بیٹھ جایئے اور قرآن کریم کی کسی بھی سورۃ یا آیت کا ترجمہ و تشریح تفسیر معارف القرآن یا کسی دوسری معتبر تفسیر سے ان کو بتایئے، مثلاً بھی:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ﴾ [۱]

"سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔"

پڑھ کر اس کی تفصیل سمجھایئے کہ دیکھو! کس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو رزق دیتا ہے، اول کچھ بھی نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے بیج بنا دیا، پھر انسان کے دل میں ڈالا اور نجانے کس علاقے اور ملک میں اس نے محنت کر کے زمین میں وہ بیج ڈالا، پھر زمین سے اللہ تعالیٰ نے کونپل نکالی، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی، وہ کونپل بڑی ہو کر پودا اور درخت بنی، اس میں اللہ تعالیٰ نے پھل اور اناج پیدا کیا، پھر وہ مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا ہم تک بھیج دیا اور ہم گھر کے اندر بیٹھ کر بغیر محنت اور مشقت کے یہ طرح طرح کے لذیذ کھانے اور پھل کھا رہے ہیں۔

غور کرو بیٹا! اللہ تعالیٰ نے کیلے میں کس طرح مٹھاس بھری، اس کا رنگ دیکھو کتنا خوبصورت ہے، اس کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر چھلکا کیسا لگایا، سو کبھی

---

[۱] سورہ عبس آیت ۲۴

دیکھو! اس کا رنگ ...... اس کا ذائقہ ...... اس کی خوشبو ...... سب ہی کیلے سے الگ، جبکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک ہی زمین سے پیدا فرمایا، اور غور کرو ایک ہی رنگ کا پانی موسمبی میں جا کر الگ ذائقہ، الگ مزہ، الگ رنگ کا سبب بنتا ہے اور یہی پانی کیلے کے درخت میں جا کر کیلے میں الگ رنگ الگ ذائقہ کا سبب بنتا ہے۔ غور کرو اللہ تعالیٰ کتنی بڑی قدرت والے ہیں، لہٰذا اس کی تمام نعمتوں پر خوب شکر ادا کیا کرو اور ہر نعمت کھا کر ارادہ کرو کہ اس کی قدرت اور وحدانیت کے بولوں کو ہر جگہ پھیلاؤں گا۔

انسان کی غذا، جو اس زندگی کا مدار ہے، اس کی حقیقت اسی انداز سے ظاہر فرمائی کہ سوال کیا کہ تم جو کچھ زمین میں بیج بوتے ہو، ذرا غور کرو کہ اس بیج میں سے درخت پیدا کرنے میں تمہارے عمل کا کیا دخل ہے، غور کرو گے تو جواب اس کے سوا نہ ملے گا کہ کاشت کار کا دخل اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ اس نے زمین کو ہل چلا کر پھر کھاد ڈال کر نرم کر دیا کہ جو ضعیف کونپل اس دانہ سے پیدا ہو کر اوپر آنا چاہے، اس کی راہ میں زمین کی سختی رکاوٹ نہ بنے، بیج بونے والے انسان کی ساری کوشش اسی ایک نقطہ کے گرد دائر ہے۔ اندر سے درخت نکال لانا نہ اس کے بس کا ہے نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے یہ درخت بنایا ہے، تو پھر وہی سوال آتا ہے کہ منوں مٹی کے ڈھیر میں پڑے ہوئے دانے کے اندر یہ خوبصورت اور ہزاروں فوائد پر مشتمل درخت کس نے بنائے تو جواب اس کے سوا کیا ہے کہ وہی مالک و خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ اور صنعتِ عجیبہ اس کی بنانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کی تفسیر و تشریح سمجھائی جائے، اللہ تعالیٰ کا ایک اسم مبارک بورڈ پر لکھیں، پھر اس کے معانی یاد کروائے جائیں، پھر اس پر کوئی واقعہ اور دعا، پھر اگلی مجلس میں اس بارے میں سوالات کئے جائیں اور اس کے لئے ہماری کتاب شرح اسماء الحسنیٰ بہت مددگار

رہے گی، جو بیت العلم ٹرسٹ کراچی سے مل سکتی ہے، جس میں ہر اسم مبارک کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے۔

کبھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَقَانَا مَاءً عَذْبًا فُرَاتًا" کی تفصیل اور مطلب سمجھا دیا کہ دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں میٹھا پانی آسمان سے برسا کر پہاڑوں اور زمین سے نکال کر دیتے ہیں، اگر ذرا سا نمکین ہو تو پیا نہیں جاتا نہ ہی اس سے پیاس بجھتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مٹھاس بھی رکھی ہے اور پیاس بجھانے کی صفت بھی، اگر اللہ تعالیٰ یہ پانی روک دیں یا سب کو نمکین کر دیں تو انسان کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور احسان فرمایا:

﴿اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰہُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ ۝﴾[1]

ترجمہ: "بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے؟ اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو کھارا، پھر کیوں نہیں احسان مانتے۔"

گناہوں سے بچانے کے لئے کبھی سورۃ یٰس میں ہے:

﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاہِہِمْ وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْہِمْ وَ تَشْہَدُ اَرْجُلُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: "آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور بتلائیں گے ان کے پاؤں، جو کچھ وہ کماتے تھے۔"

پڑھ کر ان کو سمجھائیں کہ یہی اعضاء، جن کے آرام اور سہولت کے لئے ہم گناہ

---

[1] سورۂ واقعہ آیت ۶۸ تا ۷۰

[2] سورۃ یٰس آیت ۶۵

کریں گے، کل کو ہمارے ہی خلاف گواہی دیں گے۔ اسی طرح سورۂ حجرات میں مذکور احکام ان کو بتایئے، تو کبھی سورہ نور میں مذکور حجاب وغیرہ کے احکام ان کو یاد کروا دیجیے، کبھی کوئی اور سورت۔ غرض کچھ نہ کچھ ان کو یاد کراتے جائیے اور پھر ان سے سنیے بھی اور ان کا آپس میں مقابلہ بھی کروائیں اور عمل کا شوق بھی دلائیں۔ اسی طرح کبھی معارف الحدیث یا ریاض الصالحین یا فضائل اعمال وغیرہ حدیث کی کتاب لے کر ان کو احادیث مبارکہ سنایئے۔ بچیاں کچھ بڑی ہوجائیں تو ان کی ماں کے ذریعے بہشتی زیور پڑھائیں۔ اس کا مقصد و مطلب کتاب میں سے پڑھ کر سنایئے اور پھر ان بچیوں سے پوچھیے۔ ان شاء اللہ اس طرح ان بچوں کے ذہن میں بچپن ہی سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور طور طریقے نقش ہوجائیں گے اور آگے چل کر یہی بچے ان شاء اللہ الرحمٰن داعی اور داعیہ اور دین کا کلمہ بلند کرنے والے بنیں گے۔ دین کا کوئی حکم چھوڑنا ان کے لیے ساری دنیا چھوڑنے سے زیادہ مشکل ہوگا اور امت ان پر بجا طور پر فخر کر سکے گی اور یہی بچے مستقبل کے جیلانی و بغدادی اور زبیدہ و رابعہ کہلائیں گے رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

سب سے پہلے بچے کو کیا سکھایا جائے

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[1]

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو زبان کھولنے کے بعد سب سے پہلا کلمہ "لا الہ الا اللہ" کہلواؤ۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے بچے کو کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" سکھانا چاہیے اور اس طرح بچے پر ابتدا ہی سے واضح کرنا چاہیے کہ عبادت، شکر اور

[1] کنز العمال: ج ۱۶ص ۱۸۳، رقم ۴۵۳۲۴

تعریف کے لائق صرف ایک ذات ہے، جس نے اسے پیدا کیا، پھر ماں باپ کے دلوں کواس کے لئے شفقت سے بھر دیا اور اس کو بے شمار نعمتیں دیں۔

یہی مسئلہ توحید، دین کی بنیاد ہے، اگر یہ ابتدا سے مضبوط ہوا تو ان شاء اللہ آخر تک مضبوط رہے گا۔ حالات کچھ بھی ہوں، اسے کسی کی پروا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر بن چکا۔

یہ بات اس کے ذہن میں راسخ ہو چکی کہ نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ بغیر اللہ تعالیٰ کی منشاء ومرضی کے ساری کائنات مل کر بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو خیر اور بھلائی لکھ دی ہے، کوئی اس سے نہیں چھین سکتا اور اگر اللہ کی مرضی اسے نقصان پہنچانے کی ہو تو تمام کائنات مل کر بھی اسے اس نقصان سے نہیں بچا سکتی۔ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمائی تھی۔ جب بچہ کا ایمان ویقین ہوگا کہ سب کچھ کرنے والی ذات اللہ کی ہے تو دنیا کی کوئی تکلیف اسے تکلیف نہ دے گی۔ اس لئے کہ وہ اس بات کو سمجھے گا کہ یہ میرے اللہ کی طرف سے ہے اور جس پر اللہ راضی اس پر میں راضی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جس مسئلہ کو سب سے زیادہ بیان فرمایا ہے، وہ مسئلہ توحید ہے۔ جن بزرگوں نے اپنی اولاد کی تربیت صحیح اصولوں پر کی، انہوں نے بھی سب سے پہلے اسی بات کو بیان فرمایا اور یہی مسئلہ بچوں کو سمجھایا۔ قرآن کریم میں حضرت لقمان علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے انہوں نے سب سے پہلے یہ فرمایا:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [1]

ترجمہ: ”کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔ بیشک شرک

---

[1] سورۂ لقمان آیت ۱۳

کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔"

دیکھیے لقمان علیہ السلام نے سب سے پہلے تو عقیدہ کی درستگی کی فکر کی اور اس میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکتِ غیر مانے، اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریک عبادت نہ کرے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، پھر آگے مزید اور نصائح بیٹے کو کیے، مگر اصل مقصود یہی ہے کہ اللہ کو ایک مانے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ بچے کی ابتدا ہی کلمہ توحید سے کرائی جائے اور اسے اس کا پہلا سبق قرار دیا جائے۔ اور مختصراً یہ چیزیں زبانی بھی یاد کرائی جائیں، مثلاً اللہ ایک ہے، اللہ ہی عبادت کے لائق ہے، زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ "خالق" ہے، اللہ مالک ہے، اللہ "مُعِزُّ" (عزت دینے والا) ہے، اللہ "مُذِلُّ" (ذلت دینے والا) ہے، اللہ "مُعْطِی" (عطا کرنے والا) ہے، اللہ "مَانِعُ" (روکنے والا) ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے وغیرہ۔ اگر شروع سے ہی تربیت اس طرز پر کی جائے گی تو ان شاء اللہ شعور اور تمیز پیدا ہونے کے بعد ان کی دینی تربیت بہت ہی آسان ہوجائے گی اور بچہ عقیدۃً اس شعر کے مصداق ہوگا ؎

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اور ایمان و یقین اتنی اہم اور عظیم دولت ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے لئے دعائیں مانگنا سکھلایا ہے کہ ایمان کامل کے حصول کے لئے یہ دعا کرتے رہیں۔

❶ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَ يَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُنِیْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَرِضًا ۢ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [1]

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں، جو میرے دل میں رچ جائے اور وہ سچا یقین کہ میں خوب جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے، بس وہی مجھ کو پیش آ سکتی ہے اور رضا مندی مانگتا ہوں اس زندگانی پر جو تو نے میرے لیے تقسیم فرما دی ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

❷ ﴿اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ اِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَ يَقِيْنًا لَّيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ [2]

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے وہ ایمان نصیب فرما، جو زائل نہ ہو سکے اور ایسا یقین دے، جس کے بعد کفر نہ ہو اور وہ رحمت عطا فرما، جس کے سبب میں دنیا و آخرت میں تیری عطا کردہ بزرگی کا شرف حاصل کر سکوں۔''

❸ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَ مُرَافَقَةَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَعْلٰى دَرَجَةِ الْجَنَّةِ جَنَّةِ الْخُلْدِ﴾ [3]

ترجمہ: ''الٰہی! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں، جو نہ چھوٹے اور اس نعمت کا طالب ہوں، جو ختم نہ ہو، اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں، جنت کے سب سے اونچے درجے میں جو ہمیشہ

---

[1] کنز العمال: ج۱ص۱۹۲

[2] ترغیب: ج۴ص۵۸۳

[3] الحزب الاعظم: ص۷۵

رہنے کی جنت ہے۔"

۴ ﴿اللّٰھُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ وَاجْعَلْنَا ھُدَاۃً مُّھْتَدِیْنَ﴾ [1]

ترجمہ: "اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے۔ اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنادے۔"

۵ ﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ صِحَّۃً فِیْ اِیْمَانٍ وَّ اِیْمَانًا فِیْ حُسْنِ خُلُقٍ وَّ نَجَاۃً یَتْبَعُھَا فَلَاحٌ وَّ رَحْمَۃً مِّنْکَ وَ عَافِیَۃً وَّ مَغْفِرَۃً مِّنْکَ وَرِضْوَانًا﴾ [2]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے درستی کا طالب ہوں ایمان میں (یعنی کامل ایمان کا) اور اس ایمان کا جو اچھے اخلاق کے ساتھ ہو اور (دنیا میں) ایسی نجات کا جس کے بعد پوری پوری کامیابی نصیب ہو (یعنی آخرت میں) اور تیری ہی طرف سے خاص رحم کا اور سلامتی کا اور معافی کا اور رضامندی کا طلب گار ہوں۔"

۶ ﴿اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ﴾ [3]

ترجمہ: "اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنادے اور نفرت ڈال دے ہمارے دلوں میں کفر کی، گناہ کی، اور نافرمانی کی، اور ہم کو نیک راہ پر چلنے والوں میں بنالے۔"

وصیت: ہم سب کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایمان کتنی اہم اور عظیم دولت ہے

---

[1] الحزب الاعظم: ص ۴۴

[2] مسند احمد حدیث: ۹۲۳۷

[3] الحزب الاعظم: ص ۶۱ مسند احمد حدیث: نمبر ۱۴۹۴۵

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف الفاظ سے امت کو ایمان مانگنا سکھایا۔ کہیں یہ دعا مانگ رہے ہیں: اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے۔ کہیں ...... اے اللہ! میں تجھ سے ایمان کی درستی کا طالب ہوں۔ کہیں...... اے اللہ! میں ایسا ایمان مانگتا ہوں، جو ہمیشہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ کہیں ...... اے اللہ! ایسا ایمان جو دل میں رچ بس جائے ...... کہیں ...... اے اللہ! مجھے وہ ایمان نصیب فرما جو زائل نہ ہو سکے اور کہیں...... اے اللہ! سچا یقین کہ میں خوب جان لوں کہ جو بات تو نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے، بس وہی مجھ کو پیش آ سکتی ہے اور کہیں...... اے اللہ! تو ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے۔

لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیئے کہ وہ خوب عاجزی کے ساتھ اور رو رو کر ایمان کامل اور ایمان دائم اور یقین صادق کی دعائیں مانگتا رہے اور اس ایمان کو اپنے اندر اور سارے عالم کے انسانوں کے اندر سیکھنے اور سکھانے اور پھیلانے کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے محنت اور کوشش بھی کرے اور دعائیں بھی مانگے، اس طرح کہ چوبیس گھنٹوں میں جن جن سے بھی ملاقات ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی بات ضرور کرے اور سمجھائے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے، جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے، اس سب کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس بے شمار ہیں۔ عورتیں گھروں میں جو عورتیں ملنے کے لئے آئیں، ان کو بھی یہ ایمان کے بول سکھائیں۔ بچوں کو، بچیوں کو اور گھر کی ماسیوں اور نوکرانیوں کو بھی سکھائیں۔ قرآن کریم میں جو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کو بتانے والی آیات ہیں، ان کا ترجمہ یاد کریں۔ اپنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو، اپنے شاگردوں کو، مقتدیوں کو یہ ایمانی بول اور یہ دعائیں یاد کروائیں اور ہر نماز کے بعد ان دعاؤں کو مانگنے کی ترغیب دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کامل اور یقین صادق عطا فرمائے اور ایمان کی محنت کے لئے

اور اس کو سارے عالم میں پھیلانے کے لئے پھرنے اور پھرانے والا بنائے اور ایمان ہی پر ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین۔

ایمان بنانے کے طریقے

❶ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی طرف دعوت دینا۔

❷ صلہ رحمی۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آدمی خالص ایمان تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک یہ کام نہ کرے کہ اپنے سے تعلق توڑنے والوں کے ساتھ تعلقات جوڑا کرے، اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کیا کرے، اپنے کو گالیاں دینے والے کو بخش دیا کرے اور جو اپنے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ بھلائی کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے، جو برابر سرابر کا معاملہ کرنے والا ہو۔ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے، جو دوسرے کے توڑنے پر صلہ رحمی کرے۔[ا]

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ خالص ایمان تک پہنچنے کے لئے اپنے تمام رشتہ داروں سے ملاپ رکھے، ان کی غلطیوں کوتاہیوں کو معاف کردے، ان کے لئے دعائیں کرتا رہے، اور جتنا ممکن ہو ان کے ساتھ احسانات کرتا رہے۔ خاص طور پر اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ اور عورت ہوتے ہوئے ساس، نند، بھاوج، سوکن کے ساتھ صلہ رحمی والا معاملہ کرے اور اپنے شوہر، والد، محرم کو صلہ رحمی پر آمادہ کرے۔ یاد رکھیے یہ قطع رحمی اتنی بری چیز ہے کہ شب قدر میں بھی اس شخص کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، ان شاء اللہ رشتہ داروں کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے صلہ رحمی والا معاملہ

[ا] ریاض الصالحین: ص ۱۴۳

کرنے سے اللہ تعالیٰ خالص ایمان مرحمت فرمائیں گے۔

وضاحت: یاد رکھیے! حقیقی بھائی بہن کسی کو بنانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب واختیار ہے کہ اس نے کسی کو آپ کا بھائی / یا بہن بنایا، لہٰذا ہم کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس مقدس رشتہ کو ہم توڑ دیں۔

۳ ایمان کی حلاوت، حاصل کرنے کا طریقہ حدیث میں یہ بتایا گیا کہ نگاہ کسی غلط جگہ لگ جائے، جہاں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، وہاں لگتے ہی نگاہ ہٹا دی تو ایسے شخص کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بری نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر بجھا ہوا تیر ہے، جو شخص مجھ سے ڈر کر اس کو چھوڑ دے گا، میں اس کے بدلے میں اسے ایسا ایمان دوں گا، جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔[1]

اولاد کو بوسہ دینے میں سنت کی نیت

''ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے طور و طریقہ، عادات وروش اور نیک خصلتی اور ایک روایت میں ہے کہ بات چیت اور کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی اور شخص میں نہیں دیکھی۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوجاتے، ان کی طرف متوجہ ہوجاتے، پھر ان کو اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کو دیکھ کر کھڑی ہوجاتیں، آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، پھر آپ کو بوسہ دیتیں (یعنی

---

[1] کنز العمال: ج ۵ ص ۳۲۸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک چومتیں) اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔‘‘ [۱]

ایک دوسری حدیث میں ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’ایک مرتبہ کسی غزوہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدینہ آتے ہی میں ان کے ساتھ ان کے گھر گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بخار میں مبتلا ہیں اور لیٹی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ میری بیٹی تمہاری طبیعت کیسی ہے اور انہوں نے ان کے رخسار پر بوسہ دیا۔‘‘ [۲]

ان دونوں احادیث میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ دیکھا کہ کیسے محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ہر شفیق باپ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے اور کبھی اس محبت کے جذبے کے تحت اولاد کا بوسہ بھی لیتا ہے۔ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر وہ کام جو ہم عادت یا فطرت کے طور سے کرتے ہیں، اگر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کرکے، اسی جذبے کے تحت کریں تو اس میں تین فائدے ہوں گے۔

(1) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل ہوگا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھے گی، اور جتنی زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھے گی، اتنی ہی دنیا آخرت میں کامیابیاں حاصل ہوں گی اور ایک مسلمان کے لئے یہ بہت ہی بڑی سعادت ہے کہ اس کا ہر عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشر اور آدمی بنا کر بھیجے جانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ بھی شادیاں کرتے ہیں۔ ان کے بھی بچے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک باپ بننے کا حق ادا کریں تو یہ ہمارے لئے والد ہوتے ہوئے بہت ہی بڑی سعادت ہوگی کہ ہم ان

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الادب: ج ۲ ص ۳۵۲

[۲] ابوداؤد، کتاب الادب: ج ۲ ص ۳۵۳

کے مبارک طریقوں کو اپنائیں، اس سے ہماری اولاد میں بھی اس اتباع کی برکت کا رنگ آئے گا۔

۲ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس عمل کرنے پر ہمیں اجر و ثواب بھی ملے گا۔ اللہ بہت ہی کریم ہے، رحیم ہے۔ کائنات میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے، اچھائی کی قدر کرنے والے، رحم کرنے والے، انصاف کرنے والے اور بڑی سے بڑی چیز کو نیست سے ہست میں لانے والے، اور ناممکن کو ممکن بنادینے والے اللہ کے علاوہ اور کون ہے؟

اس کی رحمت اجر و ثواب دینے کے لئے بہانہ ڈھونڈا کرتی ہے۔ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے، اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کی منشاء پر چلا جائے، اپنی جان، اپنے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ اس سے محبت کی جائے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک مبارک اور نورانی طریقے پر عمل کیا جائے اور محنت و کوشش کر کے عالم کے انسانوں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کو حاصل کریں۔

۳ تیسرا فائدہ یہ ہوگا...... کہ جس بچے اور بچی سے آپ نے اللہ کے لئے محبت کی، اور بوسہ بھی لیا تو اسی لئے کہ اللہ کے نبی کا طریقہ ہے۔ ناراض بھی ہوئے، تو اسی لئے کہ اللہ کے حکم کو اس نے توڑا، خوش بھی ہوئے تو اللہ کے لئے خوش ہوئے، بچے کی جائز خواہش بھی پوری کی تو نیت یہ رکھی کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، اس کو تعلیم بھی دی تو اس لئے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، تو یہ بچہ بڑا ہو کر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر قول و عمل صحابہ کرام نے محفوظ رکھا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خالص گھریلو واقعات اور حالات کو بھی دین کا حصہ سمجھ کر ان کے تذکرہ کو اپنا معمول بنایا اور ان کو محفوظ کیا اور بعد میں یہی چیزیں حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہوئیں۔ ان تمام واقعات کو ہمیں غور سے پڑھنا چاہیے۔ بار بار پڑھنے سے ہمیں یہ بات بالکل واضح نظر آئے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنی اولاد میں سے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، نہ ہی کسی کو مارا، نہ ڈانٹا، نہ سخت سست کہا نہ کوئی سختی کی۔ اس طرح کا کوئی واقعہ موجود نہیں۔

بلکہ اولاد تو اولاد ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جنہوں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور صبح شام خدمت اقدس میں حاضر رہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جتنا تعلق زیادہ ہو، اتنا ہی خوشی و غصے کا اظہار بھی زیادہ کیا جاتا ہے، لیکن اس دس سالہ دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کبھی یہ نہیں کہا کہ "اونہہ یہ کیا کیا" خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

> "میں دس سال برابر مدینے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور اس وقت میں نو عمر لڑکا ہی تھا، اس لئے میرا ہر کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے عین مطابق نہ ہوتا تھا، (اور نہ ہو سکتا تھا کہ دس بارہ سال کا بچہ کس طرح ہر کام مرضی کے مطابق کر سکتا ہے۔) لیکن دس سال کی اس پوری مدت میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟" [1]

[1] شرح شمائل ترمذی، ص ۲۰۶

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف لوہار کے یہاں پہنچے۔ (ابوسیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم کی رضاعی ماں کے شوہر تھے)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کو گود لیا، ان کو پیار کیا اور ان کو سونگھا، (یعنی ان کے چہرے پر اپنی ناک اور منہ اس طرح رکھا گویا سونگھ رہے ہوں) پھر جب اس کے بعد ہم وہاں گئے تو ابراہیم کی سانس اکھڑ چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ گر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: ''آپ بھی رو رہے یا رسول اللہ!'' آپ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت کی نشانی ہیں'' اور آپ کے آنسو پھر رواں ہو گئے اور آپ نے فرمایا: ''آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل دکھتا ہے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بڑے غم زدہ ہیں''۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے نواسے) حسین بن علی کو چوما اور پیار کیا۔ اس موقع پر اقرع بن حابس بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: ''میرے تو دس بچے ہیں، مگر میں نے تو کبھی کسی ایک بچے کو بھی پیار نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک بدو (دیہاتی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا: ''کیا تم لوگ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہو؟ ہم تو بچوں کو نہیں چومتے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: ''میں کیا کرسکتا ہوں، اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم کا مادہ نکال دیا ہے۔[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ج ۱ ص ۱۷۴، صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ج ۲ ص ۲۵۴

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب: ج ۲ ص ۸۸۷، صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ج ۲ ص ۲۵۴

[3] صحیح بخاری، کتاب الادب: ج ۲ ص ۸۸۷، صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ج ۲ ص ۲۵۴

یعنی اپنی اولاد کو چومنا اور پیار کرنا رحم اور مہربانی کی علامت ہے، وہی لوگ اپنی اولاد کو چومتے اور پیار کرتے ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے رحم ڈالا ہے، اور اللہ تعالیٰ انہی لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں، جو دوسروں پر رحم نہیں کرتے وہ خود بھی رحم سے محروم رہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے سلوک اور برتاؤ کا حال اس طرح سناتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی غلام، کسی لونڈی، کسی عورت، کسی جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا اور جب بھی گھر میں داخل ہوتے ہنستے اور مسکراتے ہوئے داخل ہوتے۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد بچپن میں ہی انتقال کرگئی، لہٰذا ان کے ساتھ رہنے کا تو زیادہ موقع نہیں ملا، مگر صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں، لیکن اس تمام مدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کبھی ناراض نہیں ہوئے اور ان سے محبت کا یہ حال یہ تھا کہ فرماتے: ”فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو اس کو ناخوش کرے گا، وہ مجھے ناخوش کرے گا۔“[2]

شادی کے بعد اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے آتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرتے اور ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بٹھالیتے۔ اور تمام اولاد کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرتے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، ان کا نکاح ان کے خالہ زاد ابوالعاص سے ہوا تھا۔ نکاح کے موقع پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹی کو عقیق یمنی کا ایک قیمتی ہار تحفہ میں دیا تھا، جب رسول اللہ صلی

---

[1] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۲ ص ۱۷۶

[2] مشکوٰۃ، باب مناقب اهل بیت: ج ۲ ص ۵۶۸

اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں ہی رہ گئیں، اس لئے کہ ان کے شوہر اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ جنگ بدر میں وہ مشرکین کے ساتھ تھے، لہٰذا پکڑ کر لائے گئے۔ مشورہ سے طے ہوا کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر رہا کردیا جائے۔ تمام لوگوں نے اپنے اپنے رشتے داروں کی رہائی کے لئے رقم بھیج دی۔ ابوالعاص کی رہائی کے لئے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو فدیہ بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کو ان کی والدہ نے تحفہ میں دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہار دیکھ کر بے تاب ہوگئے اور چشم مبارک سے آنسو رواں ہوگئے۔ صحابہ یہ دیکھ کر پریشان ہوئے، وجہ پوچھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم سب کی مرضی ہو تو یہ ہار زینب کو واپس کردیا جائے اور اس کے شوہر کو بھی رہا کردیا جائے۔ صحابہ کرام نے بخوشی منظور کرلیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار اور ابوالعاص دونوں کو مکے بھیج دیا، لیکن طے پایا کہ مکہ جاکر یہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ مدت بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایمان لاکر مدینہ تشریف لے آئے۔ سن ۸ ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارا۔ قبر میں اتارتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی رنجیدہ تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یا اللہ! یہ بڑی کمزور تھی۔ یا اللہ! تو اس کی مشکل کو آسان فرمادے اور اس کی قبر کو کشادہ فرما۔"[1]

صرف اولاد ہی نہیں، اولاد کی اولاد سے بھی آپ کو بہت پیار تھا، جب کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر جاتے تو فرماتے میرے بچوں کو لے آؤ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، صاحبزادوں حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لاتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سونگھتے اور سینے سے چمٹا کر پیار کرتے تھے۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد: ج ۸ ص ۳۰ تا ۳۶ [2] مشکوٰۃ، باب مناقب اھل بیت: ج ۲ ص ۵۷۱

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساتھ ساتھ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے اپنے بازو مبارک کھول دیتے تاکہ بچے اس پر بآسانی چڑھ جائیں اور کبھی سجدہ طویل فرماتے کہ وہ پیٹھ پر چڑھے رہیں۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر جا رہے تھے، ایک آدمی نے دیکھا تو عرض کیا: "نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَام" واہ واہ کیا اچھی سواری ہے، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَنِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ" سوار بھی کیسے اعلیٰ ہیں۔[1]

ہم اسی پیغمبر کے امتی ہیں، ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل اور طریقے کو جان سے زیادہ عزیز رکھیں، لہٰذا اس طریقے کو بھی اپنے لئے لازم کرلیں اور اپنی اولاد سے محبت، نرمی اور شفقت کا سلوک کریں۔

اس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل بھی ہوگا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب بھی ملے گا اور اولاد کے دل میں آپ کی محبت اور قدر بھی ہوگی۔

آپ خود بھی چین وسکون سے رہ سکیں گے اور اولاد بھی چین وسکون سے رہے گی۔

بچوں کے جھگڑے اور آپ کی ذمہ داری

بچوں کے آپس کے جھگڑے ہر محلے بلکہ ہر ملک قوم اور ہر معاشرے میں معمول کی بات ہے۔ لیکن اگر گھر کے اندر جھگڑنے والے بچوں میں سے کسی ایک کی حد سے زیادہ حمایت کی جائے تو یہ بات گھریلو ماحول کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے اور دوسرے بچے کے دل میں بھی اس بڑے سے بیزاری اور نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان خرابیوں کے پیش نظر آپ کو بچوں کے جھگڑوں کا بہت ہی احتیاط اور حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا۔ اس کے لئے سب سے پہلے تو یہ

[1] مشکوٰۃ: ج ۲ ص ۵۷۱

دیکھیے کہ بچوں کا جھگڑا کیوں اور کیسے ہوا؟

اگر اس سبب کو دور کر دیا جائے اور بچوں کو سمجھا دیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ عموماً جھگڑے اس لئے ہوتے ہیں کہ ایک نے دوسرے بچے کو منہ چڑا دیا اور وہ اس سے گتھم گتھا ہو جاتا ہے۔ دو بچے کھلونوں سے کھیل رہے ہیں، ایک بچے نے دوسرے سے کوئی کھلونا چھیننے کی کوشش کی، اس طرح دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اور دونوں رونے اور چیخنے لگتے ہیں۔

ایک کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے اور دوسرا اپنی چیز کھا چکا ہے، یہ اس سے لینا چاہتا ہے یا چھین لیتا ہے اور دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہاکی، کرکٹ وغیرہ کھیل رہے ہیں، ایک فریق جیتنے کا دعویٰ کرتا ہے، جب کہ دوسرا فریق ہار تسلیم نہیں کر رہا، اسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں پر اگر غور کریں تو یقیناً آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ بچوں کا لڑنا تین اسباب کی وجہ سے ہے۔

۱ فطری و قدرتی، شوخی و چلبلا پن جوان کو قرار سے بیٹھنے نہیں دیتا۔

۲ بھولپن کی بنا پر اپنی خوشی اور پسند کی خاطر، دوسرے بھائی کی پسند اور خوشی کی پروا نہ کرنا۔

۳ بھولپن کی وجہ سے اپنی دلی جذبات کو نہ چھپا سکنا اور اپنے غم، غصہ، خوشی، لالچ، اور خواہش کا فوراً اظہار کر دینا۔

ان لڑائیوں میں کینہ یا کدورت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، اسی لئے لڑائی کے بعد فوراً ہی پھر مل کر کھیلنا شروع کر دیتے ہیں، گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

اس لئے اگر آپ کے بچوں میں لڑائی ہو اور لڑنے والے بچے چھوٹے ہوں تو ہر ایک کو لڑائی کے خلاف غیرت دلائیں۔ کسی کی بیجا حمایت نہ کریں، مثلاً یوں کہیں: دیکھو بیٹا۔ یہ کتنی بری بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے لڑتے ہو اور اسے اپنا کھلونا نہیں دیتے، حالانکہ وہ آپ سے چھوٹا ہے اور آپ سے کھیل بھی رہا ہے، آپ کو تو اس کا

خیال رکھنا چاہیے۔

آپ اسے مارتے ہو، توبہ...... توبہ...... اور اگر بچے کچھ بڑے ہیں تو اس وقت سمجھا بجھا کر دونوں کو الگ الگ کریں اور پھر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگیں! کہ اے اللہ! میری اولاد میں آپس میں محبت پیدا فرما، ان کی لڑائی جھگڑوں سے حفاظت فرما ...... کچھ دیر بعد ان میں سے ہر ایک کو تنہائی میں بلا کر اس سے لڑنے کا سبب معلوم کریں اور لڑائی کی مذمت اور نحوست اس پر واضح کریں اور اس سبب کو دور کریں، پھر ان دونوں کو ایک ساتھ بٹھا کر پیار و محبت سے مل جل کر رہنے کی فضیلت اور فوائد بتائیں اور اس پر عمل کی ان کو نصیحت کریں اور دعا بھی کریں کہ اللہ ان میں ہمیشہ کا اتحاد و اتفاق نصیب فرمائے۔ اسی طرح اگر آپ کا بچہ اپنے کسی دوست سے جھگڑا کرے تو پہلے اس کے لئے دعا کیجیے اور پھر اسے مذکورہ بالا طریقے پر سمجھایئے۔

آپس میں یا دوسرے بچوں سے لڑائی کی صورت میں ان کی ہرگز حوصلہ افزائی نہ کریں اور نہ ان کے اس فعل کو فخریہ طریقے سے کہ "میرے شیر بیٹے نے فلاں بچے کو خوب پیٹا" بیان کیجیے۔ ورنہ آپ کا یہی جملہ ان کی تباہی کا موجب بنے گا۔ ذہنوں میں یہ بات جمائی جائے کہ لڑائی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کو سدھارنے کے لئے گھر کا ماحول بھی خوشگوار رکھنا ضروری ہے، اس لئے آپ بچوں کے سامنے کبھی بھی کسی بھی معاملے میں بیوی سے الجھنے اور تو تڑاخ کرنے سے اجتناب کیجیے، ورنہ وہ بھی ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کو معمولی سمجھنے لگتے ہیں۔ جب جھگڑا ہو رہا ہو تو ایسا ہرگز نہ کریں کہ غصہ میں فوراً اٹھے اور زور زور سے چیختے یا گالیاں دیتے ہوئے پاس پہنچے اور دونوں کو الگ الگ کر کے دونوں کو زور زور سے مارنا پیٹنا شروع کر دیا کہ اس کی مثال تو ایسی ہوگی کہ آگ بجھانے کے لئے اس پر پیٹرول چھڑکا جائے۔ ان کی لڑائی میں خود شریک نہ ہوں کہ آپ بھی ان کے ساتھ چیخنے چلانے لگیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اور مثالی

باپ بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسی طرح اگر اہلیہ نے شام کو واپسی پر آپ سے شکایت کی کہ آج فلاں نے آپ کے بچے کو مارا ہے اور دھکا دے کر کیچڑ میں گرا دیا ہے یا کوئی زخم یا چوٹ لگ گئی ہے، آپ جناب فوراً فلاں کے گھر پہنچتے ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیا، جب بعد میں بات کھلی تو پتہ لگا کہ دونوں بچوں کی غلطی تھی، اس نے بھی اس کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور ناخن مار کر چہرے پر جا بجا نشانات ڈال دیئے تھے۔ اگر ایسی کوئی شکایت سنیں تو پہلے اپنے گھر میں ہی سمجھائیں کہ لڑائی کرنا بری بات ہے، اس سے آپس میں توڑ پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح لڑنا انسانیت کے خلاف اور حیوانیت کا کام ہے۔

اگر اہلیہ صاحبہ منہ بنائے...... یا ناراض ہوں...... تو ہرگز پروا نہ کریں۔ اگر طعنہ دیں کہ بزدل ہو، بدلہ نہیں لے سکتے وغیرہ تو غصہ میں نہ آئیں، بلکہ صبر و ضبط کا دامن ہاتھ میں لے کر پیار و محبت سے تلقین کریں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات سنائیں کہ کس طرح انہوں نے پتھر مارنے والے اور گالیاں دینے والوں کے لئے دعائیں کی ہیں، پھر لڑائی کی تحقیق ضرور کریں، مگر پوشیدہ رہ کر کہ گھر والوں کو پتہ نہ چلے۔ جب بات سامنے آجائے تو اگر اپنوں کی غلطی ہو تو انہیں تنبیہ کریں اور دوسروں کی ہو تو ان کے بڑوں کو حکمت کے ساتھ، موقع دیکھ کر سمجھائیں اور ہو سکے تو دونوں کو گلے ملوا دیں۔ اسی سلسلے میں روزنامہ جنگ سے ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں، غور سے پڑھیئے، عجیب عبرت ناک قصہ ہے۔

ایک لمحہ کی بھول

۲۳ مئی ۱۹۹۶ء کا ذکر ہے جب میں ایک تپتی دوپہر کو پاکستان اسٹیل کیڈٹ کالج کراچی میں اپنی ڈیوٹی دے کر واپس آ رہا تھا۔ بس اسٹاپ سے جیسے ہی میں اپنی گلی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا کہ دو ننھے یتیم

بچے حسن اور شاہد، ایک خالی پلاٹ پر بڑے پیار سے گیند بلا کھیل رہے تھے۔ گرمی اور دھوپ کی تمازت سے ان کے چہرے تمتمار ہے تھے، مگر انہیں نہ تو موسم کی شدت کا احساس تھا اور نہ کسی آنے جانے والے کی پرواہ۔ انہیں تو یہ خیال بھی نہ تھا کہ اسی گیند بلے کے کھیل نے صرف ایک ہفتے پہلے ان دونوں کو یتیم کر دیا تھا۔

گذشتہ برس اگست کے مہینے تک میں کراچی کی جس بستی میں مقیم تھا، وہاں زیادہ تر متوسط اور نچلے طبقے کے لوگ رہا کرتے تھے۔ انہیں لوگوں میں دو ایسے پڑوسی بھی تھے، جو گذشتہ بیس برس سے ایک ساتھ رہتے بستے چلے آ رہے تھے۔ محلے والے ان کی دوستی کی مثالیں دیا کرتے۔ ان میں سے ایک اظہر صاحب تھے، جو ایک سرکاری محکمہ میں سپر نٹنڈنٹ تھے اور دوسرے ناصر صاحب، جو کسی محکمہ کے ریٹائرڈ حوالدار تھے اور اب محلّہ میں کریانے کی چھوٹی سی دکان چلا رہے تھے۔ اظہر صاحب اور ناصر صاحب کی بیویوں اور بچوں میں بھی بڑی محبت تھی۔ اظہر صاحب تو کثیر العیال تھے، جن کی چار بیٹیاں اور پانچ بیٹے تھے، مگر ناصر صاحب کے صرف دو ہی بچے تھے۔ چودہ برس کی بیٹی اور سات برس کا بیٹا۔ اظہر صاحب کا سب سے چھوٹا بیٹا، ناصر صاحب کے بیٹے شاہد کا ہم عمر تھا۔ حسن اور شاہد محلے ہی میں واقع اسکول میں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ دونوں ایک ساتھ اسکول جاتے، ایک ساتھ واپس آتے اور پھر یہ ہوتے اور کھیل کود۔

۱۶ مئی کی گرم دوپہر تھی، جب حسن اور شاہد نے اسکول سے واپس آ کر الٹا سیدھا کھانا کھایا اور پھر حسب معمول گیند بلا سنبھال کر گلی میں نکل گئے۔ دونوں کی مائیں چیختی رہ گئیں، مگر وہاں سنتا کون؟

ابھی دونوں کو کھیلتے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حسن نے شاہد کی گیند پر جو زور دار ہٹ لگائی تو گیند سنسناتی ہوئی شاہد کی ناک سے ٹکرا گئی۔ گیند اتنی زور سے شاہد کی ناک پر لگی تھی کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی اور خون کا فوارہ اچھل کر بہہ نکلا۔ شاہد درد

سے تڑپ اٹھا اور اس نے غصہ میں آگ بگولا ہو کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور حسن کے رسید کر دیا۔ پتھر سیدھا جا کر حسن کے سینے پر لگا اور وہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ پھر کیا تھا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے اور خوب مار پیٹ ہونے لگی۔ کسی نے ناصر صاحب کو اس بات کی خبر کر دی، جو اپنی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ فوراً اس جگہ پہنچے، جہاں دونوں بچے ایک دوسرے کی جان کے بیری ہو رہے تھے۔ ناصر صاحب نے انہیں ایک دوسرے سے چھڑایا، حسن کو تو وہ کھینچتے ہوئے گھر لے گئے، جب کہ شاہد روتا چیختا اپنے گھر چلا گیا۔ اظہر صاحب کی اہلیہ نے جب شاہد کو خون میں لت پت دیکھا تو بے ساختہ ان کی چیخ نکل گئی۔ انہوں نے جب شاہد سے خون بہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے اصل واقعہ بتانے کے بجائے سارا الزام حسن کے سر دھر دیا۔ اب اظہر صاحب کی بیگم تمام محبت، خلوص اور لگاؤ بھول کر، حسن اور ان کی ماں کو گالیاں اور کوسنے دینے لگیں۔ حسن کی امی نے جب یہ مغلظات سنیں تو وہ برداشت نہ کر سکیں اور ناصر صاحب کے سمجھانے بجھانے کے باوجود تنتناتی ہوئی اپنے گھر سے نکل کر اظہر صاحب کے دروازے تک پہنچیں اور دروازہ پیٹ پیٹ کر شاہد کی امی کو چیلنج کرنے لگیں۔ شاہد کی امی بھی شعلہ جوالہ بنی ہوئی گھر سے باہر آئیں اور حسن کی امی سے الجھ پڑیں۔ ناصر صاحب نے فوراً موقع پر پہنچ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند لمحے کے اندر اندر ہی دونوں خواتین دست و گریباں ہو کر ایک دوسرے کے جھونٹے نوچ چکی تھیں۔ انہوں نے درمیان میں آ کر دونوں کو الگ الگ کرنے کی کوشش کی تو سہواً ان کا ہاتھ شاہد کی امی کے جسم سے ٹکرا گیا۔ آن کی آن میں بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اب تو شاہد کی امی نے ناصر صاحب کو بھی ہزاروں گالیاں سنا ڈالیں اور ان کے ہاتھ بھی جڑ دیا۔ اس دوران محلے کے کچھ مرد اور عورتیں وہاں آ گئیں اور انہوں نے طرفین میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اس طرح معاملہ وقتی طور پر رفع دفع ہو گیا۔

مگر شام کو جیسے ہی اظہر صاحب تھکے ماندے دفتر سے واپس آئے تو ان کی

بیگم نے ان سے اس ناخوشگوار واقعہ کو نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ یہ سب سن کر اظہر صاحب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ غیرت سے ان کا خون کھول گیا، انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، گھر میں پڑی ہوئی ایک کلہاڑی اٹھائی اور سیدھے ناصر صاحب کی دکان پر جا پہنچے۔ اس وقت دکان پر صرف ایک ہی گاہک موجود تھا، ناصر صاحب ترازو پر جھکے ہوئے کوئی سودا تول رہے تھے، بغیر کسی توقف کے اور کچھ کہے سنے بغیر اظہر صاحب نے ناصر صاحب پر کلہاڑی کا بھرپور وار کیا۔ کلہاڑی ناصر صاحب کے بائیں کاندھے پر لگی اور ناصر صاحب شدید زخمی ہوگئے۔ مگر چشم زدن میں وہ اٹھے۔ انہوں نے دو سیر وزن کا ایک بٹہ اٹھا کر اظہر صاحب کے سر پر دے مارا۔ اظہر صاحب اس وار کی تاب نہ لا سکے اور وہ بھی تیورا کر گرے، مگر اگلے ہی لمحے وہ جھرجھری کھا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دکان کے اندر گھس کر ناصر صاحب کے سر پر کلہاڑی رسید کردی۔ یہ وار کاری ثابت ہوا اور ناصر صاحب موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ مگر ترازو کے بٹے کی چوٹ، اظہر صاحب کے لئے بھی ناقابل برداشت ثابت ہوئی اور چند لمحے بعد وہ بھی جاں بحق ہوگئے۔ گاہک کے شور شرابے پر جب چند لوگ وہاں پہنچے تو ناصر صاحب اور اظہر صاحب کے بے جان لاشے پڑے ہوئے پائے۔ فوراً پولیس کو خبر دی گئی۔ پولیس والے نعشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے لے گئے اور اگلے دن بعد نماز ظہر، دونوں دوستوں کو جو ایک لمحے کی بھول کے نتیجے میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے تھے، نارتھ کراچی کے قبرستان میں دفن کردیا گیا۔

اس سنگین سانحہ اور دلدوز واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ میں نے حسن اور شاہد کو حسب سابق ایک ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا، صاحب اولاد حضرات سے میری گزارش ہے کہ خدارا بچوں کی لڑائی کو زندگی اور موت کا مسئلہ نہ بنائیں، بچے تو لڑ بھڑ کر پھر ایک ہوجاتے ہیں، مگر ان کے والدین کی نادانی انہیں ایک دوسرے کا جانی

دشمن بنادیتی ہے۔[۱]

ہرگز ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کیجیے

ہر والد کو چاہیے کہ وہ یہ بات ضرور یادرکھے کہ ایک بیٹے یا بیٹی کی بات سن کر فوراً دوسرے کے خلاف فیصلہ نہ دے دے، بلکہ دوسرے کو بلا کر اس کی بھی بات سن لے، پھر وجہ پوچھے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح کرنے سے بہت سی پریشانیاں حل ہوجائیں گی۔

جہاں بھی فیصلہ ایک فریق کی بات سن کر ہوگا، وہ فیصلہ حقیقت وانصاف سے بہت ہی دور ہوگا۔

بعض اوقات بچے اسکول اور مدرسہ سے گھر واپس آتے ہیں اور استاد کی یا قاری صاحب کی شکایت لگاتے ہیں، آج مس نے یوں کہا...... یوں کہا...... مجھے پندرہ منٹ دیر ہوگئی تھی، لیکن قاری صاحب نے ایک گھنٹہ کھڑا رکھا، اب والدہ فوراً متاثر ہوجاتی ہیں اور پھر اپنے شوہر کو بھی متاثر کردیتی ہیں، اب کم سمجھ والد، بچے یا بیوی کی بات سن کر بغیر تحقیق کیے ہوئے استاد سے ناراض ہوجاتے ہیں، یا استاد سے جھگڑا شروع کردیتے ہیں، جس سے ایک تو استاد کی بددعا لگتی ہے، دوسرے بچے کی شرارتوں کو مزید تقویت مل جاتی ہے اور بعض اوقات اس نحوست کی وجہ سے بچے تعلیمی ترقی سے محروم ہوجاتے ہیں، بار بار اسکول اور مدرسہ بدلنے سے بہت نقصان ہوتا ہے، لہٰذا ایک بچے کی بات سن کر دوسرے بچے کے خلاف، یا چھوٹے بیٹے کی بات سن کر بڑے بیٹے کے خلاف یا بچے کی بات سن کر استاد...... یا مدرسہ...... اور اسکول ...... کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کیجیے، بلکہ استاد یا مدرسہ اور اسکول کے ذمہ داروں سے جاکر تحقیق ضرور کرلیں۔

---

[۱] بشکریہ روزنامہ جنگ

بسا اوقات چھوٹا بیٹا، بڑے بیٹے کے خلاف شکایت کرتا ہے، یا بیٹی اپنے بھائی اور بھابھی کے متعلق شکایت کرتی ہے، والد کو چاہیئے کہ ہرگز ایک کی بات سن کر دوسرے کے متعلق دل میں کوئی میل نہ آنے دے، پہلے اچھی طرح تحقیق کرلے، ممکن ہو تو دونوں فریق کو سامنے بٹھا دے، اور اگر اس سے جھگڑے کے بڑھنے کا خوف ہو تو اکیلے میں دونوں کو سمجھا دے، لیکن دونوں صورتوں میں والد کا کسی ایک طرف جھکاؤ نہ ہو، اور والد کی نیت بھی اصلاح کی ہو، غصہ اتارنے کی، یا کڑوی کسیلی سنانے کی نہ ہو، والد کی اس وقت حیثیت، حکم اور قاضی کی ہے۔ صحیح فیصلہ کرنے پر ثواب بھی بہت اونچا، اور غلط فیصلہ کرنے پر پکڑ بھی بہت زیادہ......۔

ایک باپ کے لئے خطرناک غلطیاں

درحقیقت باپ کا رویہ ایک مشفق بادشاہ جیسا ہونا چاہیئے، جو اپنی رعیت سے محبت رکھتا ہے، اس کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتا ہے، جس کے سائے تلے رعایا خود کو محفوظ و مامون خیال کرتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس کے دبدبہ اور رعب کے باعث رعایا کی مجال نہیں ہوتی کہ کوئی غلط کام کر جائے۔ اسی طرح باپ کو بھی اپنی اولاد کے ساتھ نرمی و شفقت کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے اور ساتھ ہی ساتھ اپنا وقار اور دبدبہ و رعب بھی برقرار رکھنا چاہیئے۔ لیکن یاد رکھیئے! رعب جمانے یا بچوں کی اصلاح کے لئے کوئی ایسا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیجیئے، جو آپ کی ازدواجی زندگی اور آپ کے بچوں کے لئے نقصان دہ ہو۔ ہم مثال کے طور پر یہاں چند چیزیں بیان کرتے ہیں، جن سے بچوں پر بہت ہی غلط اثر پڑتا ہے:

(1) اگر کوئی ایک بچہ غلطی کر جائے تو اس ایک کی غلطی کی وجہ سے سب کو نہ ڈانٹیں، نہ ہی ذلیل کریں، بلکہ جس کی غلطی ہو اس کو تنہائی میں تنبیہ کریں۔ اگر نیت اصلاح کی ہوگی تو نفع ہوگا۔ اسی طرح ایک غلطی کا غصہ، دوسرے کام میں نہ نکالیئے۔ حضرت

زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کیئے۔ ایک سوال اونٹ کے لقطے کے بارے میں کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا، پھر اس شخص نے بکری کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑئے کے لئے ہے۔''[1]

غور کریں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کی غلطی کا غصہ دوسرے کام میں نہیں نکالا، بلکہ بڑی شفقت سے جواب دے دیا۔

۲ بچے کی غلطی پر اسے اس کے ہم عمروں کی مثالیں بطور طعنہ دے کر تنبیہ ہرگز نہ کریں۔ مثلاً شکیل کو دیکھو! کس طرح محنت سے پڑھتا ہے اور تم ...... مریم کو دیکھو! کتنی شریف اور پڑھاکو بچی ہے، وہ اپنی کلاس میں اول آئی ہے اور ایک تم ہو کہ پیسوں کو برباد کرتی ہو اور پڑھتی ہو نہیں، وغیرہ۔ اس طرح کرنے کے کئی نقصانات ہیں، مثلاً ایک یہ کہ آپ کا بچہ یا بچی اس بچے سے بغض رکھنے لگیں گے۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ اس بچے میں کوئی ایسا عیب ہے، جو آپ کے بچے کو تو معلوم ہے، لیکن آپ کو معلوم نہیں، تو آپ کا بچہ اس عیب کو سوچے گا اور یہی فیصلہ کرے گا کہ اس میں تو اتنی ساری برائیاں ہیں اور پھر بھی میرے والد اسے اچھا کہتے ہیں، آئندہ میں بھی صرف ظاہری طور پر شریف بن کر رہوں گا اور باقی وہی افعال کرتا رہوں گا اور اگر کسی دن اس نے غصے میں آکر وہ عیب آپ کے سامنے کھول دیا، تو وہ حجاب جو ایک باپ اور بچے کے درمیان ہونا چاہیے، ختم ہو جائے گا۔

۳ تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ آپ کو اپنا مصلح سمجھنے کے بجائے ایک طعنہ دینے والا اور بلاوجہ ڈانٹ کر اپنے غصہ نکالنے والا سمجھے گا اور اس طرح آپ کی نصیحت اس کے کسی کام نہیں آئے گی۔ آپ کو مہذب سمجھنے کے بجائے معذب سمجھے گا کہ میرے

---

[1] بخاری، کتاب اللقطة، باب ضالة الغنم: ج ۱ص ۳۲۸

والد تہذیب سکھلانے کے بجائے مجھے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔

❹ اگر بچے کی غلطی کا سبب اس کی ماں بنی ہے تو اس بچے کے سامنے ہرگز ہرگز اپنی اہلیہ یعنی اس بچے کی ماں کو نہ ڈانٹیں، ورنہ بچہ ماں کو مظلوم اور آپ کو ظالم سمجھے گا اور اس طرح آپ کی محبت بچے کے دل سے نکل جائے گی یا ماں کی عزت اور احترام اس کی نظروں میں کم ہو جائے گا۔

❺ اگر کسی محلّہ دار نے آپ کو آپ کے بچے کی کسی شرارت کی شکایت کی تو اس شخص کے سامنے یا بعد میں بلا تحقیق کبھی بھی سزا نہ دیں، بلکہ اچھی طرح تحقیق کریں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ بے قصور ہونے کے باوجود باپ یا کسی دوسرے بڑے کے خوف کی وجہ سے اپنی بے گناہی بیان نہیں کرتا، ایسی صورت میں پہلے خوب شفقت و محبت سے اس سے پورا معاملہ معلوم کریں، پھر اگر محسوس کریں کہ اگر یہ واقعی قصور وار ہے تو پہلے دعا کریں، پھر تنہائی میں نرمی و شفقت سے اسے سمجھایئے اور اگر ضرورت محسوس کریں تو تنبیہ بھی کر دیں۔ بلا تحقیق ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دینا کسی بھی طرح مناسب نہیں، اس طرح والد عند اللہ خیانت کرنے والے ہوں گے اور اولاد کے دل میں بھی والد کے لئے نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے، جس میں کسی کی شکایت ہو تو بدون تحقیق کے اس پر عمل نہ کیا کرو، بلکہ عمل کرنا مقصود ہو تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کیئے پر پچھتانا پڑے۔"[1]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ."[2]

[1] معارف القرآن: ج۸ص ۱۰۳ [2] مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ج۱ص ۲۸

''انسان کے جھوٹا بننے کے لئے یہ کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کردے۔''

اس لئے بچے کی کسی بھی شکایت کی خوب تحقیق کرلیا کریں۔ مثلاً آپ کا پڑوسی آپ کے پاس شکایت لے کر آیا کہ آپ کے بچے نے میرے بچے کو مارا ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ فوراً چھڑی لے کر بچے کی پٹائی شروع کردیں، ان صاحب سے کہیئے کہ ان شاء اللہ میں ابھی تحقیق کرتا ہوں، اگر اس نے واقعی ایسی غلطی کی ہوگی تو میں اسے سزا دوں گا۔ پھر اپنے بچے سے نرمی اور شفقت سے معلوم کیجیے تو وہ ضرور آپ کو اصل حقیقت بتادے گا۔ ہوسکتا ہے پہلے شرارت اسی بچے نے کی ہو، جس کے جواب میں اس نے اسے مارا ہو یا اس بچے نے اس کی کوئی چیز چھینی ہو یا توڑی ہو اور اس کی وجہ سے اس بچے نے اس کو مارا ہو تو اس صورت میں آپ کا اسے سزا دینا ظلم ہوگا اور یہ فعل آئندہ کے لئے آپ کے بچے کو بزدل بنادے گا، حتیٰ کہ وہ اپنے حق کے لئے بھی کسی سے جھگڑا نہ کرسکے گا اور یہ بزدلی خدانخواستہ آگے چل کر اس کی زندگی کو ہی نہ برباد کردے۔ اگر اس وقت آپ نے تحقیق کی تو اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ پوری حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی اور اس میں اگر آپ کے بچے کی غلطی ہو تو آپ اس کی اصلاح کرسکیں گے دوسرا یہ کہ اگر اس آدمی نے غلط شکایت لگائی ہو تو آپ کا بچہ سزا سے بچ جائے گا اور آئندہ کے لئے اس آدمی کو شکایت کی جرأت نہیں ہوگی۔ اسی طرح ایک بچے نے دوسرے بچے کے متعلق شکایت کی تو مناسب ہو تو دونوں کو سامنے بٹھلا کر فیصلہ کریں، ہرگز ایک بچے کی شکایت سن کر بلا تحقیق دوسرے بچے کو نہ ڈانٹیں۔

❻ بچوں کے سامنے بچوں کی ماں یعنی اپنی اہلیہ کی کبھی غیبت نہ کریں، نہ برائی بیان کریں، مثلاً تمہاری ماں کو منع کیا تھا کہ یہ مت کرنا، پھر بھی کرلیا، اس کو منع کیا تھا کہ بازار مت جانا پھر بھی چلی گئی، اسے منع کیا تھا کہ فلاں کے ہاں مہندی میں مت

جانا پھر بھی چلی گئی وغیرہ۔ اسی طرح بچوں کی بات پر اعتماد کر کے فوراً بیوی کو برا بھلا کہنا نہ شروع کریں، مثلاً آپ کام سے شام کو گھر واپس آئے، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ بیوی صاحبہ گھر پر نہیں ہیں اور بچوں نے بتا دیا کہ بازار یا کسی کے ہاں گئی ہیں اور آپ نے چیخنا شروع کر دیا کہ میری نہیں مانتی، گھر پر تو بیٹھنا جانتی ہی نہیں...... میں نے منع بھی کیا تھا پھر بھی چلی گئی وغیرہ۔ اس طرح کرنے سے ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ ماں کی قدر بچوں کی نظروں میں ختم ہو جائے گی۔

دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ بچے آپ کو ظالم اور ماں کو مظلوم سمجھنے لگیں گے۔ اس لئے کہ وہ منع کرنے کی حکمتیں نہیں جانتے تو بجائے چیخنے چلانے کے اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر انتظار کریں، بچوں کے ساتھ پیار محبت کریں اور بیوی کے لئے کوئی صحیح عذر سوچ لیں کہ ہو سکتا ہے چھوٹے بچے کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہو، اسے فوری ہسپتال لے جانا پڑا ہو، ہو سکتا ہے کھانے پینے کی چیزوں کی اور آپ کی کسی چیز کی ضرورت پڑ گئی ہو وہ لینے گئی ہوں، ہو سکتا ہے کہ اس کی والدہ کے گھر سے فون آیا ہو کسی پریشانی کی وجہ سے گئی ہوں، جب واپس آئیں گی تو معلوم ہو جائے گا، پھر اگر اس کا وہ جانا آپ کو نامناسب معلوم ہو تو پھر اسے تنہائی میں سمجھایئے، اپنے غصے اور ناراضگی کا اظہار کیجئے، لیکن بچوں کے سامنے اس طرح ہرگز نہ کریں، کیونکہ اس سے بچوں کے ذہن پر بہت برے اثرات پڑتے ہیں۔

اسی طرح اگر کبھی آپ کو بیوی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا پسند نہ بھی آئے تو دسترخوان پر بیٹھ کر اس کی برائی کرنے کی بجائے اس کی تعریف کریں۔ اس سے ایک تو اللہ جل جلالہ عم نوالہ بھی راضی ہوں گے اور بیوی کی یا پکانے والے کی حوصلہ افزائی ہوگی، اس کی دلی دعاؤں میں آپ کا حصہ ہوگا، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا، اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

﴿مَا عَابَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ﴾ [۱]

تَرْجَمَہ: ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر پسند ہوا تو کھا لیا، اگر وہ ناپسند ہوا تو نہ کھایا۔''

تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے میاں بیوی میں محبت بڑھے گی اور میاں بیوی کے درمیان سچی محبت دین و دنیا کے درمیان خیروں اور بھلائیوں کی کنجی ہے، اس طرح بچے بھی دوسروں کی تعریف کرنا اور ہر طرح کی چیز پر صبر کرنا سیکھ جائیں گے ورنہ خدا نہ کرے وہ ہم سے بھی دو قدم آگے نکل کر زیادہ برائی شروع نہ کر دیں۔ اس طرح رزق کی اور مال کی توہین ہوگی جو گناہ ہے اور اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔

۷ اگر آپ یا آپ کی اہلیہ دماغی کیفیت یا جسمانی کمزوری یا کسی دوسرے شرعی عذر کی وجہ سے پے در پے بچوں کی صحیح تربیت و صحیح نگہداشت نہیں کر سکتے تو ماہر علماء کرام اور مفتیان سے معلوم کر کے دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ کی کوشش ضرور کیجیے کہ ایک بچے کو شرعی طور پر ماں اپنا دودھ پلا سکے (بغیر دوسرا حمل ٹھہرے) تا کہ یہ بچہ صحت و قوت کے اعتبار سے پوری طرح اپنی عمر کی منزلیں طے کرے، پھر جب ماں اس بچے کو اچھی طرح دودھ پلا کر فارغ ہو جائے، اور اب تک جو کمزوری بچہ جننے اور اس کو دودھ پلانے سے ہوئی تھی، وہ کمزوری بھی دور ہو جائے تو دوسرے بچے کے لئے تیار ہو، تا کہ دونوں بچوں کا پورا حق ادا ہو سکے، دونوں کی صحیح تربیت ہو سکے۔ یہ آپ کے اور آپ کی بیوی اور بچوں سب کے لئے مفید ہے۔

۸ جب بچے جوانی کی عمر تک پہنچ جائیں اور ان کی شادی کا مرحلہ آئے تو دو بیٹوں کی شادی ایک ساتھ نہ کیجیے اور نہ ہی دونوں بہوؤں کو ایک ساتھ ایک گھر اور ایک باورچی خانہ میں رکھیے۔ الگ رکھنے میں بہت خیر اور عافیت ہے اور بڑے بڑے

---

[۱] بخاری، کتاب الاطعمۃ، ماعاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاما قط: ج۲ ص۸۱۲

فسادات اور لڑائیوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائے آمین۔

⑨ بچے کی نظر میں آپ کی حیثیت ایک ایسے شخص کی ہوتی ہے، جو قابل اتباع ہے اور یقین کریں کہ بچہ لاشعوری طور پر ہر بات میں والد کی اتباع کرتا ہے، چاہے وہ چیز بالکل غلط کیوں نہ ہو۔ ایک صاحب نے اپنے بچپن کا واقعہ بتایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے نوکرانی سے پانی مانگا، وہ پانی لائی تو بجائے ہاتھ میں گلاس دینے کے، چوکی پر رکھ کر چلی گئی، بس انہوں نے گلاس اٹھا کر دیوار پر مارا اور لاشعوری طور پر بڑی فحش گالیاں اس کو دینے لگے، لیکن چند منٹوں بعد اندر کمرے میں سے ان کے والد صاحب نے بلند آواز سے گالیاں دینی شروع کیں کہ کمبخت گالی بکتا ہے نوکرانی کو، شرم نہیں آتی، باپ کے سامنے بکتا ہے، ڈوب مرو وغیرہ۔

آپ خود سوچیں اس واقعہ میں قصور کس کا ہے؟ یقیناً بچے نے بارہا اپنے باپ کو نوکرانی وغیرہ کو گالیاں دیتے سنا ہوگا اور بغیر سیکھے اس وقت وہی گالیاں اس کی زبان سے جاری ہوگئیں۔ اس پر مزید ستم ظریفی کہ گالیاں بند کروانے کے لئے گالیاں دی جارہی ہیں۔ یعنی زہر کے اثر کو ختم کرنے کے لئے زہر کا استعمال کیا جارہا ہے۔ لہٰذا کبھی بھی بچے کے سامنے اپنے ملازموں، ماتحتوں، اہلیہ وغیرہ کو نہ ڈانٹیں، نہ جھڑکیں، نہ برا بھلا کہیں، اگر واقعی اصلاح مقصود ہو تو علیحدگی میں سمجھائیں۔ یاد رکھیئے اولاد کی تربیت غصے کے ذریعے نہیں کی جاسکتی، بلکہ غصہ کے وقت صبر کا دامن مضبوطی سے تھام کر اولاد کو عملی نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ بیٹا تم بھی عملی زندگی میں غصہ میں ہرگز کوئی قدم نہ اٹھانا۔

اور تاکہ اولاد یہ سوچ سکے کہ میں ایسے نیک والد کی اولاد ہوں کہ ان کو جس وقت شدید غصہ آتا، پھر بھی مسکراہٹ ان کے چہرے سے غائب نہ ہوتی، نرم لہجہ ان کا ساتھ نہ چھوڑتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھانے کا ڈھنگ نصیب فرمائے۔

⑩ دینی تعلیم و تربیت سے اولاد کو محروم نہ کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، اپنے وعظ ''اولاد کے حقوق'' میں فرماتے ہیں: یاد رکھیئے! اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک سنت ہے، جو حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ جل جلالہ کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے کسی آدمی کو راضی کرنے کے لئے گناہ کیا اور گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا تو بالآخر اللہ تعالیٰ اسی کو اس شخص پر مسلط فرما دیتے ہیں۔

آج ہماری حالت یہ ہے کہ اپنی اولاد اور بچوں کو راضی کرنے کی خاطر یہ سوچتے ہیں کہ ان کا مستقبل اچھا ہو جائے، ان کی آمدنی اچھی ہو جائے۔ اور معاشرے میں ان کا ایک مقام بن جائے، ان تمام کاموں کی وجہ سے ان کو دین نہ سکھایا، اور دین نہ سکھا کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی اولاد جس کو راضی کرنے کی فکر تھی، ماں باپ کے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ آج آپ خود معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ کس طرح اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمانی کر رہی ہے اور ماں باپ کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ماں باپ نے ان کو صرف اس لئے بے دینی کے ماحول میں بھیج دیا، تاکہ ان کو اچھا کھانا پینا میسر آجائے، اور اچھی ملازمت مل جائے، اور ان کو ایسے بے دینی کے ماحول میں آزاد چھوڑ دیا، جس میں ماں باپ کی عزت اور عظمت کا کوئی خانہ نہیں ہے، جس میں ماں باپ کے حکم کی اطاعت کا بھی کوئی خانہ نہیں ہے، وہ اگر کل کو اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے، تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں، کہ ہم نے تو اس مقصد کے لئے تعلیم دلائی تھی، مگر اس نے یہ کر لیا۔ ارے بات اصل میں یہ ہے کہ تم نے اس کو ایسے راستے پر چلایا، جس کے نتیجے میں وہ تمہارے سروں پر مسلط ہو گیا، تم ان کو جس قسم کی تعلیم دلوا رہے ہو اور جس راستے پر لے جا رہے ہو، اس تعلیم کی تہذیب تو یہ ہے کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو اب وہ گھر میں رکھنے کے لائق نہیں، ان کو نرسنگ ہوم میں داخل

کردیا جاتا ہے اور پھر صاحب زادے پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے کہ وہاں ماں باپ کس حال میں ہیں، اور کس چیز کی ان کو ضرورت ہے۔

باپ ''نرسنگ ہوم'' میں

مغربی ممالک کے بارے میں تو ایسے واقعات بہت سنتے تھے کہ بوڑھا باپ ''نرسنگ ہوم'' میں پڑا ہوا ہے، وہاں اس باپ کا انتقال ہوگیا، وہاں کے مینیجر نے صاحب زادے کو فون کیا کہ جناب، آپ کے والد کا انتقال ہوگیا ہے، تو جواب میں صاحب زادے نے کہا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اب آپ براہ کرم ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کردیں، اور براہ کرم بل مجھے بھیج دیجئے، میں بل کی ادائیگی کروں گا۔ وہاں کے بارے میں تو یہ بات سنی تھی، لیکن ابھی چند روز پہلے مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ یہاں کراچی میں بھی ایک ''نرسنگ ہوم'' قائم ہوگیا ہے، جہاں بوڑھوں کی رہائش کا انتظام ہے، اس میں بھی یہی واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کا وہاں انتقال ہوگیا۔ اس کے بیٹے کو اطلاع دی گئی، بیٹے نے پہلے تو آنے کا وعدہ کرلیا۔ لیکن بعد میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو اس وقت فلاں میٹنگ میں جانا ہے، اس لئے آپ کفن دفن کا بندوبست کردیں، میں نہیں آسکوں گا۔ یہ وہ اولاد ہے جس کو راضی کرنے کی خاطر تم نے اللہ کو ناراض کیا، اس لئے وہ اب تمہارے اوپر مسلط کردی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ جس مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کروگے، اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو تمہارے اوپر مسلط کردیں گے۔

جیسا کریں گے ویسا بھریں گے

جب وہ اولاد سر پر مسلط ہوگئی تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں کہ اولاد دوسرے راستے پر جا رہی ہے، ارے جب تم نے شروع ہی سے اس کو ایسے راستے پر

ڈالا، جس کے ذریعہ اس کا ذہن بدل جائے، اس کا خیال بدل جائے، اس کی سوچ بدل جائے تو اس کا انجام یہی ہونا تھا ؎

درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

پہلے میرے ہاتھ پیر باندھ کر مجھے سمندر کے اندر ڈبو دیا، اس کے بعد کہتے ہو کہ ہوشیار! دامن تر مت کرنا۔

بھائی! اگر تم نے پہلے اس کو کچھ قرآن شریف پڑھایا ہوتا، اس کو کچھ حدیث نبوی سکھائی ہوتی، دینی ماحول میں بٹھایا ہوتا، وہ حدیث سکھائی ہوتی جو مشکوۃ کتاب العلم جلد ا صفحہ ۳۲ میں مذکور ہے، جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے لئے کارآمد ہوتی ہیں، ایک علم ہے جسے وہ چھوڑ گیا، جس سے لوگ نفع اٹھا رہے ہیں، مثلاً کوئی آدمی کوئی کتاب تصنیف کر گیا۔ اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

یا کوئی آدمی علم دین پڑھاتا تھا، اب اس کے شاگرد آگے علم پڑھا رہے ہیں، اس سے مرنے والے شخص کو بھی فائدہ پہنچتا رہتا ہے، یا کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا، مثلاً کوئی مسجد بنا دی، کوئی مدرسہ بنا دیا، کوئی شفا خانہ بنا دیا، کوئی کنواں بنا دیا، اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ایسے عمل کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

اور تیسری چیز نیک اولاد ہے، جو وہ چھوڑ گیا۔ وہ اس کے حق میں دعائیں کریں، تو اس کا عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، کیونکہ ماں باپ کی تربیت کے نتیجے میں اولاد جو کچھ کر رہی ہے، وہ سب باپ کے نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے۔ اگر یہ حدیث پڑھائی ہوتی تو آج باپ کا یہ انجام نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ اس راستے پر چلایا ہی نہیں، اس لئے اس کا انجام بد آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولاد کی فکر

بھائی اولاد کو دین کی طرف لانے کی فکر اتنی ہی ضروری ہے، جتنی اپنی اصلاح کی فکر، اولاد کو زبانی سمجھانا کافی نہیں، جب تک اس کی فکر اور تڑپ ایسی نہ ہو جیسے دہکتی ہوئی آگ کی طرف بچہ بڑھ رہا ہو اور آپ اس کو لپک کر جب تک اٹھا نہیں لیں گے، اس وقت تک آپ کو چین نہیں آئے گا، ایسی ہی تڑپ یہاں بھی ہونی ضروری ہے۔ پورا قرآن کریم اس حکم کی تاکید سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾[1]

ترجمہ: "(حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کا (خصوصاً اور دوسرے احکام کا عموماً) حکم کرتے رہتے تھے۔"

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾[2]

ترجمہ: "اور اپنے متعلقین کو (یعنی اہل خاندان کو یا مومنین کو) بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے (یعنی زیادہ توجہ کے قابل یہ امور ہیں)۔"[3]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب ترتیب رکھی ہے۔ بظاہر یہ ہونا چاہیے تھا کہ پہلے خود نماز قائم کریں اور پھر اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں، لیکن یہاں ترتیب

[1] سورۂ مریم آیت ۵۵
[2] سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۲
[3] معارف القرآن: ج ۶ ص ۱۶۲

الٹ دی ہے۔

اس ترتیب میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ آپ کا اپنے گھر والوں کو یا اولاد کو نماز کا حکم دینا اس وقت تک مؤثر اور فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک آپ ان سے زیادہ اس کی پابندی نہیں کریں گے۔ اب زبان سے آپ نے ان کو کہہ دیا کہ نماز پڑھو، لیکن خود اپنے اندر نماز کا اہتمام نہیں ہے تو اس صورت میں ان کو نماز کے لئے کہنا بالکل بے کار جائے گا۔ لہٰذا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینے کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ ان سے زیادہ پابندی خود کریں اور ان کے لئے ایک مثال اور نمونہ بنیں۔ بہرحال والدین کو پہلے یہ کوشش کرنی چاہئے کہ یہ اولاد اللہ جل جلالہ کو راضی کرنے والی بن جائے۔ نافرمانیوں اور گناہوں سے بچنے والی بن جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خاتون نے اپنے بچے کو گود میں لینے کے لئے بلایا، بچہ آنے میں تردد کر رہا تھا تو اس خاتون نے کہا تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیز دیں گے، اب وہ بچہ آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے پوچھا کہ تم نے بچے کو یہ جو کہا کہ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیز دیں گے، تو کیا تمہاری واقعی کچھ دینے کی نیت تھی؟

اس خاتون نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس ایک کھجور تھی اور یہ کھجور اس کو دینے کی نیت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَمَا إِنَّكِ وَلَوْ لَمْ تُعْطِيهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ" کہ اگر دینے کی نیت نہ ہوتی تو یہ تمہاری طرف سے بہت بڑا جھوٹ ہوتا، اور گناہ ہوتا، اس لئے کہ تم بچے سے جھوٹا وعدہ کر رہی ہو۔[۱]

گویا اس کے دل میں بچپن سے یہ بات ڈال رہی ہو کہ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا کوئی ایسی بری بات نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ بیوی بچوں کو جو بھی حکم دیں، پہلے خود اس پر عمل کریں اور اس کی

---

[۱] ابوداؤد، باب التشدید فی الکذب: ج۲ ص۳۲۵

پابندی دوسروں سے زیادہ کریں۔ [1]

ان دس خطرناک غلطیوں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی فکر کریں۔ کتاب بند کر کے دعا بھی کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

کھیل کود

کھیل کود بچوں کے لئے بہت مفید ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ کھیل کو بچوں کی غذا اور تعلیم کا ایک جز تسلیم کرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ احساس ہے کہ اگر درس گاہ کا ماحول دلچسپ کھیلوں سے خالی ہو تو طلبہ اسے اپنے لئے قید خانہ سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کی جبلی صلاحیتیں ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔ خشک ماحول میں طلبہ کی تعلیم صحیح طور پر نہیں ہو پاتی۔ اس کے برعکس اگر درس گاہ میں کھیل کود، سیر و تفریح کے دلچسپ مواقع اور ذہنی شگفتگی کا ماحول موجود ہو تو بچے نہایت ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ کھیل بھی ایک جبلت ہے، جس طرح بچہ دودھ مانگتا ہے، اس طرح بچہ ہاتھ پیر مار کر کھیلنے کا آغاز کرتا ہے۔ آپ اپنے اردگرد کے بچوں پر نظر ڈالیئے۔ دیکھیے ان کے نزدیک کھیل سے زیادہ محبوب مشغلہ کوئی دوسرا نہیں۔ جب وہ کھیلتے ہیں تو انہیں تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ گرمی، سردی، ہوا، کیچڑ کسی بھی چیز کی وہ پروا نہیں کرتے۔ بھوک لگتی رہے یا کپڑے خراب ہو رہے ہوں تو ہوتے رہیں۔ وہ اپنے کھیل میں مگن رہیں گے۔ صبح کو بستر سے اٹھتے ہیں، درس گاہ سے واپس آکر بستہ رکھتے ہیں اور کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ نہ وقت دیکھتے ہیں اور نہ جگہ، بس کھیلنے سے مطلب رکھتے ہیں۔ والدین ناراض ہوں تو بھی کھیلیں گے۔ وہ کھیل کی خاطر مار بھی جھیل لیتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ کھیل کی جبلت بچوں میں کتنی طاقت ور ہوتی ہے۔ اس جبلت کو دبانے کا جو نتیجہ ہوسکتا ہے، اس کا اندازہ کرنا

---

[1] اصلاحی خطبات: ج ۴ ص ۳۸

آپ کے لئے مشکل نہیں۔

امام ابوسفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فقہ کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ ان کا دربار خلافت میں آنا جانا رہتا تھا۔ خلیفہ بھی ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک بار انہوں نے خلیفہ سے کہا: ''بھئی اپنے بچے کی تو کسی روز زیارت کرا دیجیے۔'' خلیفہ نے چند دن کی مہلت مانگی۔ جب آپ متعینہ وقت پر دربار میں تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ بچہ ہاتھ باندھے، سر جھکائے، تخت پر ایک طرف بیٹھا ہے۔ خلیفہ نے امام صاحب کو بتایا کہ: ''یہ میرا بچہ ہے۔'' امام صاحب نے فوراً فرمایا: ''یہ بچہ ہے یا کوئی بوڑھا؟'' امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ بچے کو تو چلبلا ہونا چاہیے۔ اتنی سنجیدگی اور متانت بڑھاپے میں تو آ سکتی ہے، مگر بچپن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ خلیفہ نے امام صاحب سے صرف اس لئے مہلت مانگی تھی کہ وہ بچے کو اچھی طرح اس بات کے لئے تیار کر سکے کہ امام صاحب جب دربار میں آئیں تو بچہ نہایت ادب سے خاموشی کے ساتھ بیٹھا رہے۔

امام صاحب نے ایک جملے ہی میں اس بات کی وضاحت فرما دی کہ خاموش اور سنجیدہ بیٹھے رہنا، بڑھاپے کی علامت ہے۔ بچے کی فطرت میں تو شوخی موجود ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ شوخی (چلبلا پن)، شرارت، اچھل کود، بھاگ دوڑ، شور و شغب، توڑ پھوڑ اور اٹھک بیٹھک بچپن کے خواص اور ذہانت و زندگی کی علامتیں ہیں۔ ان صفات سے محرومی، بچے کی بیماری یا بدھو پن کی دلیل ہے۔ جو بچہ جتنا ذہین و زیرک ہوگا، وہ اتنا ہی شوخ ہوگا۔ جو لوگ بچوں کو کھیل سے محروم رکھتے ہیں، وہ بچے کی فطرت سے جنگ کرتے ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے نباض و فطرت شناس نے بھی بچوں کی کھیل کی آزادی دی ہے۔

عید کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس دو لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی آرام فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں سیدنا

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپہنچے۔ یہ منظر دیکھا تو غصے میں ڈانٹ کر فرمایا: "مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کیا شیطانی ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاموش کرتے ہوئے فرمایا: "دَعْهُمَا، وفي رواية دَعْهُمَا" "ان کو چھوڑ دو، انہیں گانے دو۔"[1]

کھیل کیوں کھیلا جاتا ہے؟ اس سلسلے میں ماہرین نفسیات نے مختلف توجیہات اور نقطہ ہائے نظر پیش کیے ہیں۔ اگرچہ ان سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا، مگر اصولی طور پر ان سے انکار بھی ناممکن ہے۔ ان توجیہات کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ بچوں کی مناسب نشوونما کے لئے کھیل کی افادیت مزید واضح ہوسکے۔

- ہر بچے میں اپنے قد اور ضرورت کے لحاظ سے توانائی کا فاضل ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ کھیل کے ذریعے اس فاضل توانائی کا اخراج ہوتا رہتا ہے۔ اگر اس فاضل توانائی کو خارج کرنے کے لئے بچے کو مواقع نہ ملیں تو یہ فاضل توانائی بچے کے جسم کو نقصان پہنچا سکتی ہے، جیسا کہ فالتو بھاپ انجن کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔
- کھیل، بچہ کو مستقبل میں بالغ زندگی کی ذمے داریوں کو پورا کرنے کی مشق فراہم کرتا ہے۔ بچیاں، گڑیوں کے کھیل سے امور خانہ داری کی انجام دہی کا سلیقہ سیکھتی ہیں اور بچے، مختلف کھیلوں سے مختلف ذمے داریوں کو ادا کرنے کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

وضاحت: گڑیاں ایسی نہ ہوں کہ جو بچیوں کو بے حیائی کی طرف لے جائیں اور ان کے چہرے کے نقوش ختم کردیں۔

- بچے کی اپنی کچھ الجھنیں اور پریشانیاں ہوتی ہیں۔ اس کے بہت سے جبلی

---

[1] بخاری، باب الحراب والدرق یوم العید: ج ۱ص ۱۳۰

تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔ جس کی بنا پر وہ کلفت و اضطراب محسوس کرتا ہے۔ کھیل کود کے ذریعے بچے کے مجروح جذبات کی تسکین ہوتی ہے اور اس کو ذہنی کلفتوں سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔

❊ نشوونما کے مختلف مراحل پر بچے کا ذہن اور جسم مختلف تقاضے کرتے ہیں۔ کھیل کود سے ان تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

❊ بچے میں رشک و رقابت اور مقابلہ و مسابقت کے جذبات ودیعت ہیں۔ کھیل سے ان جذبات کی بھرپور تسکین ہو جاتی ہے۔ دیگر صورت میں یہ جذبات غلط رخ اختیار کر کے بری عادتوں کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔

❊ انسان ترقی کر کے جس مقام پر پہنچ سکا ہے، اس کے لئے اسے مختلف مراحل و تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔ مٹی کے برتن بنانا، لکڑی کے تیر کمان بنانا، بھاگنا دوڑنا، پیڑ پر چڑھنا، جنگل میں گھومنا پھرنا، شکار کرنا، گھر گھروندے بنانا وغیرہ نہ صرف ماضی کی یادیں ہیں، بلکہ انسان کے ابتدائی تجربات اور ارتقائی مراحل ہیں۔ بچہ کھیل کے ذریعے انہیں تجربات و مراحل سے گزر کر اپنی شخصیت کو سنوارتا ہے۔

❊ بچے میں بہت سی تخلیقی صلاحیتیں فطری طور پر موجود ہوتی ہیں۔ انہیں تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار اور ان کو پروان چڑھانے کے لئے بچہ متنوع قسم کے کھیل کھیلتا ہے۔

مذکورہ توجیہات سے پوری گنجائش کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ بقدر ضرورت، جائز کھیل بچے کے لئے اسی طرح ضروری ہے، جس طرح غذا اور پانی۔ کھیل سے کیا کیا فائدے ہیں؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل وضاحت سے لگا سکتے ہیں۔

جسمانی صحت کے لئے کھیل بہت مفید ہے۔ کھیل سے جسمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بدن چست اور پھرتیلا رہتا ہے، کودنے پھاندنے، چڑھنے اترنے،

گرنے سنبھلنے اور دوڑنے اچھلنے سے اعضا کھلتے ہیں، ان میں توازن و تناسب پیدا ہوتا ہے، دورانِ خون، عمل انہضام درست رہتا ہے، فضلہ اور زہریلا مادہ پسینے کی شکل میں اچھی طرح خارج ہوتا رہتا ہے، اعصاب و عضلات مضبوط اور کشادہ ہوتے ہیں، بیماریوں کے مقابلے کے لئے قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ کھلاڑی بچوں کی جسمانی نشوونما ان بچوں کے مقابلے میں بہت بہتر ہوتی ہے، جنہیں کھیل کے مواقع میسر نہیں آتے۔

ذہنی فائدے

کھیل سے ذہنی نشوونما میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ صحت مند دل و دماغ، صحت مند جسم ہی میں پروان چڑھ سکتا ہے۔ بیمار اور مریل جسم میں صحت مند دل و دماغ کا تصور کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کھیل جسمانی صحت پر اچھے اثرات ڈالتا ہے تو ذہنی صلاحیتوں پر بھی اچھے اثرات مرتب کرتا ہے۔ چیزوں کو توڑنے، جوڑنے اور بنانے بگاڑنے سے بچوں کو نئے نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں، ان کے اندر ایجاد و اختراع کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ مختلف کھیلوں میں بچے کو مختلف حالات اور قسم قسم کے ہم عمروں اور ساتھیوں سے سابقہ پڑتا ہے، ان سب سے نبرد آزما ہونے کے لئے بچوں میں بروقت فیصلہ اور اقدام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کھیل کے دوران ان کو مختلف معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں سے جب وہ تبادلہ خیال کرتے ہیں تو ان کے ذہن کی گرہیں کھلتی ہیں اور گفتگو کا سلیقہ آتا ہے۔

کھیل کے دوران اپنی جیت پر توجہ مرکوز کیئے رہنے سے ان میں توجہ و انہماک اور کسی بلند مقصد کے لئے اپنی قوتوں کو مرکوز کر دینے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے بچوں کے جبلی تقاضے گھریلو زندگی میں پورے نہیں ہو پاتے۔ جس کی وجہ

سے ان کے ذہن پر ایک دباؤ سا رہتا ہے۔ کھیل کے ذریعے ذہنی دباؤ اور الجھن دور ہو جاتی ہے اور نہیں فرحت و انبساط محسوس ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ نئے بچوں، نئے طور و طریقوں اور نئے نئے خیالات سے فیض یاب ہو کر بچہ ذہنی بلوغ کی شاہراہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔

جذباتی فائدے

جسمانی و ذہنی فوائد کے ساتھ کھیل سے بہت سے جذباتی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ بچوں کے جذبات کو تعمیری رخ نصیب ہوتا ہے، ان کے جبلی تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے، ان کے جذبات غلط سمت اختیار نہیں کر پاتے۔ کھیل سے ان کی جذباتی زندگی میں توازن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ بگڑا ہوا اکلوتا بچہ جب کھیل کے میدان میں داخل ہوتا ہے تو اسے جلد ہی یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں دوسرے بچوں کی خواہشیں اور مطالبے بھی اتنے ہی اہم ہیں، جتنے اہم اس کے مطالبات ہیں اور اگر وہ گھر کی طرح غصہ ...... ضد ...... بدمزاجی ...... اور چڑچڑے پن ...... سے کام لے گا تو کوئی بھی اسے اپنے ساتھ نہیں کھیلنے دے گا۔ چنانچہ اسے جلد ہی اپنے نرالے انداز کو ترک کر کے باہمی تعاون کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔

بعض گھرانوں کا خشک، اکتا دینے والا ماحول بچوں کی جذباتی تربیت پر جو غلط اثر ڈال سکتا ہے، اس کی تلافی بھی کھیل کے ذریعے بہ آسانی ہو سکتی ہے۔ کھیل کے خوش آئندہ پہلو، بچوں میں افسردہ دلی و احساس کمتری کو جڑ نہیں پکڑنے دیتے بلکہ خوش مزاجی و خود اعتمادی کا سبب بنتے ہیں۔[1]

بچوں کی تربیت دینے کا انداز

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت علی

[1] بچوں کی تربیت کیسے کریں: ص ۱۳۷ تا ۱۴۲

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صاحبزادے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کہ ابھی بچے ہی تھے، ایک مرتبہ صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فوراً فرمایا: "کخ کخ." (عربی میں یہ لفظ ایسا ہے، جیسے ہماری زبان میں "تھوتھو" کہتے ہیں۔ یعنی اگر بچہ کوئی چیز منہ میں ڈال دے، یعنی اس کی (برائی) کے اظہار کے ساتھ وہ چیز اس کے منہ سے نکلوانا مقصود ہو تو یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کخ کخ" یعنی اس کو منہ سے نکال کر پھینک دو۔) "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم یعنی بنو ہاشم صدقے کا مال نہیں کھاتے۔"[1]

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور ایسے محبوب نواسے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، اس وقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوگئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور آگے بڑھ کر ان کو گود میں اٹھا لیا۔[2]

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے کندھے پر سوار ہوگئے اور جب آپ سجدے میں جانے لگے تو آپ نے ان کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر نیچے اتار دیا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ان کو گود میں لیتے اور فرماتے:

﴿مَبْخَلَةٌ وَمَجْبَنَةٌ﴾[3]

ترجمہ: "یہ اولاد ایسی ہے کہ انسان کو بخیل بھی بنا دیتی ہے اور بزدل بھی بنا دیتی ہے۔"

---

[1] جامع الاصول: ج ۴ ص ۶۵۷، رقم: ۲۷۳۸

[2] مشکوٰۃ مناقب اہل البیت: ج ۲ ص ۵۷۱

[3] ابن ماجہ: ص ۲۶۹

ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنی محبت ہے، دوسری طرف جب انہوں نے نادانی میں ایک کھجور بھی منہ میں رکھ لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ وہ اس کھجور کو کھا جائیں۔ مگر چونکہ ان کو پہلے سے اس چیز کی تربیت دینی تھی، اس لئے فوراً وہ کھجور منہ سے نکلوائی اور فرمایا کہ یہ ہمارے کھانے کی چیز نہیں ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بچے کی تربیت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی سے اس کا ذہن بنتا ہے اور اسی سے اس کی زندگی بنتی ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آج کل یہ عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ ماں باپ کے اندر بچوں کو غلط باتوں پر ٹوکنے کا رواج ہی ختم ہوگیا ہے، آج سے پہلے بھی ماں باپ بچوں سے محبت کرتے تھے، لیکن وہ عقل اور تدبیر کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ آج کل یہ محبت اور لاڈ اس درجے تک پہنچ چکا ہے کہ بچے کتنے ہی غلط کام کرتے رہیں، غلط حرکتیں کرتے رہیں، لیکن ماں باپ ان غلطیوں پر ٹوکتے ہی نہیں، ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نادان بچے ہیں، ان کو ہر قسم کی چھوٹ ہے، ان کی روک ٹوک کرنے کی ضرورت نہیں۔ ارے بھائی! یہ سوچو کہ اگر وہ بچے نادان ہیں، مگر ہم (ماں باپ) تو نادان نہیں ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی تربیت کریں، اگر کوئی بچہ ادب، تمیز یا شریعت کے خلاف کوئی غلط کام کر رہا ہے تو اس کو بتانا ماں باپ کے ذمے فرض ہے، اس لئے کہ وہ بچہ اسی طرح بدتہذیب بن کر بڑا ہوگیا تو اس کا وبال والدین پر ہے کہ انہوں نے اس کو ابتداء سے اس کی عادت نہیں ڈالی۔ بہر حال! اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں کو بھی نگاہ میں رکھیں۔ [۱]

---

[۱] اصلاحی خطبات مفتی محمد تقی عثمانی: ج ۴ ص ۳۹، ۴۰

کھانا کھانے کا ایک ادب

حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو ام المؤمنین ہیں، ان کے پہلے شوہر سے یہ صاحب زادے پیدا ہوئے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو یہ ان کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے، اس لئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب یعنی سوتیلے بیٹے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت وشفقت فرمایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ بڑی بے تکلفی کی باتیں کیا کرتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں چھوٹا بچہ تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش تھے، ایک روز کھانا کھاتے ہوئے میرا ہاتھ پیالے میں ادھر ادھر حرکت کر رہا تھا یعنی کبھی ایک طرف سے لقمہ اٹھایا، کبھی دوسری طرف سے اور کبھی تیسری طرف سے لقمہ اٹھالیا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے لڑکے! کھانا کھاتے وقت "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، وہاں سے کھاؤ، ادھر ادھر سے ہاتھ بڑھا کر کھانا ٹھیک نہیں ہے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دیکھ کر اس پر تنبیہ فرماتے اور صحیح ادب سکھاتے۔

ایک اور صحابی حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کھانا سامنے آیا تو میں نے یہ حرکت شروع کی کہ ایک نوالہ ادھر سے لیا اور دوسرا نوالہ ادھر سے لے لیا

[1] جامع الاصول: ج ۷ ص ۳۸۸، رقم: ۵۴۳۵

اور اس طرح برتن کے مختلف حصوں سے کھانا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے عکراش! "كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَّاحِدٍ فَإِنَّهٗ طَعَامٌ وَّاحِدٌ" "ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے کہ کھانا ایک جیسا ہے"۔ ادھر اُدھر سے کھانے سے بدتہذیبی بھی معلوم ہوتی ہے اور بے ادبی بھی ظاہر ہوتی ہے، اس لئے ایک جگہ سے کھاؤ۔ حضرت عکراش فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ سے کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک بڑا تھال لایا گیا، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں بکھری ہوئی تھیں۔ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا ہوا چھاچھ کو بھی پھونک کر پیتا ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فرما چکے تھے کہ ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے میں نے وہ کھجوریں ایک جگہ سے کھانی شروع کر دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایک طرف سے کھجور اٹھاتے، کبھی دوسری طرف سے اٹھاتے اور مجھے جب ایک طرف سے کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اے عکراش! "كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَإِنَّهٗ غَيْرُ لَوْنٍ وَّاحِدٍ" "تم جہاں سے چاہو کھاؤ، اس لئے کہ یہ مختلف قسم کی کھجوریں ہیں۔" اب اگر ایک طرف سے کھاتے رہے، پھر دل تمہارا دوسری قسم کی کھجور کھانے کو چاہ رہا ہے تو ہاتھ بڑھا کر وہاں سے کھجور اٹھا کر کھالو۔[1]

گویا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھایا کہ اگر ایک ہی قسم کی چیز ہے تو پھر صرف اپنی طرف سے کھاؤ اور اگر مختلف قسم کی چیزیں ہیں تو دوسری اطراف سے بھی کھا سکتے ہو۔ اپنی اولاد اور اپنے صحابہ کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تھی۔ یہ سارے آداب خود بھی سیکھنے کے ہیں اور اپنے گھر والوں کو بھی سکھانے کے ہیں، یہ اسلامی آداب ہیں، جن سے اسلامی معاشرہ ممتاز ہوا ہے۔

---

[1] مشکوۃ، کتاب الاطعمۃ: ج۲ص ۳۶۷

سات سال سے پہلے تعلیم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، یعنی سات سال کی عمر سے تاکید کرنا شروع کر دو اور جب دس سال کی عمر ہو جائے اور پھر بھی نماز نہ پڑھے تو اس کو نماز نہ پڑھنے پر مارو اور دس سال کی عمر میں بچوں کے بستر الگ الگ کر دو، ایک بستر میں دو بچوں کو نہ سلاؤ۔[1]

اس حدیث میں پہلا حکم یہ دیا کہ سات سال کی عمر سے نماز کی تاکید شروع کر دو، اس سے معلوم ہوا کہ سات سال سے پہلے اس کو کسی چیز کا مکلّف کرنا مناسب نہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تک بچے کی عمر سات سال تک نہ پہنچ جائے، اس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے، جیسے کہ بعض لوگ سات سال سے پہلے روزہ رکھوانے کی فکر شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت تھانوی اس کو پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں تو سات سال سے پہلے نماز پڑھانے کو نہیں کہہ رہے ہیں، مگر تم سات سال سے پہلے اس کو روزہ رکھوانے کی فکر میں ہو، یہ ٹھیک نہیں۔ اسی طرح سات سال سے پہلے نماز کی تاکید کی کوشش بھی درست نہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ سات سال سے کم عمر کے بچے کو مسجد میں لانا ٹھیک نہیں۔ البتہ کبھی کبھار بچے کو تھوڑا تھوڑا مانوس کرنے کے لئے مسجد میں لا سکتے ہیں، لیکن اسی شرط پر کہ مسجد کو گندگی وغیرہ سے ملوث نہیں کرے گا، لیکن سات سال سے پہلے اس پر باقاعدہ بوجھ ڈالنا درست نہیں۔

بلکہ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ سات سال سے پہلے تعلیم کا بوجھ ڈالنا بھی

---

[1] جامع الاصول: ج ۵ ص ۸۷، رقم: ۳۲۳۳

مناسب نہیں۔ سات سال سے پہلے کھیل کود کے اندر اس کو پڑھا دو، لیکن باقاعدہ اس پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا، اور باقاعدہ اس کو طالب علم بنا دینا ٹھیک نہیں۔ آج کل ہمارے یہاں یہ وبا ہے کہ بچہ بس تین سال کا ہوا تو اس کو پڑھانے کی فکر شروع ہوگئی، یہ غلط ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب وہ تین سال کا ہوجائے تو اس کو گھر کی تعلیم دے دو۔ اس کو اللہ ورسول کا کلمہ سکھادو، اس کو کچھ دین کی باتیں سمجھا دو اور یہ کام گھر میں رکھ کر جتنا کر سکتے ہو، کرلو۔ باقی اس کو مکلف کرکے باقاعدہ ایسی نرسری اور کنڈر گارڈن میں بھیجنا، جو اس پر کتابوں کا...... ٹیوشن کا...... اور رات دیر تک ہوم ورک کرنے کا ...... بوجھ لاد دے، یونیفارم کی پابندی کرادے اور اسے ضابطے کا طالب علم بنادے، اچھا نہیں۔

بچوں کو مارنے کی حد

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ استاد کے لئے یا ماں باپ کے لئے بچے کو اس حد تک مارنا جائز ہے جس سے بچے کے جسم پر مار کا نشان نہ پڑے۔ آج کل یہ جو بے تحاشہ مارنے کی ریت، رواج ہے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں اور بعض اوقات اس مار پٹائی میں خون نکل آتا ہے، زخم ہوجاتا ہے یا نشان پڑ جاتا ہے، یہ عمل اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گناہ کی معافی کی کیا شکل ہوگی؟ اس لئے کہ اس گناہ کی معافی کس سے مانگے؟ اگر بچے سے مانگے تو وہ نابالغ بچہ معاف کرنے کا اہل نہیں ہے، اس لئے کہ اگر نابالغ بچہ معاف بھی کردے تو شرعاً اس کی معافی کا اعتبار نہیں، یہ اتنا خطرناک گناہ ہے۔ اس لئے استاد اور ماں باپ کو چاہئے کہ وہ بچے کو اس طرح نہ ماریں کہ اس سے زخم ہوجائے یا نشان پڑجائے، البتہ ضرورت کے تحت جہاں مارنا ناگزیر ہوجائے، صرف اس وقت بامجبوری اور بقدر ضرورت مارنے کی اجازت دی گئی

ہے۔

اس کے لئے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نسخہ بتایا ہے اور ایسا نسخہ وہی بتا سکتے تھے، یاد رکھنے کا ہے۔

فرماتے تھے کہ جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو جس وقت غصہ آرہا ہو، اس وقت نہ مارو، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے مارلو، اس لئے کہ اگر طبعی غصہ کے وقت مارو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے، اور چونکہ ضرورۃً مارنا ہے، اس لئے مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر مارلو تا کہ اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے اور حد سے گزرنا بھی نہ پڑے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا کہ طبعی غصے کے وقت نہ کسی کو مارا اور نہ ڈانٹا، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تو اس کو بلا کر مصنوعی قسم کا غصہ پیدا کر کے وہ مقصد حاصل کر لیتا تا کہ حدود سے تجاوز نہ ہو جائے، کیونکہ غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں انسان اکثر و بیشتر حد پر قائم نہیں رہتا۔

بچوں کو تربیت دینے کا طریقہ

اسی لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اصول بیان کرتے تھے، جو اگرچہ کلی اصول تو نہیں ہے، اس لئے کہ حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر اس اصول پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت کوئی شخص غلط کام کر رہا ہو، ٹھیک اس وقت میں اس کو سزا دینا مناسب نہیں ہوتا، بلکہ وقت پر ٹوکنے سے بعض اوقات نقصان ہوتا ہے، اس لئے بعد میں اس کو سمجھا دو یا سزا دینی ہو تو سزا دے دو، دوسرے یہ کہ ہر ہر کام پر بار بار ٹوکتے رہنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا، بلکہ ایک مرتبہ بٹھا کر سمجھا دو کہ فلاں وقت تم نے یہ غلط کام کیا، فلاں وقت یہ غلط کیا اور پھر ایک مرتبہ جو سزا دینی

ہے، دے دو۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ ہر انسان کی جبلت میں داخل ہے اور یہ ایسا جذبہ ہے کہ جب ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو بعض اوقات انسان اس میں بے قابو ہو جاتا ہے اور پھر حدود پر قائم رہنا ممکن نہیں رہتا، اس لئے اس کا بہترین علاج وہی ہے جو ہمارے حضرت تھانوی (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) نے فرمایا تھا۔ [1]

بچے کو کیا کہہ کر پکارا جائے؟

بچوں کو یا تو ان کے پورے نام سے یا پھر بیٹا کہہ کر پیار و محبت سے پکارنا چاہیئے یا ان جیسے اور پیارے انداز سے پکاریں کہ بچہ اس پکار کے لئے بے تاب رہے اور یہ پکار سنتے ہی وہ آپ کا ہر حکم بجالانے کے لئے تیار ہو۔ مثلاً کبھی پیارے بیٹے کہہ کر خطاب کیا تو کبھی جان پدر کہہ کر، کبھی نور چشم کہہ کر تو کبھی فرزند کہہ کر۔

اس طرح پکارنے میں جو محبت و شفقت ہے اور اس کے سننے میں جو لطف ہے، وہ دنیا کے کسی اور لفظ میں حتی کہ اصلی نام پکارنے میں بھی نہیں۔ اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب دنیا میں اس طرح پکارنے والا کوئی نہ رہے تو ان الفاظ کو سننے کے لئے ترستے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح پکارنے میں اور اس کے بعد کی نصیحت میں جو اثر ہے، وہ کسی اور طرح خطاب کرنے میں نہیں۔ یہ پکار سنتے ہی بچے کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور ہر نصیحت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید پر نظر ڈالیئے تو یہی نظر آتا ہے کہ جن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یا اولیاء نے اپنی اولاد کو نصیحت کی تو لفظ "یٰبُنَیَّ" استعمال فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کی جو اپنی اولاد کو نصیحت موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

[1] ماخوذ از اصلاحی خطبات: ج ۴ ص ۱۸

مُسْلِمُوْنَ﴾ [۱]

ترجمہ: ”اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے اس دین یعنی اسلام کو پسند فرمالیا ہے، خبردار تم مسلمان ہی مرنا۔“

حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو پکار کر فرمایا:

﴿یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ [۲]

ترجمہ: ”اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو۔“ [۳]

یہ نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا، جس کا لقب کنعان اور نام یام تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹوں کو وصیت کی:

﴿یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ [۴]

ترجمہ: ”اے بیٹو! تم سب شہر کے ایک دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا۔“ [۵]

حضرت لقمان علیہ السلام نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [۶]

---

[۱] سورۂ بقرہ آیت ۱۳۲

[۲] سورۂ ہود آیت ۴۲

[۳] کشف الرحمٰن : ۲/۳۵۷

[۴] سورۂ یوسف آیت ۶۷

[۵] کشف الرحمٰن : ۲/۴۱۶

[۶] سورۂ لقمان آیت ۱۳

ترجمہ: ''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیو۔ بلاشبہ شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، جس سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [1]

ترجمہ: ''اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم رکھنا اور اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے، صبر کرنا۔ یقین مان! یہ کام بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

ان تمام مقامات پر ذرا غور کیجیے، اولاد کو صرف ابن (بیٹا) کہہ کر ہی مخاطب نہیں کیا بلکہ ''بُنَیّ'' کا لفظ استعمال فرمایا، جو تصغیر (چھوٹا پن) کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس میں زیادہ شفقت و محبت ہے۔ اسی محبت و شفقت کا اثر ہے کہ وہ نصیحت جو باپ کی زبان سے نکلی، بیٹے کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اولاد نے اسے اپنی گھٹی میں باندھ لیا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کے ایک وعظ ''اولاد کی تربیت'' سے ہم چند چیزیں نقل کرتے ہیں۔

لفظ ''بیٹا'' ایک شفقت بھرا خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے وعظ ''اولاد کی

---

[1] سورۂ لقمان آیت: ۱۷

تربیت" میں فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ اتنے بڑے عالم اور فقیہ تھے، ہم نے تو ان کو اس وقت دیکھا تھا، جب پاکستان میں تو کیا، ساری دنیا میں علم و فضل کے اعتبار سے ان کا ثانی نہیں تھا۔ ساری دنیا میں ان کے علم و فضل کا لوہا مانا جاتا تھا، کوئی ان کو "شیخ الاسلام" کہہ کر مخاطب کرتا، کوئی ان کو "علامہ" کہہ کر مخاطب کرتا، بڑے تعظیمی القاب ان کے لئے استعمال کیئے جاتے تھے، کبھی کبھی وہ ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، اس وقت ہماری دادی بقید حیات تھیں، ہماری دادی صاحبہ رشتے میں حضرت علامہ کی ممانی لگتی تھیں، اور اس لئے وہ ان کو "بیٹا کہہ کر پکارتی تھیں، اور ان کو دعا دیتی تھیں کہ "بیٹا جیتے رہو"۔ جب ہم ان کے منہ سے یہ الفاظ اتنے بڑے علامہ کے لئے سنتے، جنہیں دنیا "شیخ الاسلام" کے لقب سے پکار رہی تھی تو اس وقت ہمیں بڑا عجیب سا لگتا تھا، لیکن علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت مفتی صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کے گھر میں دو مقصد سے آتا ہوں۔

ایک یہ کہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات، دوسرے یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مجھے "بیٹا" کہنے والا سوائے ان خاتون کے کوئی اور نہیں ہے، صرف یہ خاتون مجھے بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں، اس لئے میں بیٹا کا لفظ سننے کے لئے آتا ہوں، اس کے سننے میں جو لطف اور پیار محسوس ہوتا ہے، وہ مجھے کوئی اور لقب سننے میں محسوس نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدر اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کہنے والے کے جذبے سے آشنا ہو، وہ اس کو جانتا ہے کہ مجھے یہ جو "بیٹا" کہہ کر پکارا جارہا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے، جب انسان یہ لفظ سننے کو ترس جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ "یاأیها

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کا خطاب کر کے اس رشتے کا حوالہ دیتے ہیں، جو ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ماں باپ اپنے بیٹے کو "بیٹا" کہہ کر پکارے، اور اس لفظ کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے جو بات باپ کہہ رہا ہے، وہ شفقت، محبت اور خیر خواہی سے بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ ان الفاظ سے مسلمانوں کو خطاب فرما رہے ہیں۔ انہی جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ.﴾[1]

ترجمہ: "اے ایمان والوں! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ وہ آگ کیسی ہے؟ آگے اس آگ کی صفت بیان فرمائی کہ اس آگ کا ایندھن، لکڑیاں اور کوئلے نہیں ہے، بلکہ اس آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اور اس آگ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے غلیظ (سخت) اور تند خو ہیں، سخت مزاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو جس بات کا حکم دیتے ہیں، وہ اس حکم کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔"

ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوئی کہ بس اپنے کو آگ سے بچا کر بیٹھ جاؤ، اور اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ بس میرا کام

[1] سورۂ تحریم آیت ۶

ہو گیا، بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچانا ضروری ہے۔ آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دین دار ہے، نمازوں کا اہتمام ہے، صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوۃ ادا کر رہا ہے، اللہ کے راستے میں مال خرچ کر رہا ہے، اور جتنے اوامر ونواہی ہیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن اس کے گھر کو دیکھو، اس کی اولاد کو دیکھو، بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ کہیں جا رہا ہے، وہ کہیں جا رہے ہیں، اس کا رخ مشرق کی طرف ہے، ان کا رخ مغرب کی طرف ہے، ان میں نماز کی فکر ہے، نہ فرائض دینیہ کو بجالانے کا احساس ہے، اور نہ ہی گناہوں کو گناہ سمجھنے کی فکر ہے، بس گناہوں کے سیلاب میں بیوی بچے بہہ رہے ہیں، اور یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہوتا ہوں، اور باجماعت نماز ادا کرتا ہوں، خوب سمجھ لیں۔ جب اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کی فکر نہ ہو، خود انسان کی اپنی نجات نہیں ہو سکتی، انسان یہ کہہ کر جان نہیں بچا سکتا کہ میں تو خود اپنے عمل کا مالک تھا، اگر اولاد دوسری طرف جا رہی تھی تو میں کیا کرتا، اس لئے کہ ان کو بچانا بھی تمہارے فرائض میں شامل تھا، جب تم نے اس میں کوتاہی کی تو اب آخرت میں تم سے مؤاخذہ ہوگا۔

اگر اولاد نہ مانے تو!

اس آیت میں قرآن کریم نے فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، درحقیقت اس میں ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا، جو شبہ عام طور پر ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ شبہ یہ ہے کہ آج جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی اولاد کو بھی دین کی تعلیم دو، حافظ قرآن بناؤ، عالم دین بناؤ، کچھ دین کی باتیں ان کو بھی سکھاؤ، ان کو دین کی طرف لاؤ، گناہوں سے بچانے کی فکر کرو، تو اس کے جواب میں عام طور پر بکثرت لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولاد کو دین کی طرف

لانے کی بڑی کوشش کی، مگر کیا کریں کہ ماحول اور معاشرہ اتنا خراب ہے کہ بیوی بچوں کو بہت سمجھایا، مگر وہ مانتے نہیں ہیں اور زمانے کی خرابی سے متاثر ہوکر انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کرلیا ہے، اور اس راستے پر جارہے ہیں۔ اور راستہ بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں، اب ان کا عمل ان کے ساتھ ہے ہمارا عمل ہمارے ساتھ ہے، اب ہم کیا کریں۔

دنیاوی آگ سے کس طرح بچاتے ہو؟

چنانچہ قرآن کریم نے اس آیت میں "نار" یعنی "آگ" کا لفظ استعمال کرکے اس اشکال اور شبہ کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ بات ویسے اصولی طور پر تو ٹھیک ہے کہ اگر ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کرلی ہے تو ان شاء اللہ ماں باپ بری الذمہ ہوجائیں گے اور اولاد کے کیئے کا وبال اولاد ہی پر پڑے گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی کوشش کس حد تک کی ہے؟ اور کس درجے تک کی ہے؟

قرآن کریم نے "آگ" کا لفظ استعمال کرکے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ماں باپ کو اپنی اولاد کو گناہوں سے اس طرح بچانا چاہیئے، جس طرح ان کو آگ سے بچاتے ہیں۔

فرض کریں کہ ایک بہت بڑی خطرناک آگ سلگ رہی ہے، جس آگ کے بارے میں یقین ہے کہ اگر کوئی شخص اس آگ کے اندر داخل ہوگیا تو زندہ نہیں بچے گا، اب آپ کا نادان بچہ اس آگ کو خوش منظر اور خوبصورت سمجھ کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اب بتاؤ تم اس وقت کیا کروگے؟

کیا تم اس پر اکتفاء کروگے کہ دور سے بیٹھ کر بچے کو نصیحت کرنا شروع کردو کہ بیٹا! اس آگ میں مت جانا۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہوتی ہے۔ اگر جاؤگے تو جل جاؤ

گے اور مر جاؤ گے۔ کیا کوئی ماں باپ صرف زبانی نصیحت پر اکتفاء کریں گے؟ اور اس نصیحت کے باوجود اگر بچہ اس آگ میں چلا جائے تو کیا وہ ماں باپ یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جائیں گے کہ ہم نے تو اس کو سمجھا دیا تھا، اپنا فرض ادا کر دیا تھا، اس نے نہیں مانا اور خود ہی اپنی مرضی سے آگ میں کود گیا تو کیا کروں؟ دنیا میں کوئی ماں باپ ایسا نہیں کریں گے اگر وہ اس بچے کے حقیقی ماں باپ ہیں۔ تو اس بچے کو بچانے کے لئے زبانی جمع خرچ کو کافی کیوں سمجھتے ہو؟ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم نے انہیں سمجھا کر اپنا فرض ادا کر لیا، یہ بات آسانی سے کہنے کی نہیں ہے۔[1]

اللہ کے واسطے جابر و حاکم باپ نہ بنیئے......

باپ کی مثال بچے کے لئے ٹھنڈی چھاؤں کی ہے۔ اولاد کو اگر کسی پر مکمل اعتماد ہے تو وہ باپ ہی ہے۔ اولاد اگر مخلوق میں کسی کو قوی اور طاقتور سمجھتی ہے تو وہ باپ کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غریب سے غریب اور کمزور سے کمزور آدمی کا بچہ بھی جب کسی بچے سے لڑتا ہے اور خود کو کمزور محسوس کرتا ہے یا کسی کو اپنے اوپر ظلم کرتا ہوا دیکھتا ہے تو کہتا ہے: ''میں اپنے ابو سے کہہ دوں گا''۔ اسی طرح بچہ سب سے مالدار اپنے ہی باپ کو سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر پسندیدہ چیز کے لئے ضد کرتا ہے، وہ باپ کی مجبوریوں کو نہیں جانتا۔

برائے مہربانی ان پھول جیسے بچوں کی معصوم خواہشات کو اپنی سخت مزاجی اور بداخلاقی سے پامال نہ کیجیے کہ گھر میں داخل ہوتے ہی چیخنا چلانا شروع کر دیں اور جو معصوم بچے آس لگائے بیٹھے تھے کہ ابو آئیں گے تو ہمارے لئے کوئی کھانے کی چیز لائیں گے...... ہمیں کہیں گھمانے لے کر جائیں گے...... وغیرہ ان کی امیدوں پر آپ پانی پھیر دیں اور وہ بیچارے خوف کے مارے خاموشی سے ایک کونے میں جا

[1] اصلاحی خطبات: ج ۴ ص ۲۵ تا ۲۸

چھپیں۔ اسی طرح اگر بچے کی کسی غلطی پر آپ یوں کہیں کہ اگر اب کے تم نے یوں کیا تو......؟ یا کتنی بار سمجھایا ہے تجھے مگر تو......؟

تو یہ بچہ آپ کو بجائے مصلح اور مشفق سمجھنے کے ظالم سمجھے گا اور اگر آپ کا رویہ مستقل اسی طرح رہا تو آئندہ اس کے بہت ہی بھیانک نتائج برآمد ہوں گے۔ کئی ایسے واقعات ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں کہ اولاد اس ظالمانہ رویہ کی وجہ سے باپ سے باغی ہوگئی اور دل میں باپ کے لئے اس قدر نفرت رکھتی ہے کہ ان کا بس چلے تو باپ کو قاضی کے سامنے عدالت میں پیش کریں۔

نواز پانچ سال کا ایک بہت ہی پیارا بچہ تھا۔ اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کا باپ اسے پیار کرے، اس سے محبت اور شفقت سے بات کرے، اسے اپنے ساتھ گھمانے لے جائے، اس کی پسند کی چیزیں دلائے، جس طرح دوسرے بچوں کو ان کے ابو دلاتے ہیں، مگر بدقسمتی سے اس کا باپ بہت ہی سخت گیر اور بداخلاق واقع ہوا تھا۔ کام سے واپس گھر آتے ہی اگر نواز ابو ابو کہہ کر قریب جاتا تو باپ فوراً جھٹک دیتا۔ دور رہو، کیا چپکے چلے جا رہے ہو، ایک تو کام کی تھکن اوپر سے تم ہو کہ چپکے چلے جا رہے ہو۔ نواز بے چارہ چپکے سے دور ہٹ جاتا، کبھی وہ قریب چلا گیا تو فوراً جھڑکی سنائی، ہاتھ دور رکھو، میرے کپڑے خراب کردو گے۔ اس معصوم بچے کو کسی کام کا کہہ دیا، اس میں معمولی کوتاہی پر اس قدر چیختا کہ پورے گھر میں ایک ہنگامہ مچ جاتا، اوپر سے ظلم یہ کہ اس کے کان اس قدر کھینچتا کہ سرخ ہو جاتے۔

زندگی کے دن گزرتے گئے، نواز بڑا ہوتا گیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نواز کے دل میں باپ کی نفرت بھی بڑھتی گئی۔ آج نواز چھبیس سال کا نوجوان ہے، لیکن باپ کے لئے اس کے دل میں محبت کی کوئی رمق نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر اللہ رب العزت کا خوف اور دنیا کی رسوائی کا ڈر نہ ہوتا تو میں وہ کچھ جہالت کے کام کر لیتا، جو انسانی وہم و گمان میں بھی نہیں آتا۔ اس لئے اللہ کے واسطے بچوں کے ساتھ نرمی و

شفقت اور محبت بھرے رعب کا مظاہرہ کیجیے۔

اگر آپ گھر میں داخل ہوں اور بچوں یا اہلیہ کی کسی بات پر غصہ آئے تو صبر کیجیے اور غصہ ختم ہونے کے بعد نرمی سے سمجھائیے، آپ کا یہ تھوڑا سا صبر آپ کے بچوں کو کئی گنا شاکر بنادے گا۔

جب بھی دفتر یا دکان سے گھر آئیں تو بچوں کے لئے ضرور کوئی چیز لائیں اور پیار و محبت سے انہیں کھلائیں یا تقسیم کریں، ان سے خوب پیار و محبت کا اظہار کریں کہ بچے آپ کے آنے کا انتظار کریں اور آپ کے لئے دعائیں کریں، یہ گندے ہیں اور ان کی والدہ کسی کام میں مشغول ہے تو آپ ہی انہیں صاف کر دیجیے۔ اسی سلسلے میں ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے، فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اسامہ بن زید کی ناک (کی رینٹھ) صاف کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں نے کہا: (یارسول اللہ!) مجھے اجازت دیں کہ میں صاف کرلوں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اس سے محبت کرو کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"[۱]

ہر مسلمان والد کو چاہیئے کہ بچہ اگر کسی گندی حالت میں ہے تو خود ہی اٹھ کر اس کا منہ دھلا دے، اس کو اچھے صاف کپڑے پہنا دے، اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرنے کی نیت کرلے تو سونے پر سہاگہ ہے کہ بچہ کی صفائی بھی ہوگئی اور اہلیہ بھی خوش ہوگئی کہ میرا شوہر کتنے اچھے اخلاق کا حامل ہے کہ جہاں اس بچے کو وہ میرا بچہ سمجھ رہا ہے، وہاں دوسری ذمہ داریوں کے اعتبار سے خود اپنے کو بھی میرا شریک سمجھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگئے کہ اس بندہ میں تواضع بھی ہے اور مسلمان معصوم بچے سے محبت بھی ہے کہ جب سردار دو جہاں حضور اکرم صلی

[۱] ترمذی، ابواب مناقب، مناقب اُسامة: ج ۲ ص ۲۲۲

اللہ علیہ وسلم ایک بچے کے ناک کی رینٹھ صاف کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو پھر میں کیا ہوں؟

اس سنت مبارکہ پر مسلمان شوہر عمل کرے تو گھر کے بہت سے جھگڑے ختم ہو جائیں، اس لئے کہ میاں بیوی میں بہت سے جھگڑوں کا سبب یہ بنتا ہے کہ شوہر یہ کہتا ہے تم بچوں کا خیال نہیں رکھتیں۔ تم خود بھی گندی رہتی ہو اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی گندہ رکھتی ہو۔ تم بچوں کو پڑھاتی نہیں ہو، تم خود بھی ان پڑھ ہو اور بچوں کو بھی ان پڑھ بنا رہی ہو، وغیرہ......۔

ان تمام حالتوں میں شوہر یہ سوچ لے کہ یہ سب کام، جس طرح میری بیوی (بچوں کی والدہ) کی ذمہ داری ہے، اسی طرح شوہر یعنی بچے کے والد کی بھی ذمہ داری ہے، معاشرے نے یا رواج نے فرق کر دیا ہے کہ بعض ذمہ داریاں صرف اور صرف ماں کی سمجھی جاتی ہیں، حالانکہ شرعاً اور اخلاقاً والد کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رات میں اپنی کسی ضرورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر کے اندر سے) اس حال میں تشریف لائے کہ کسی چیز کو اپنے ساتھ لپیٹے ہوئے تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی، پھر جب میں اپنی ضرورت کو عرض کر چکا تو پوچھا کہ یہ کیا چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لپیٹ رکھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کوکھوں پر تھے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو گود میں لے کر چادر سے لپیٹ رکھا تھا) اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں، تو بھی ان کو محبوب رکھ اور ہر اس شخص کو محبوب رکھ، جو ان دونوں

کو محبوب رکھے۔[1]

اسی طرح حضرت ابی بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سرخ رنگ کی قمیصیں پہنے ہوئے چلتے ہوئے آئے (چونکہ بچے تھے اور صحیح طریقے سے چل نہیں سکتے تھے، اس لئے کبھی) گرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو منبر سے اترے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔[2]

دونوں جہانوں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کے ساتھ کیسا مشفقانہ رویہ تھا۔ ہم اور آپ اسی مشفق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ان واقعات کو سامنے رکھ کر بچوں کے ساتھ شفقت و نرمی کا معاملہ کریں۔ بچے آپ سے ہر وقت ڈریں نہیں، گھر میں آپ کے داخل ہوتے ہی ادھر ادھر چھپ نہ جائیں، جیسے شیر اور سانپ سے ڈرا جاتا ہے، کہیں بچے باپ سے اس طرح نہ ڈریں۔

اولاد پر جبر

اولاد جب بالغ ہوجائے تو کوشش کیجیے کہ ان پر کسی بھی معاملے میں جبر اور زبردستی کی نوبت نہ آئے۔ بلوغ سے پہلے جس حد تک ممکن ہو، انہیں اپنی مرضی اور اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کیجیے، کبھی نرمی سے اور اگر ضرورت پڑے تو کبھی بقدر ضرورت سختی سے اسے اسلامی رنگ میں رنگیے اور اپنے مزاج کے موافق ان کو بنائیے، لیکن بلوغ کے بعد جو بھی بات کہنی ہو یا ان سے جو بھی کام کرانا ہو تو

[1] ترمذی، ابواب مناقب، مناقب ابی محمد الحسن والحسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما): ج ۲ ص ۲۱۷، ۲۱۸

[2] ایضاً

نرمی سے کہیئے اور ترغیبی انداز میں کہیئے نہ کہ حکماً۔ اس میں کئی فوائد ہیں، مثلاً ان کو آپ کی بات بری بھی محسوس نہیں ہوگی اور چونکہ نرمی سے کہی ہوئی بات زیادہ اثر رکھتی ہے، لہٰذا عمل بھی کرلیں گے اور اگر خدانخواستہ عمل نہ کریں تو باپ کی نافرمانی کا گناہ نہ ہوگا، جس کا انجام برا ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ باپ جب بالغ یا شادی شدہ اولاد کو کسی بات کے کرنے کا کہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ یوں نہ کہے کہ بیٹا یہ کام کر...... کہ اس طرح کہنے میں اگر اس نے انکار کردیا یا وہ کام نہ کیا تو گناہ گار ہوگا، جس کا سبب باپ کا یہ کہنا ہوا، بلکہ یوں کہے کہ بیٹا اگر یوں کردو تو مناسب ہے یا یہ کام اس طرح کرنا چاہیئے، یا بیٹا! اگر تم فلاں کام کرلو تو اچھا ہے، اس صورت میں نہ کرنے پر بیٹا نافرمانی کا مرتکب نہ ہوگا۔[1]

بحیثیت والد، سیرت ابراہیم علیہ السلام میں ہم ایک بات یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بیٹے کو حکم دینے سے پیشتر ان سے مشورہ لیا۔

جب انہیں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے بیٹے کو ذبح کے لئے تیار ہونے کا حکم دینے سے پہلے ان سے مشورہ کیا۔ اس بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ﴾[2]

ترجمہ: ”تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کے لائق ہوگیا تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں، اب تو بتا کہ تیری رائے کیا ہے؟“

[1] خلاصۃ الفتاویٰ: ج ۴ ص ۳۴۰
[2] سورۂ صٰفّٰت آیت ۱۰۱، ۱۰۲

❶ ...... علامہ زمخشری نے تحریر کیا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشورہ اس لئے نہ کیا تھا کہ بیٹے کے مشورے کے مطابق طرزِ عمل اختیار کیا جائے، بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آمدہ آزمائش کے متعلق پہلے سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے نفس کو آمادہ صبر کر کے مصیبت کا بوجھ ہلکا کرلیں، اور آزمائش کا مقابلہ اس انداز سے کریں کہ وہ پہلے ہی سے اس سے آشنا اور مانوس ہو چکے ہوں، نیز وہ بھی حکم ربانی کے لئے پہلے ہی سے آمادہ اطاعت ہو کر ثواب حاصل کریں۔

انہوں نے بیٹے سے اس لئے بھی رائے طلب کی تاکہ ذبح کیئے جانے کا اچانک فیصلہ، طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

مزید براں ان کے اس طرزِ عمل سے مشورہ کرنا سنت (ابراہیمی) قرار پائے۔[1]

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کریں، تو انہوں نے اس بارے میں بیٹے کو حکم دینے سے پہلے ان سے مشورہ کیا۔ صحیح بخاری میں ہے:

﴿ثُمَّ قَالَ: "يَا إِسْمَاعِيلُ! إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ"﴾

"پھر انہوں نے فرمایا: اے اسماعیل! یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کرنے کا حکم دیا ہے۔"

﴿قَالَ: "فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ"﴾

"انہوں نے عرض کیا: آپ کے رب تعالیٰ نے جس کام کا آپ کو حکم دیا ہے، اس کو کر دیجیے۔"

﴿قَالَ: "أَوَ تُعِينُنِي"﴾

"انہوں نے فرمایا: اور (کیا) تو میری اعانت کرے گا؟"

---

[1] تفسیر کشاف زمخشری: ج ۳ ص ۵۴

﴿قَالَ: "وَاُعِينُكَ"﴾

''انہوں نے عرض کی: اور میں آپ کی معاونت کروں گا۔''

﴿قَالَ: "فَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ هَاهُنَا بَيْتًا"﴾

''انہوں نے فرمایا: یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ نے یہاں گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔''

اور صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت میں ہے:

﴿فَقَالَ (إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ): يَا إِسْمَاعِيلُ! إِنَّ رَبَّكَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ لَهُ بَيْتًا﴾

''انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا: اے اسماعیل درحقیقت تیرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا گھر تعمیر کروں۔''

﴿قَالَ: أَطِعْ رَبَّكَ﴾

''انہوں نے عرض کی: اپنے رب کی اطاعت کیجیے۔''

﴿قَالَ: إِنَّهُ أَمَرَنِي أَنْ تُعِينَنِي عَلَيْهِ﴾

''انہوں نے فرمایا: یقیناً اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس بارے میں میری اعانت کرو۔''

﴿قَالَ: "إِذَنْ أَفْعَلُ" أَوْ كَمَا قَالَ﴾ [1]

''انہوں نے عرض کیا: پھر میں کروں گا۔''

اسی طرح بلوغ کے بعد اگر وہ کوئی کام اور پیشہ اپنی مرضی سے اپنے لئے پسند کرے اور اسے اختیار کرنا چاہے اور وہ پیشہ اور کاروبار شرعاً ناجائز نہ ہو تو آپ اس پر اپنی مرضی مسلط نہ کریں، بلکہ اس میں اس کی مدد کریں، اسے مشورہ دیں، ہاں اگر وہ کام شرعاً ناجائز اور حرام ہے تو کسی بھی طرح اس کے کرنے کی اجازت نہ دیں۔ اللہ

[1] بخاری، فی کتاب الانبیاء: ج ۱ص ۴۷۶

تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف اولاد ہی نہیں، بلکہ حکم الٰہی کے مقابلے میں والدین کی بات پر بھی عمل نہ کیا جائے گا، اس بارے میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر الفاظ میں انتہائی جامع اور عمدہ ضابطہ بیان فرما دیا ہے:

«لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ» [۱]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (والی بات) میں کسی کی اطاعت نہیں، درحقیقت اطاعت تو بھلائی (کی بات) میں ہے۔"

اسے خود اور اس کے دوستوں کے ذریعے سمجھائیں، اس پر اس کام کے دنیوی، اخروی نقصانات واضح کریں اور ہر ممکن کوشش کر کے اسے اس کام سے روکیں، اگرچہ اس میں تنخواہ یا پیسہ زیادہ ہو، مثلاً وہ بینک یا اسٹیٹ لائف میں ملازمت کرنا چاہتا ہے یا ویڈیو کی دکان کھولنا چاہتا ہے وغیرہ تو ہرگز اس کی کسی بھی طرح مدد نہ کیجیے، نہ مالی اعتبار سے، نہ مشورہ دے کر، بلکہ اسے کسی اور جائز کام کی ترغیب دیں۔

اسی طرح آپ کو بیٹے کی کوئی بات یا حرکت ناگوار گزری تو فوراً ہی اسے ڈانٹنا نہ شروع کر دیں، بلکہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں اور تجربہ کار بزرگوں سے اس بارے میں مشورہ کریں کہ اس کا حل کیا ہونا چاہیے، پھر کوئی قدم اٹھائیے یہ نہ ہو کہ آپ نے فوراً ڈانٹ دیا یا سختی کی اس سے اگرچہ وقتی طور مسئلہ ٹھنڈا پڑ جائے گا، مگر یہ کوئی مستقل حل نہیں۔ بلکہ خدانخواستہ اگر بیٹا بھی بدتمیزی پر اتر آیا تو یہ بہت ہی برا ہوگا، اور یہ بھی یاد رکھیے! کہ کسی سے مشورہ کرتے ہوئے کبھی بھی اولاد کی شکایت والا انداز اختیار نہ کیجیے۔ خصوصاً شادی کے بعد اگر آپ کو بیٹے یا بہو کی کوئی بات بری لگے یا آپ محسوس کریں کہ بیٹا ماں کے مقابلے میں بیوی کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے اور اس کی ناجائز طرف داری کر رہا ہے یا کوئی اور غلطی کرے، تو اس کی بیوی کے سامنے

[۱] مسلم، کتاب الامارۃ: ج ۲ ص ۱۲۵

اسے ذلیل نہ کریں، نہ ہی اس پر جبر کریں، بلکہ اس وقت صبر کریں، آپ کے اس وقت کا تھوڑا سا صبر آپ کے جگر گوشے کو کئی گنا شاکر بننے پر مجبور کردے گا، پھر غور کے بعد اسے سمجھایئے تو اس طرح آپ کی عزت بھی برقرار رہے گی اور آپ کو شکایت بھی نہیں رہے گی کہ بیٹا مانتا نہیں، ہاتھ سے نکل گیا، بیوی نے جادو کردیا ہے وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہر عمل ہمارے لئے نمونہ ہے۔ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک عورت سے نکاح کیا، جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹے سے کہا کہ اسے طلاق دے دو، لیکن چونکہ اس عورت میں ظاہری کوئی عیب نہیں تھا، اس لئے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس میں ذرا تردد ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر کوئی زور نہیں دیا، بلکہ خاموش رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر بات بتادی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی باپ کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اے عبداللہ ابن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کام کے کرنے میں بیٹے کو تردد ہو اور وہ آپ کی بات قبول نہیں کررہا تو کسی اور بڑے عالم کے ذریعے یا اس کے کسی دوست کے ذریعے یا چچا، ماموں کے ذریعے اسے سمجھایئے، مگر اس پر جبر ہرگز نہ کریں۔

زیادہ مار پیٹ سے کبھی بچے مجرم بھی بن جاتے ہیں

کم سن طالب علم نے والد کے ڈانٹنے پر خودکشی کرلی۔ طالب علم کو ٹیوشن نہ

[1] ترمذی، ابواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الرجل يسأله ابوه أن يطلق امرأته: ج۱ ص ۲۲۶

پڑھنے پر والد نے سرزنش کی تو اس نے چوہے مار گولیاں کھالیں۔ باپ کے ڈانٹنے پر نوجوان نے خودکشی کر لی۔

اس قسم کی بے شمار خبریں آئے دن اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ یہ واقعات دراصل ہمارے معاشرے کے ان فرسودہ رسم ورواج کی عکاسی کرتے ہیں، جن میں بعض والدین اور اساتذہ کا، بچوں کی اصلاح کے لئے استعمال کیا جانے والا تشدد پر مبنی طریقہ کار، کس طرح سے ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں میں زنگ لگاتا ہے۔ خاص طور پر والدین اپنی پریشانی اور معاشی تنگدستی کا غصہ بعض اوقات اپنے بچوں پر نکالتے ہیں، جس سے بچے کی ذہنی صلاحیت بالکل تباہ ہو جاتی ہے۔ بچہ چاہے امیر گھر کا ہو یا غریب گھر کا، اس کی خواہشات اور سوچ عموماً ایک ہی جیسی ہوتی ہیں، لیکن جو والدین بچوں کی جائز اور ضروری خواہشات پوری کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ بجائے بچوں کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کے مار پیٹ کے ذریعے بچوں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے بچوں میں احساس محرومی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے بچے یا تو اپنے گھروں سے بھاگ جاتے ہیں یا غلط سوسائٹی میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور مجرم بن جاتے ہیں۔

ماں باپ کی جانب سے کیئے جانے والے بے جا تشدد اور اس کے اثرات کے حوالے سے بعض لوگوں نے والدین، اساتذہ، ماہر نفسیات اور دوسرے ماہرین کی رائے پر مبنی ایک سروے کیا ہے، تاکہ بچوں پر تشدد کے منفی رجحانات کو سامنے لا کر اس میں ملوث لوگوں کو اس عمل سے روکا جائے، جو ان بچوں کی شخصیت کو سنوارنے کے بجائے بگاڑنے کا کام کر رہے ہیں۔

ساتویں کلاس کے طالبعلم خرم نے اپنے اسکول کی ٹیچر کی جانب سے سختی اور مار پیٹ کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ "اگر کبھی ہوم ورک کر کے نہیں لاؤں تو میری ٹیچر وجہ جانے بغیر فوراً ایک تھپڑ لگا دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں اس تھپڑ کو یاد رکھتے ہوئے

ہم آئندہ وقت پر ہوم ورک کر کے لائیں گے۔" خرم نے بتایا کہ "میری والدہ تو ہمارے ساتھ بہت نرمی اور محبت سے پیش آتی ہیں، لیکن میرے والد جب آفس سے بہت تھکے ہوئے آتے ہیں، تو پھر میری چھوٹی سی غلطی پر فوراً گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں، اگر ضد کروں تو مارتے ہیں۔ اس لئے امی ہم لوگوں کو ابو کے آنے سے پہلے ہی سلا دیتی ہیں۔"

بچوں کو مار پیٹ کے منفی اثرات کے حوالے سے ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ "جزا اور سزا دونوں بچوں کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن سزا میں جسمانی مار پیٹ کا تصور کم اور بقدر ضرورت اور حدود میں رہتے ہوئے ہونا چاہیے، اور غصہ کی حالت میں ہرگز کبھی سزا نہ دی جائے، اگر ڈاکٹر آپریشن کرتے ہوئے مریض پر غصہ ہو تو ایسے مریض کا کیا حال ہوگا؟ اس سے بچے کی شخصیت تباہ ہو جاتی ہے۔

بچوں کی غلطی پر ان کی اصلاح کے لئے سزا دینے کے دوسرے طریقہ کار بھی موجود ہیں، جس میں ناراض ہونا ...... یا ان کو بظاہر نظر انداز کر دینا ...... صلوۃ التوبہ پڑھوانا ...... لکھنے کے لئے چند صفحات دے دینا ...... ڈکشنری سے مشکل الفاظ تلاش کروانا ...... وغیرہ ہیں، جس سے بچے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تشدد سے بچوں میں احساس کمتری پیدا ہو جاتی ہے، جس سے ان میں منفی رجحانات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں یا چیزیں چھپا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات اپنے غصے کے اظہار کے لئے چھوٹے بہن بھائیوں کو تنگ کرتے ہیں یا پڑھائی پر توجہ نہیں دیتے۔ بعض اوقات اس کے سنگین نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں، بچے اپنے والدین یا ٹیچر کے خوف سے گھر سے بھاگ جاتے ہیں یا خودکشی کر لیتے ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی صورت حال سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ بچے کی دوستانہ ماحول میں پرورش کی جائے، اسی دوستی میں اس کی خامیوں کی بآسانی اصلاح کی جاسکتی ہے، جو اس کی شخصیت کو مضبوط بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اکثر

والدین اپنے بچوں کی جانب سے لاپرواہی اور غلط رویے کی شکایت کرتے ہیں، وجہ عموماً یہی ہوتی ہے کہ والدین کی غلط یا بے موقع یا حد سے زیادہ مار پیٹ کی وجہ سے بچے بے جا ضد کرتے ہیں، اس لئے سب سے پہلے ہم والدین کو یہی علاج بتاتے ہیں کہ وہ بچوں سے پیار ومحبت سے پیش آئیں، اگر کبھی ڈانٹنے کی ضرورت پیش بھی آئے تو علیحدگی میں لے جا کر سمجھائیں۔

ایک ٹرسٹ سے وابستہ ایک صاحب نے بتایا کہ ''ہمارے ٹرسٹ میں آنے والے بچے عموماً ہمیں پولیس کی جانب سے ملتے ہیں، جو کسی جرم میں پکڑے جاتے ہیں۔ جب ان بچوں کے گھریلو حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وجہ یہ سامنے آتی ہے کہ ان کے گھروں میں والدین کی جانب سے صحیح سلوک روا نہ رکھے جانے کے سبب یہ بچے باہر پناہ ڈھونڈتے ہیں، جس سے غلط سوسائٹی کا شکار ہو کر جرائم کرنے لگتے ہیں۔ والدین بچے کی ابتدائی درسگاہ ہوتے ہیں، ان کو مار پیٹ کے بجائے اصلاح کے لئے افہام وتفہیم، دعا، اچھے دوستوں کی صحبت وغیرہ ذرائع استعمال کرنا چاہیے۔''

ٹرسٹ کے چائلڈ ہوم میں بھی ایسے بچوں کی کثیر تعداد موجود ہے، جو اپنے استاد اور والدین کی جانب سے بے جا سختی کی وجہ سے گھر سے بھاگ آئی ہے۔ اسی ٹرسٹ کی انتظامیہ کے شعبے سے وابستہ فہیم نے بتایا کہ یہاں عموماً وہ بچے آتے ہیں، جو سوتیلے والد یا والدہ کی سختیوں سے گھبرا کر بھاگ جاتے ہیں۔ ان میں دین سے دور گھرانوں کے بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ہمارے پاس آ کر تو وہ محفوظ ہو جاتے ہیں، لیکن جو غلط ہاتھوں میں پڑ جاتے ہیں، ان کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ اس لئے والدین کو بچوں کے ساتھ محبت بھرا سلوک روا رکھنا چاہیے اور ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیے کہ وہ گھر کو سب سے محفوظ جگہ تصور کریں۔ ایک سماجی کارکن نے بچوں پر بے جا تشدد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ''بچوں کا کام شرارت کرنا ہوتا ہے، لیکن اس پر ان کو بے جا مارنا والدین

کی بہت بڑی غلطی ہے۔ بچوں کو مار کر ہم ان کی تضحیک کر رہے ہوتے ہیں، اس سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ زیادہ بے جا مار کھانے والے بچے عموماً ڈھیٹ ہوجاتے ہیں۔ مارنے کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے طریقے ہیں، جن سے بچوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میرے بچے کوئی غلط کام کرتے ہیں تو میں ان سے کہتی ہوں کہ۔

''اگر میری بات نہیں مانی تو آج آئس کریم نہیں ملے گی یا آئندہ چھٹی والے دن تفریح کے لئے نہیں لے جائیں گے۔'' انہوں نے کہا کہ ''مجھے بھی بچپن میں میرے والدین نے کبھی نہیں مارا، البتہ ڈانٹ تو بہت پڑی ہے۔ اپنے تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے جہاں مجھے اپنے والدین کی جانب سے ناجائز ڈانٹ پڑی تو اب میں یہ کوشش کرتی ہوں کہ اپنے بچوں کو اس بات کا موقع نہ دوں اور وہ نہ کروں جس ضمن میں مجھے اپنے والدین سے شکایت رہتی تھی۔''

غرض کہ بچوں کی تربیت کرنے میں اگر ہر وقت پر تشدد رویہ اختیار کیا جائے گا تو یہ بچہ باہر جاکر دوسروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا، کیوں کہ جس کو جو ملتا ہے، وہ وہی دوسروں کو دیتا ہے۔ اس سے بعض اوقات والدین کی اپنی عزت خطرے میں پڑجاتی ہے۔ لہٰذا اگر بچے کی اصلاح کے لئے تھوڑی بہت ڈانٹ ضروری ہو تو وہ بھی تنہائی میں لے جاکر ڈانٹنا چاہیئے۔ اسلام میں بھی بچوں پر بے جا سختی کے سلسلے میں ممانعت کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں علماء کا کہنا ہے کہ ''باپ اور اساتذہ کی جانب سے منہ پر تھپڑ مارنے اور گالیاں دینے کا طریقہ، اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔''[1]

یاد رکھیے! بچوں پر والد کا رعب تو ہونا بہت ضروری ہے، لیکن حد میں رہتے ہوئے یہ رعب ہو، ایسا مرعوب نہ کیجیے کہ وہ والد کے پاس آنے سے ڈریں، والد

---

[1] ماخوذ از روزنامہ جنگ کراچی، ملخصاً

سے کسی بات کی اجازت لیتے ہوئے گھبرائیں، ایسے کم قسمت بچے جو والدین سے حد سے زیادہ ڈرتے رہتے ہیں، بڑے ہوکر دنیا کے بزدل ترین لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، قوت مدافعت ان کی کمزور ہوجاتی ہے، بلڈ پریشر، ٹینشن، ڈپریشن کے امراض کو ایسے نوجوان جلد قبول کرلیتے ہیں۔

لہٰذا جوں جوں بچہ بلوغ کے قریب ہوتا جائے، اپنا رعب کم کرتے جائیے یہاں تک کہ بالغ ہونے کے بعد دوستانہ رویہ اختیار کیجیے، اور جو کچھ تربیت میں کمی رہ گئی ہے، دوستی کے انداز میں دعا کے ذریعہ کیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزدلی کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿فالْجَبانُ يفِرُّ عنْ أبِيهِ وَأُمِّهِ﴾[1]

ترجمہ: ”بزدل آدمی اپنے ماں باپ کی مدافعت سے بھی ڈر کر بھاگتا ہے۔“

یعنی بزدلی کی وجہ سے والدین کے دفاع سے بھی بھاگتا ہے۔

لہٰذا والدین کو خصوصاً والد کو چاہیے کہ اتنا جابر و حاکم نہ بنے کہ اولاد بزدل ہوجائے، اپنی طرف سے اولاد کو بہادر بنانے کی پوری کوشش کرے۔ ان کی بات پوری سنے، کسی غلطی پر ان کو اپنی مدافعت کرنے دے، حد سے زیادہ اپنا رعب ان پر نہ جمائے۔

مارنے کی شرائط

① دس سال کی عمر سے پہلے نیک کاموں میں کوتاہی پر مارنا صحیح نہیں، اس لئے کہ باوجود اس کے کہ نماز دین کا ستون ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کوتاہی کرنے پر دس سال کی عمر سے پہلے بچے کو مارنے کی اجازت نہیں دی۔ کوشش کرے، گھر میں عصا لٹکائے رکھے، اور اس کے استعمال کی نوبت نہ آئے، صرف

[1] مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد: ص ۵۷

بچوں پر رعب کے لئے لٹکا رہے۔

۲ اگر مارنا ہو یا مر مجبوری تو پہلے تو چھڑی کو زیادہ سے زیادہ زمین پر مارے، دیوار اور دروازہ پر مارے، بولو...... اتنی بدتمیزی کیوں کی؟ شیطان کی بات کیوں مانی؟ اور بچے کی والدہ کو سکھادے کہ وہ بچے کو سکھادیں کہ جب والد صاحب ڈنڈا اٹھائیں تو فوراً کہہ دو کہ غلطی ہوگئی، آئندہ نہیں کرونگا۔ معاف کردیں۔ اس طرح بچے کو مارے بغیر اس کی تادیب بھی ہو جائے گی اور آپ کا رعب بھی بیٹھا رہے گا۔ اور پھر بھی مارنے کی نوبت آ ہی جائے تو دس چھڑیوں سے زیادہ نہ مارے۔ اس لئے کہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: دس کوڑوں سے زیادہ صرف حدود میں ہی مارے جائیں۔"[۱]

۳ ایسی چھڑی سے مارے جو مرطوب ہو، نہ بہت موٹی ہو نہ باریک۔

۴ مارنے کی مدت میں وقفہ رکھے، روزانہ نہ مارے اور نہ ہی ہر بار ایک جگہ پر مارے۔

۵ سر، چہرے اور شرمگاہ پر نہ مارے۔

۶ غصہ کی حالت میں کبھی نہ مارے، کیونکہ مارنا تادیب اور تربیت کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا مربی کے لئے ہوش وحواس میں ہونا ضروری ہے، جب کہ حالت غصہ میں انسان اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔

۷ جب بچہ اللہ کا واسطہ دے تو اس وقت ہاتھ اٹھالو کہ وہ اللہ کے ذریعے پناہ طلب کررہا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنے خادم (غلام) کو مارے اور وہ اللہ کا نام لے تو اپنے ہاتھ کو اٹھالو (یعنی مارنا ترک کردو)۔"[۲]

---

[۱] فتح الباری: ج ۱۵ ص ۱۹۱ [۲] ترمذی: ج ۲ ص ۱۶

۸ بچے کو اس کے مارنے کی وجہ تفصیل سے بتادے، تاکہ آئندہ وہ اس غلطی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور ساتھ اس کا متبادل بھی بتادے کہ اس طرح کرنے سے اس کو مار نہیں پڑے گی۔

اوپر جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں بچوں کو مارنے کے ذریعہ تنبیہ کے طریقے تو بتائے گئے ہیں، مگر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قبل اس کے کہ بچے کو مارنے کی عمر شروع ہو، پیار اور محبت سے بچے کو اس طرح نماز پر لگادیں کہ اسے مارنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ بچوں کو نمازی بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اور آپ کی اہلیہ نماز کی خوب پابندی کریں، جو حقیقت میں ذریعہ بنے گی آپ کے بچے کے نماز و احکام کے پابند ہونے کا، اور بچپن ہی سے جب وہ والدین کو نماز پڑھتا دیکھے گا تو وہ خود بخود ان کی نقل کرے گا۔ اسی طرح اس کے دوست اور سہیلیاں وہ منتخب کروائیں، جو نمازی ہوں۔ بعض اوقات ہلکی سی سزا دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔

بچے کی اصلاح شفقت و محبت سے کی جائے۔ ناگزیر صورتوں میں ہلکی سی سزا بھی دی جاسکتی ہے، مگر سزا کے فوراً بعد حسن سلوک سے اس کی تلافی کردی جائے۔ بچے کو اتنا پیار دیا جائے کہ اس کے دل میں پھر کوئی میل باقی نہ رہے۔

البتہ سزا کا نمبر اس وقت آتا ہے، جب اصلاح کی تمام انسانی کوششیں ناکام ہوتی نظر آئیں۔ سزا میں تنفر و انتقام کا جذبہ تو شامل ہونا ہی نہیں چاہیے۔

اعتدال و توازن کی راہ یہی ہے کہ بچے کی اصلاح و تربیت، محبت و شفقت ہی سے کی جائے، البتہ آخری درجے میں ہلکی پھلکی سزا بھی دی جاسکتی ہے، مگر یہ سزا بھی پیار کے جذبات سے سرشاری کے عالم میں دی جائے اور جتنی جلد ممکن ہو، اس کی تلافی کردی جائے۔

بچے کو اگر سزا دینا ناگزیر ہو تو چند باتیں ضرور ملحوظ رکھیے:

* بچے کو کبھی دوسروں کے سامنے سزا نہ دیجیے۔ خاص طور پر مہمانوں اور اس کے

ہم عمر ساتھیوں کے سامنے سزا دینا، اس کی عزت نفس کو پامال کرنا ہے۔ جس طرح آپ دوسروں کے سامنے ذلیل ہونا پسند نہیں کرتے، اسی طرح بچہ بھی دوسروں کے سامنے رسوا نہیں ہونا چاہتا۔ اگر بچہ یہ محسوس کرے کہ اب دوسروں کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں رہی تو وہ ڈھیٹ ہو جاتا ہے اور غلط کام کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔

❊ کسی ایسے جرم پر بچے کو سزا نہ دیجئے جس کو وہ جرم نہیں سمجھ رہا ہے۔ جو غلطی اس نے انجانے میں کی ہے، اس کے بارے میں اسے اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ یہ غلط کام ہے۔ مثال کے طور پر بچہ آپ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپ لکھنے میں مشغول ہیں، قلم لکھتے لکھتے بند ہو جاتا ہے، تو آپ دوات میں سے قلم میں روشنائی ڈال کر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی دوران کوئی ملاقاتی آتا ہے، آپ اٹھ کر اس سے ملنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ بچہ آپ کا قلم اٹھاتا ہے اور لکھنے کی کوشش میں میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر قلم چلانا شروع کر دیتا ہے۔ جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قلم نہیں چل رہا ہے تو آپ کی طرح دوات کھول کر قلم میں روشنائی انڈیلنا چاہتا ہے، مگر روشنائی قلم میں جانے کے بجائے میز پر گر جاتی ہے۔ میز پوش اور کچھ کاغذات گندے ہو جاتے ہیں۔ بچہ اپنے ہاتھ اور دامن سے جلدی جلدی صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس دوران آپ واپس آجاتے ہیں، بچہ سہم جاتا ہے، اگر آپ بچے کو مارنا جھڑکنا شروع کر دیں تو اس سے دو نقصان ہوں گے ایک یہ کہ بچے کے دل میں خوف بیٹھ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس کی تجرباتی نشوونما رک جائے گی۔ وہ نئے نئے تجربات کرنے سے باز رہے گا اور اس کی ذہانت بری طرح متاثر ہو جائے گی۔ وہ مستقبل کی زندگی میں زیادہ غور و فکر اور حرکت و عمل کے بجائے تعطل و جمود کا عادی ہو جائے گا۔ آپ ذرا سنجیدگی سے سوچیے، بچے نے کوئی جرم تو نہیں کیا

ہے؟ اس نے صرف آپ کی تقلید ہی تو کی ہے، جو اس کی فطرت کا لازمہ ہے۔ کیا آپ اسے اپنا فرماں بردار بیٹا بنانا نہیں چاہتے؟

کیا آپ کی یہ خواہش نہیں کہ وہ آپ کے نقشِ قدم پر چلے؟

پھر سوچیے! اس نے ایک تجربہ ہی تو کیا ہے۔ آپ سے بھی تو تجربات کے دوران بہت سے نقصان ہوئے ہیں۔ پرسوں ہی کی تو بات ہے کہ آپ کا ٹیپ ریکارڈر خراب ہوگیا تھا، آپ نے درست کرنے کے لئے اسے کھولا، بہت سے پرزے ادھر سے ادھر کردیے، جب آپ میکانک کے یہاں گئے تو اس نے بتایا: اس میں کوئی خاص کمی نہیں ہے، البتہ کسی شخص نے پرزے غلط فٹ کردیے ہیں۔ ذرا سوچیے! آپ اس عمر میں جب کہ دنیا بھر میں گھومتے پھرتے ہیں، تجربہ کرتے ہوئے غلطی کر بیٹھتے ہیں تو بچہ جس نے ابھی اچھی طرح دنیا بھی نہیں دیکھی ہے، اگر تجربے کے دوران غلطی کر بیٹھتا ہے تو اسے سزا دینے کا کیا جواز ہے؟

بچے نے یہ سب کچھ آپ کی تقلید میں کیا، اس کی نظر میں یہ کوئی غلطی نہ تھی۔ اس لئے ایسے موقعوں پر آپ اپنے غصے کو ضبط کریں اور بچے کی غلطی کو نظر انداز کردیں۔

❊ بچے کو بار بار سزا دینا بھی مناسب نہیں۔ سزا اگر عادت بن جائے تو غیر مؤثر ہوکر رہ جاتی ہے۔ بچہ اسے معمولی چیز سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دیتا، وہ بار بار سزا پانے کے بعد یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس سے بڑی سزا اور کیا ہوگی۔ تھوڑی سی تکلیف ہی سہی، وہ جرم میں جو لطف و لذت محسوس کرتا ہے، اس کے مقابلے میں سزا کی تکلیف بہت معمولی محسوس ہونے لگتی ہے۔

❊ بچے کو جب سزا دی جائے تو اسے لعن طعن بالکل نہ کیا جائے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ والدین جب بچے کو سزا دیتے ہیں تو کم بخت ...... الو...... کتا

...... گدھا ...... بندر ...... سور ...... کمینہ ...... نالائق ...... احمق ...... بیوقوف ......
کوڑھ مغز ...... اور بدتمیز ...... جیسے خطابات سے بھی اسے نوازتے رہتے ہیں۔
بعض والدین تو مغلظات تک کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر والدین کا یہ رویہ بار بار سامنے آئے تو بچے کی نظر میں ان فقروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور نہ وہ ان فقروں کا اثر لیتے ہیں، ان کی ذہنی نشوونما بری طرح متاثر ہوتی ہے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہوکر آگے بڑھنے کا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں۔

❊ سزا کی ایک موثر اور کارگر صورت یہ ہے کہ اگر بچہ سمجھانے بجھانے سے نہیں مان رہا ہے، تو اسے دلچسپ مشاغل سے جدا رہنے کی سزا دی جائے۔ اس سزا کا بہت جلد اور خاطر خواہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ بچہ ہر بات کو برداشت کرسکتا ہے، مگر اپنے دلچسپ مشاغل سے محروم رہنا کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔ سزا کا یہ انداز دور رس بھی ہوتا ہے۔ بچہ اس خیال سے ہمیشہ غلطی کرنے سے باز رہتا ہے کہ اسے پھر دلچسپ مشاغل سے محروم کردیا جائے گا۔ یہ تفریحی سزا، جسمانی سزا کے مقابلے میں زیادہ کارگر اور موثر ہے۔

❊ جب بچہ آپ کی تادیبی کارروائی سے جرم کرنا چھوڑ دے تو آپ حسب توفیق اتنا ضرور کریں کہ اسے انعام دیں، چاہے وہ ایک ٹافی ہی کیوں نہ ہو۔ تا کہ بچے کے تعمیری پہلو کو تقویت حاصل ہو اور اس کے اندر آئندہ غلطی نہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی طرح اچھے کاموں اور بہتر کارکردگی پر انعامات دے کر بچوں کی حوصلہ افزائی ضرور کیجیے، لیکن انعام کا اسے عادی نہ بنایا جائے کہ وہ انعام ہی کی آرزو کرتا رہے، بلکہ انعام کی مقدار اور اوقات میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

❊ اگر بچہ غلطی کر کے توبہ کرلے یا آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے تو اسے معاف کردیجیے۔ غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد معاف کردینا، غلطی کی بہترین سزا

ہے۔ اگر بچہ غلطی کے ارتکاب سے انکار کر رہا ہے تو زبردستی غلطی اس کے سر پر نہ تھوپیئے، اس کا انکار کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غلطی کو معیوب سمجھ رہا ہے، اس لئے یہ توقع رکھیے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔

❊ غلطی کی جس قدر اصلاح ہوتی جائے، اس پر شاباشی دے کر اس کی ہمت بڑھایئے، تاکہ وہ باقی غلطی کی بھی اصلاح کرلے۔ یہ توقع ہرگز نہ رکھیے کہ بچہ تمام برائیوں سے یک لخت پاک ہوجائے گا یا تمام خوبیاں اس میں فوراً ہی نمودار ہوجائیں گی۔[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بیٹے کی تربیت

ہم سب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم ملازم ہوں یا تاجر، جس شعبہ میں بھی ہوں، اگر وہاں حلال کمائی کا اہتمام نہ کیا تو اس حرام لقمے کا اثر اولاد پر ضرور بالضرور پڑے گا۔ تاجر ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تجارت کرنا، جھوٹ سے بچنے کا اہتمام کرنا، نمازوں کے اوقات میں جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنا، ادھار پر جو مال لیا ہے، پیسہ آنے کے بعد فوراً ادھار واپس کرنا، غریبوں بیواؤں وغیرہ کو بہت ہی رعایت پر مال دینا، کمانے کے بعد اس کے خرچ کرنے میں صحیح جگہ پر خرچ کرنے کا اہتمام کرنا، زکوٰۃ کی ادائیگی وقت پر کرنا، اور صحیح مصرف ڈھونڈ کر زکوٰۃ ادا کرنا، زکوٰۃ کے علاوہ سورہ بقرہ میں جو چھ مصارف بیان کیئے گئے ہیں ان میں بھی خرچ کرنا ضروری ہے۔[2]

اسی طرح ملازم ہوتے ہوئے پورا وقت دینا، کام میں کوتاہی نہ کرنا، جو وقت

---

[1] بچوں کی تربیت کیسے کریں: ص ۲۲۵ تا ۲۲۹

[2] تفصیل کے لئے کتاب "طریقہ وصیت" مرتبہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم ملاحظہ کیجیے۔

ڈیوٹی کا ہے، اس میں پوری دیانتداری سے ڈیوٹی ادا کرنا، کسی قسم کی خیانت سے بچتے رہنا وغیرہ امور کا لحاظ ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کے لئے جو دنیا و آخرت میں اپنے بیٹے کو قائد، عالم باعمل، داعی بنانا چاہتے ہوں۔

تربیت کے سلسلے میں اس واقعہ کو ہمیشہ مدِ نظر رکھیے۔

اس واقعہ سے ہر والد اندازہ لگا سکتا ہے کہ بزرگوں کو اپنے بچوں کی تربیت کی فکر کیسی رہتی تھی، خاص طور پر حرام غذا سے بچنے اور بچانے کی فکر ان حضرات پر بہت ہی غالب رہتی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حلال لقمہ کی قدر اور حرام سے بچنے اور بچانے کا اہتمام نصیب فرمائے۔

ایک روز بیت المال کے میوہ جات میں سے سیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے روبرو تقسیم کیئے جا رہے تھے، اچانک خلیفہ کے ولی عہد خرد سال نے ہاتھ لمبا کر کے ایک سیب ان میں سے اٹھا لیا اور کھانے لگا۔ امیر المومنین نے وہ سیب اس کے منہ میں سے ایسے غصے کے ساتھ جھٹکا دے کر چھڑا لیا کہ اس کا منہ زخمی ہوگیا۔ بچہ روتا روتا اپنی ماں کے پاس آیا، ماں نے بازار سے سیب منگوا کر بچے کو دے دیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ حرم میں آئے، بچے کے ہاتھ میں سیب دیکھا اور کہا: ”یہ کہاں سے آیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کے بیت المال سے لایا گیا ہو۔“ اہلیہ نے اظہار رنج کیا کہ ایک ناچیز سیب کی خاطر میرے بچے کا منہ زخمی کر دیا تو خلیفہ نے فرمایا: ”تو سچ کہتی ہے، لیکن میرے لئے یہ حرکت دشوار ہوگئی، بہتر نہ سمجھا کہ ایک سیب کی خاطر ثواب عدل سے محروم ہو جاؤں اور میرا نام نیکو کاروں کی فہرست سے قلم زد کر دیا جائے۔ [1]

غور کیجیے! امیر المومنین کے اس حکیمانہ عمل پر کہ بیوی صاحبہ جب ناراض ہوئیں تو کس طرح حکمت اور بہترین تدبیر کے ذریعہ بیوی صاحبہ کو سمجھایا، ایسا نہیں

---

[1] مخزن اخلاق: ص ۴۴۰

کہ بچے کی تربیت کی خاطر بیوی سے جھگڑ پڑے یا بچہ پر رحم کھاتے ہوئے بیوی پر ظلم کردیا۔ یاد رکھیئے! اولاد کی تربیت کے لئے بیوی کو بھی اعتماد میں لینا پڑتا ہے اور بیوی سے بحث و مباحثہ، مناظرہ و مجادلہ، تو تو میں میں کے بجائے افہام و تفہیم، محبت و حکمت، صبر و تدبیر کے ذریعے بیوی کو سمجھانا پڑتا ہے، اس کے لئے کبھی بیوی کی کڑوی کسیلی پر صبر بھی کرنا پڑتا ہے، کبھی اکیلے میں سمجھانا پڑتا ہے، کبھی رات کو اٹھ کر دعائیں کرنی پڑتی ہیں، کبھی اس کے ناز و نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی اپنے گناہوں پر توبہ استغفار کر کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

بچوں کی اصلاح سے مایوس نہ ہوں

بچے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں۔ چونکہ بچے فطرتاً شوخ اور چلبلے ہوتے ہیں، لہٰذا اپنی اسی فطری کمزوری کی بناء پر شرارت بھی کرتے ہیں اور کبھی کبھی تو ان کی یہ شرارت اکتانے کی حد تک پہنچادیتی ہے اور اچھے خاصے متحمل مزاج والد صاحب بھی جھنجھلا جاتے ہیں اور بچوں سے زیادہ شور مچانے لگتے ہیں۔ اس طرح ہرگز نہ کریں، بلکہ یہ سوچیں کہ جب آپ اس عمر میں تھے تو آپ بھی تو اس طرح کی شرارتیں کیا کرتے تھے۔

لیکن کبھی کبھی بچوں کی یہ شرارت کسی ایسی عادت میں تبدیل ہونے لگتی ہے، جو مناسب نہیں، تو ایسی حالت میں بچوں کو نرمی سے سمجھایئے کہ ''بیٹا یہ حرکت مناسب نہیں، آئندہ آپ اپنے کو اس گندی حرکت سے بچایئے۔''

مثلاً آپ نے دیکھا کہ کھیل کے دوران آپ کے بچے نے دوسرے بچے کو گالی دی تو فوراً اسے سمجھایئے کہ بیٹا گالی نہیں دیتے، اس سے زبان گندی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتے ہیں۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، لہٰذا آئندہ اس طرح کی بات منہ سے نہ نکالیئے۔

اسی طرح اگر بچے میں جھوٹ بولنے کی، یا اللہ نہ کرے چوری کرنے کی یا دوسرے بچوں سے لڑنے جھگڑنے کی عادت ہے تو اسے نرمی سے سمجھایئے اور ایک بار نہیں بار بار سمجھایئے کہ کسی طرح وہ ان بری حرکات کو چھوڑ دے، یہ نہیں کہ آپ نے ایک بار یا دو تین بار بول کر سمجھ لیا کہ میں نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر لی، اب وہ نہیں مانتا تو میں کیا کروں، یہ سوچ کر اس کی اصلاح سے ناامید ہو جانا بہت ہی غلط بات ہے۔

ذرا بتایئے! کہ بچے کے ہاتھ میں تیز دھار چھری ہو اور والد کو خطرہ ہو کہ بچہ کہیں اس سے اپنے آپ کو زخمی نہ کر لے تو کیا والد ایک آدھ بار کہہ کر یہ سمجھ کر خاموش ہو جائیں کہ وہ نہیں دے رہا تو میں کیا کروں، بلکہ والد صاحب ہر طرح سے کوشش کریں گے کہ یہ چھری اس کے ہاتھ سے لے لیں، تاکہ وہ زخمی ہونے سے بچ جائے۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی کیجیے، بلکہ اگر آپ محسوس کریں کہ بچے پر میری بات کا اثر نہیں ہوا تو اور سوچیں اور اس بارے میں غور کریں، اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور دوسرے طریقوں اور مثالوں سے بچے کو سمجھائیں، مایوس ہونا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ ہم جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، وہ کبھی کفار سے باوجود ان کفار کی سخت دشمنی کے مایوس نہیں ہوئے تو ہم اولاد سے مایوس کیوں ہوں۔ جب طائف کے رہنے والوں نے اسلام کو اور آپ کی بات کو ماننے سے انکار کر دیا، نہ صرف انکار بلکہ شہر کے منچلے نوجوانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر ماریں، اور ان ظالموں نے آپ کو پتھر مار مار کر سارا جسم لہولہان کر دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی حدود سے باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آپ کے پاس آیا کہ اللہ کے رسول! اگر اجازت ہو تو ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا کر رگڑ دوں اور جو لوگ ان کے درمیان ہیں، ان کو ہلاک کر دوں، قربان جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا پیارا اور شفقت بھرا

جواب عطا فرمایا:

"بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا." [1]

تَرجَمہ: "میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا، جو صرف اس وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔"

اور واقعی بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے دین کا خوب کام لیا۔ یہ قبیلہ ہجرت کے چند سال بعد مشرف بہ اسلام ہوا، اسی قبیلہ والوں کی اولادوں میں سے محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جنہوں نے سندھ میں سب سے پہلے اسلام کے جھنڈے گاڑے۔ اس لئے اولاد کی اصلاح سے کبھی بھی مایوس نہ ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مکہ کے ان لوگوں کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے اور ہر لمحہ دین کے مٹانے کی فکر میں تھے، دین کا محافظ اور دین کا داعی بنا سکتا ہے تو اس نافرمان اور برائیوں میں مبتلا اولاد کو بھی زمانے کا ولی اور دین کا داعی بنا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے آپ کو تھوڑی سی محنت اور صبر کی ضرورت ہوگی، آپ کی نیم شب کی دعائیں درکار ہوں گی، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ "تین شخصوں کی دعا رد نہیں کی جاتی، ایک والد کی دعا بیٹے کے لئے اور مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا۔" [2]

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لئے سو نسخوں کا ایک نسخہ اکسیر، والدین کا گناہوں سے توبہ کر کے گڑگڑا کر رو رو کر دعائیں مانگنا ہے۔

اولاد کو سمجھانے سے تھکیں نہیں، اور سمجھاتے ہوئے ان تین باتوں کا خیال

[1] بخاری، کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ: ج۱ص۴۵۸

[2] مشکوٰۃ، کتاب الدعوات: ج۱ص۱۹۵

رکھیں۔

① کسی اہم بات کو سمجھانے کے لئے پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور دعا سے پہلے ہو سکے تو کچھ نفلی صدقہ بھی نکالیں۔ اے اللہ! میں آج یہ بات اپنے بیٹے/بیٹی کو سمجھانا چاہتا ہوں، آپ ہی اس کے دل میں اتار دیجئے۔ اے اللہ! دلوں کے آپ ہی مالک ہیں۔ آپ میرے بیٹے/بیٹی ...... کو ہدایت دے دیجئے۔ اہلیہ کو بھی کہیں کہ وہ بھی دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگیں۔

② اس کے بعد جو چیز سمجھانا چاہتے ہیں، اس کے فوائد شمار کر کے اس کو بتلائیں اور جس چیز سے بچانا چاہتے ہیں، اس کے دنیا و آخرت کے نقصانات بتلائیں۔

③ سمجھاتے ہوئے لہجہ نرم رکھیں۔ خاص طور سے بالغ بچہ ہو تو اس کا زیادہ خیال رکھیں، ہرگز اس طرح نہ کہیں! کہ ہزار مرتبہ تو سمجھا چکا ہوں، اب لکھ کر دوں؟

اردو میں تو بول چکا، اب نیو ٹاؤن مدرسہ سے کوئی عربی کا پروفیسر بلاؤں، جو عربی میں سمجھائے یا انگریزی میں سمجھائے، تم نے سمجھ کیا رکھا ہے؟

تمہاری حیثیت کیا ہے؟ وغیرہ، ایسے کلمات جن سے صرف باپ کا غصہ ہی ختم ہو اور بچے کے لئے مفید ہونے کے بجائے نقصان دہ ہوں، ایسے الفاظ سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھانے کا ڈھنگ نصیب فرمائے۔

بعض اوقات والد کی سلجھی ہوئی کوششیں اور گناہوں سے توبہ کے بعد کی دعائیں، والد کی موت کے بعد رنگ لاتی ہیں، والد کی کوششوں اور دعاؤں سے یا تو والد کی زندگی میں یا موت کے بعد اولاد راہ راست پر آجاتی ہے، اس لئے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچائیے

بعض بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ انتہائی خاموش اور سہمے سہمے سے رہتے ہیں۔

بچپن کا وہ چلبلا پن جو بچوں کی فطرت ہے اور جو بچوں کو چین و سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا، وہ ان میں مفقود ہوتا ہے۔ کسی کے سامنے بولنے سے گھبراتے ہیں اور اپنے ہم عمر بچوں سے بھی صحیح طریقے سے بات نہیں کر پاتے، یہ درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ بچہ احساس کمتری میں مبتلا ہے۔ عموماً بچوں میں یہ احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے آس پاس ان کے بڑے اپنی مرضی سے چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور جو دل میں آئے کرتے ہیں اور اسے ہر شخص معمولی معمولی باتوں پر ڈانٹتا ہے اور ہر معاملے میں اسے چھوٹا سمجھ کر یا بیوقوف کہہ کر نظر انداز کر کے کمتری کا احساس دلاتا رہتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ایک بچے کو دوسرے بچے پر ترجیح دی جاتی ہے یا کسی دوسرے بچے کی طاقت اور ذہانت سے اس کا موازنہ کیا جاتا ہے اور پھر اس کی کمزوری کا اس کے سامنے اظہار کیا جاتا ہے۔ گویا بار بار اس بچے کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ فلاں بچہ خوبصورتی میں، قوت میں، ذہانت میں، تم سے بڑھ کر ہے، اس سے بچوں میں کمتری کا احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کمزور اور کمتر سمجھنے لگتے ہیں۔

حالانکہ مشاہدہ ہے کہ بچپن میں کسی بچے کا ذہنی یا دماغی طور پر کمزور ہونا، اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔ بے شمار واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ ایک بچہ بچپن میں انتہائی کمزور اور کند ذہن تھا، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا ذہین بنایا اور اس سے وہ کام لیا، جو بڑے بڑے ذہین لوگ نہ کر سکے۔ اس لئے خدارا! اپنے بچوں کا کسی بھی طرح دوسروں سے موازنہ نہ کیجیے۔ اگر اس میں جسمانی طور پر کوئی کمی ہے یا بدصورت ہے تو یہ اس کا قصور نہیں، اس لئے کہ شکل و صورت اللہ تعالیٰ کی دین ہے، جسے چاہے خوبصورت بنائے اور جسے چاہے عام صورت بنائے، درحقیقت سب خوب صورت ہیں کہ اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [1]

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے۔''

لہٰذا کوئی بدصورت نہیں۔ بقول شاعر ؏

کوئی بدصورت نہیں قدرت کے کارخانے میں

اس لئے بجائے بچوں کو یہ احساس دلانے کے کہ وہ بدصورت ہیں، ذہنی طور پر کمزور ہیں، بھولے ہیں، بے وقوف ہیں، ان کا حوصلہ بڑھائیں، ان کو ایسے لوگوں کے واقعات سنائیں، جنہوں نے باوجود معذوری اور کمزوری کے دنیائے علم میں نام پیدا کیا، مثلاً ''مقامات'' عربی ادب کی ایک بے مثل کتاب ہے۔ ان کے مصنف کے بارے میں تاریخ گواہ ہے کہ حد درجے بدصورت تھے، لیکن اپنے اس علمی کارنامے کی وجہ سے ان کا یہ عیب کسی کو نظر نہیں آیا اور آج تک ان کا نام عربی ادب میں انتہائی احترام سے لیا جاتا ہے۔

مصر کے مشہور عالم، مصنف اور وزیر طٰہٰ حسین نابینا تھے۔

سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز نابینا تھے۔ مشہور موجد ایڈیسن، جس نے بلب ایجاد کیا، بہرا تھا۔

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں کہ جسمانی طور پر معذور یا بدصورت یا کم سمجھ بھولے لوگوں نے دنیائے علم میں وہ مقام پیدا کیا، جو کوئی صحیح اور ذہین شخص بھی نہ کر سکا۔

بچوں کو کچھ ایسے کام آزادانہ طور پر ضرور کرنے دیجیے، جس سے ان میں خود اعتمادی اور جرأت پیدا ہو۔ بات بات پر بچے کو ٹوکنا اور اس کی تمام حرکتوں پر گہری نظر رکھنا مناسب نہیں ہے۔ اس کی قوت ارادی کو پروان چڑھانے کے لئے تھوڑا بہت مالی نقصان بھی برداشت کیجیے۔ مثال کے طور پر آپ نے بچے کو کچھ کھلونے لا

[1] سورۃ التین آیت ۴

کر دیئے، بچہ ان کھلونوں کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے، ان کے پیچ پرزے کھولتا ہے تو بچے کو ایسا کرنے دیجئے، دراصل بچہ مختلف تجربے کر رہا ہے، اس سے اس کے اندر خود اعتمادی بھی پیدا ہوگی اور تجرباتی صلاحیت بھی پروان چڑھے گی۔ اگر آپ نے اس کو ڈانٹ دیا، تو وہ وقتی طور پر اپنے مشغلے سے باز تو آجائے گا، مگر اس کی خود اعتمادی مجروح ہوجائے گی۔

اسی طرح کبھی بچوں میں یہ احساس کمتری اس وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے کہ والدین حد سے زیادہ ان کے کاموں میں ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور انہیں پورے طریقے سے آزادی کے ساتھ کام کرنے نہیں دیتے۔ آہستہ آہستہ بچوں کو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ وہ کوئی کام تنہا نہیں کرسکتے اور جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے پاس اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ دوسروں کے دست نگر ہوتے ہیں۔ اس لئے بچوں کو اپنا کام خود آزادی سے کرنے دیں۔ اس کی نگرانی ضرور کریں، لیکن ان کے کام میں جہاں تک ممکن ہو، ہاتھ نہ ڈالیں اور انہیں ترغیب دیں کہ وہ ہمت کر کے اپنا کام خود پورا کریں۔ اس طرح ان میں اعتماد پیدا ہوگا اور کوئی بھی کام کرتے وقت انہیں کمتری کا احساس نہیں ہوگا۔

اسی طرح احساس کمتری کا ایک اہم سبب حسد ہے۔

بچہ جب کسی کو طاقتور دیکھتا ہے اور خود باوجود کوشش کے اتنی طاقت کا اظہار نہیں کرسکتا تو اس سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح کسی کو زیادہ ذہین یا مالدار دیکھتا ہے یا کسی کے اندر کوئی خوبی اپنے سے بڑھ کر دیکھتا ہے، تو اس سے حسد کرنے لگتا ہے اور یہیں سے اس کے احساس کمتری کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس لئے بچے کو اس مرض سے بھی بچائیے اور وہ آیات اور احادیث اسے سنائیے اور یاد کرائیے، جس میں حسد کی برائی کو بیان کیا گیا ہے اور صبر کرنے کا سبق اسے سکھلائیے۔ ایک ضروری بات یہ کہ حسد کی وجہ کو بدلنے کی کوشش کیجیے، مثلاً بچوں کو یہ سمجھائیے کہ بیٹا! ایسی چیزیں

جن میں آپ محنت کر کے دوسرے بچوں سے آگے بڑھ سکتے ہو، ان میں ضرور مقابلہ کرو، یعنی آپ کا ہم جماعت روزانہ ایک رکوع حفظ کر لیتا ہے اور بغیر اٹکے قاری صاحب کو سنا دیتا ہے، اب آپ ڈیڑھ رکوع روزانہ یاد کرنے کی کوشش کرو، آپ کا ہم کلاس ہر مضمون میں ۱۰۰ اور ۱۰۰ نمبر لیتا ہے، آپ بھی خوب محنت کر کے ایسا کر کے دکھاؤ، آپ کی سہیلی کو جماعت میں کبھی مار نہیں پڑتی، آپ ایسی کوشش کرو کہ ٹیچر سے کبھی ڈانٹ بھی نہ پڑے وغیرہ۔ اگر آپ نے ان اصولوں پر عمل کر لیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ قوی امید ہے کہ آپ کے بچے احساس کمتری سے محفوظ رہیں گے۔

شیخ سراج الدین ندوی فرماتے ہیں: بچے میں خود تجربہ کرنے کا داعیہ فطری طور پر موجود ہے۔ اس تجرباتی دور میں بچے سے اگر کوئی نقصان ہو جائے تو اس پر برا فروختہ (ناراض) نہ ہوئیے، بلکہ بچے کی شخصیت کی تعمیر کے لئے اس نقصان کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیجیے۔

مثلاً آج ہی آپ ٹیپ ریکارڈر لے کر آئے، کئی بار اس کو آپ نے آن آف کیا، کئی بار آواز آہستہ اور بلند کی، پھر آپ گھر سے باہر چلے گئے، ٹیپ آپ کی میز پر رکھا ہوا ہے، کمرے میں صرف آپ کا ٹیپ ہے اور "منا" ہے۔ منا بھی اس کو آپ کی طرح آن کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ سوئچ ادھر ادھر گھماتا ہے، الٹے سیدھے بٹن دبانے سے ٹیپ میں کچھ خرابی آجاتی ہے۔ اسی دوران آپ کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ٹیپ ہاتھ میں لے کر آن کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ٹیپ سے کوئی آواز نہیں آرہی ہے، آپ منے پر برس پڑتے ہیں۔ خوف سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ غور کیجیے! یہاں پر آپ نے بچے کی تجرباتی صلاحیت کا خون کیا ہے۔ اب بچہ کوئی بھی نیا تجربہ کرنے سے گریز کرے گا۔ جس کے نتیجے میں اس کے اندر نکما پن پیدا ہو جائے گا۔ بچے پر برا فروختہ ہوتے وقت آپ یہ بھول گئے کہ آپ بھی تجربہ کرتے وقت بہت سے نقصانات کر بیٹھتے ہیں۔ اس لئے بچے کے جائز تجربہ و تجسس سے چشم پوشی

کیجیے۔ البتہ اگر آپ یہ دیکھیں یا محسوس کریں کہ بچے کا کوئی تجربہ، نادانی کی وجہ سے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہے تو اسے محبت اور نرمی سے روکیے۔

اگر بچے کے جبلی تقاضوں کی تکمیل نہ کی جائے اور فطری خواہشوں کو جائز طور پر پورا نہ کیا جائے تو اس کا قوی اندیشہ رہتا ہے کہ بچے غلط طریقے سے اپنی فطری خواہشوں کو پورا کریں۔

لہٰذا آپ بچے کے فطری تقاضوں کی تکمیل کا بھرپور اہتمام کریں۔ البتہ غیر معمولی لاڈ پیار سے بچے کو بگڑنے نہ دیجیے۔ زیادہ لاڈ پیار بھی بچے کو بگاڑ دیتا ہے۔ اس سلسلے میں توازن و اعتدال کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ ذرا سی بے اعتدالی بھی بچے کو بگاڑ سکتی ہے۔

بعض بچے ماں باپ کی جائز محبت وشفقت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور یہ محرومی ان کے اندر بہت سی ذہنی و اخلاقی بیماریوں کا موجب بن جاتی ہے۔ بچہ اپنے ماں باپ سے بجا طور پر محبت و ناز برداری کی توقع رکھتا ہے اور جب اس کی توقع پوری نہیں ہو پاتی تو اس میں جھنجھلاہٹ اور ہیجانی کیفیت کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔ ایسی صورت میں آپ اپنے بچے سے غیر مشروط محبت کیجیے، وہ آپ کی محبت کا بھوکا ہے، اپنی عملی زندگی سے اسے پیار اور محبت کا یقین دلایئے۔ یہ پیار اور محبت بہت سی خرابیوں کا کامیاب ترین علاج ہے۔

اگر بچہ آپ کے رویے یا کسی جسمانی کمزوری کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو کر بگڑنے لگا ہے، تو فوراً اپنے رویے کی اصلاح کیجیے۔ کسی بات پر چڑنا، بات بات پر ٹوکنا، تحقیر وتذلیل کا رویہ اختیار کرنا بچے کے اندر احساس کمتری کو پیدا کر دیتا ہے اور یہ احساس کمتری بہت سے نقائص کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ [1]

[1] ماخوذ از بچوں کی تربیت کیسے کریں، شیخ سراج الدین ندوی: ص ۲۲۴

بچے کو ناجائز دباؤ میں نہ رکھیئے

عموماً چار یا پانچ بچوں والے گھروں میں جو بچہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے، تمام گھر والوں کی تنقید کا نشانہ وہی ہوتا ہے۔ گھر کے تمام بڑے افراد جیسا کہ یہ کبھی بڑا ہوگا ہی نہیں، ہر وقت اس کو جھڑکتے رہتے ہیں۔ اس کے نتائج بہت ہی خراب نکلتے ہیں کہ بسا اوقات ان کا بگاڑ صرف گھر کے اندر خرابی کا باعث نہیں ہوتا، بلکہ پورے معاشرے کے لئے ایک وبال بن جاتا ہے۔ چونکہ چار یا چھ افراد پر مشتمل یہ کنبہ بھی معاشرے کا حصہ ہے، اس لئے اس کے اندر ہونے والے معاملات کا معاشرے پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔

۱ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کے درمیان گھرا ہوا بچہ فطری ذہنی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔

۲ اس طرح کے بچے عموماً احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔

۳ ناامیدی ان میں رچ بس جاتی ہے۔

۴ کسی کو اپنی بات سمجھانے سے قاصر ہوتے ہیں۔

۵ کسی بھی تعمیری کام میں حصہ لینے سے گھبراتے ہیں۔

۶ صلاحیت ہونے کے باوجود کوئی کام نہیں کر سکتے اور گذرے ہوئے حالات کو جن میں وہ نفرت کا شکار رہے، اس کی وجہ سے اپنے سے بڑی عمر کے تمام لوگوں کو اس کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایسے بچے جب اپنے جذبات کو مجروح ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اپنی خواہشات کا گلا گھٹتے ہوئے دیکھتے ہیں، ان کو کوئی صحیح رہنمائی کرنے والا نہیں ملتا، ان کے جذبات و احساسات کی ترجمانی صحیح طور پر نہیں ہوتی تو ایسے بچے بچپن ہی سے غلط احساسات کا شکار ہوجاتے ہیں، احساس کمتری ان میں جنم لیتی

ہے، اب ان کی وہ صلاحیتیں جو کہ مثبت طور پر استعمال ہوتی تھیں، وہ منفی رخ اختیار کر لیتی ہیں اور وہ غلط سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیتے ہیں، جس سے ان کی منفی سوچ کو مزید تقویت ملتی ہے۔ اس سوسائٹی میں ان کی باتوں کو سننے والے بہت ہوتے ہیں، کیونکہ وہ سارے بھی اسی قسم کے حالات کے ستم رسیدہ ہوتے ہیں اور اسی سوسائٹی کے دوست اس کو تباہی کے دہانے پر لے جا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔

اللہ نہ کرے، بعض اوقات ایسی صورتحال کے شکار بچے نشے کی طرف بھی راغب ہو سکتے ہیں، اور اس زہر کو اپنے اندر گھولتے رہتے ہیں، تھوڑے سے سکون کو جو کہ گھر کے اندر ان کو نصیب نہیں ہوتا، اس دھوئیں سے حاصل کرتے ہیں۔ اس بات سے بے خبر ہو کر کہ یہ دھوئیں کے بادل وقتی طور پر تو ذہن کے لئے سکون کا کام دیتے ہیں، لیکن ان سے برسنے والی بارش آب حیات نہیں بلکہ سم قاتل ہے۔

ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے کہ اولاد کے ساتھ یکساں شفقت کا سلوک رکھے اور اس کا خیال رکھے کہ کسی کی دل آزاری اس طرح نہ ہو کہ بڑی اولاد کی تعریف کی، چھوٹے کو نکما، کاہل وست اور برا کہا، بلکہ اگر کسی میں اس طرح کی کوئی بات دیکھے تو سمجھا بجھا کر پیار ومحبت کے پھولوں کو مساوی طور پر تقسیم کرے۔ اس سے بچوں میں ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ آئے گا اور محبت بڑھے گی۔

بچے کو اپنی عزت کا بہت خیال ہوتا ہے۔ اور جب اس کی بے عزتی کی جاتی ہے تو اس کے نتائج بہت خراب نکلتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ ایک ہی بچے سے زیادہ کام کروایا جائے، اور دوسرے کو اپنے پاس باتوں کے لئے بٹھایا جائے، یا اس لئے دوسرے سے کام نہ کروایا جائے کہ وہ بے وقوف ہے کام خراب کر دے گا، ہرگز ایسا نہ کیجیے، یاد رکھیے! بچے میں یہ حس بہت تیز ہوتی ہے، وہ اس کو بہت ہی برا محسوس کرتا ہے۔

لہٰذا اس کا ایک حل یہ ہے کہ آپ تمام بچوں کے ساتھ گھر میں کھانے کے لئے

بیٹھے ہوئے ہیں، اور اچانک فون کی گھنٹی بجتی ہے، آپ فوراً کسی کو حکم نہ دیں کہ ''جاؤ زینب فون اٹھاؤ'' یا پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو ''جاؤ ایوب پانی لے آؤ''، کیونکہ اس وقت سب مزہ سے باتیں کررہے ہیں یا کوئی قصہ سن رہے ہیں، یا بھوک کی شدت کی وجہ سے، بہت مزہ سے کھانا کھارہے ہیں، اس حالت میں بار بار ایک ہی بڑی بچی کو حکم دینا، یا صرف چھوٹے بچے کو ہی کہنا نامناسب ہوگا، اس صورت میں عمومی حکم دیجیے کہ کون پہل کرتا ہے کہ پانی کا گلاس لے آئے، ماشاء اللہ شاباش دیکھو بھائی اب کون پہل کرتا ہے کہ فون اٹھائے...... ماشاء اللہ، ماشاء اللہ......

ایوب...... بیٹے آج تو آپ نے تین کام کرلیے، دیکھو بات یہ ہے کہ جو اپنے جسم کو خوب استعمال کرے گا دوسروں کے کام آئے گا، امی ابو بھائی بہنوں کے کاموں میں ہاتھ بٹائے گا، اس کی صحت بھی اچھی رہے گی، اس کو کام کا ڈھنگ بھی آجائے گا، سب اس کو دعائیں دیں گے وغیرہ۔

لہٰذا کسی طرح بھی اپنے دل و دماغ میں ان خیالات، جذبات کو جگہ نہ دیجیے کہ فلاں بیٹا زیادہ ہوشیار ہے، فلاں بیٹا کاہل وست ہے، فلاں بیٹی بے وقوف ہے بلکہ آپ کے نزدیک تمام بچے بچیاں برابر ہیں، سب کے ساتھ یکساں سلوک کیجیے، آپ کی زبان پر ہرگز یہ بات نہ آئے کہ تم بے وقوف ہو، غافل ہو، کاہل ہو...... ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، یاد رکھیے! اس طرح کہنے سے شاید والد کا غصہ تو ٹھنڈا ہوسکے گا، لیکن بچہ کی بے وقوفی کا علاج نہیں ہوسکے گا، بہت ہی زیادہ ہوشیاری و سمجھداری کے ساتھ، بہت ہی زیادہ صبر و تحمل کے ساتھ جو سست ہے اس کو چست بنانے کی...... جو بے وقوف ہے اس کو سمجھدار بنانے کی...... اس طرح کوشش کیجیے کہ وہ یہ سمجھے کہ ابا کی نظر میں میں بھی ہوشیار ہوں۔ ابا مجھے بھی چست سمجھتے ہیں، لیکن مزید ہوشیاری کے لئے سمجھا رہے ہیں۔

یاد رکھیے! یہ بہت نازک معاملہ ہوتا ہے، اس وقت والد اپنے پر قابو پاتے

ہوئے اپنے بچوں کی تربیت کرلے تو ایسے والد کے لئے دنیا بھی جنت ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ جب بڑے بھائی، چھوٹے بھائی کو ڈانٹیں گے، اس کی تذلیل کریں گے تو یہ بات پکی ہے کہ آپس میں دلوں میں بھی نفاق پیدا ہوگا اور بڑی عمروں تک پہنچنے پر یہی کدورت اور دلوں میں چھپی ہوئی خلش، نفرت اور دوری کی صورت اختیار کرلے گی۔ اس لئے اللہ نے آپ کو جب باپ کا درجہ دے دیا ہے تو آپ اپنے بچوں کے تمام معاملات اور معمولات خود ہی طے کریں۔ اگر آپ بڑے بیٹے کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے تو اس کو البتہ یہ حق بامر مجبوری اور بقدر ضرورت دیا جاسکتا ہے، ورنہ ہوتا یہ کہ اگر کسی کے چار بڑے بھائی اور تین بہنیں ہیں تو یہ سات مل کر حکماً باپ کا درجہ لے لیتے ہیں۔ اس چھوٹے بھائی کو حکم کرنے میں یا کسی بات سے روکنے میں ''آرڈر'' اس طرح دیتے ہیں، جس طرح باپ ہوں۔

آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ جس شخص کا حقیقی باپ تو ایک ہو اور حکم دینے والے اور رعب جمانے والے بار بار ''کرکر'' کرنے والے سات ہوں تو اس کا جو بھی حشر ہو، وہ قرین قیاس ہے۔ لہٰذا اگر چھوٹے بیٹے کی طرف سے بڑے بھائی بہنوں کے متعلق شکایت آئے تو ان کے سامنے تو چھوٹے بیٹے کو سمجھائیں کہ بڑوں کا ادب کرو اور بڑوں کو اکیلے میں سمجھادیں کہ بندہ (یعنی میں)، اس کا باپ زندہ ہوں، آپ لوگ اس کو کسی حال میں بھی کچھ نہ کہیں۔ اگر یہ کوئی غلط کام کررہا ہو تو آپ اس کو سمجھائیں، اگر سمجھتا نہیں تو دعا مانگیں کہ اے اللہ! میرے چھوٹے بھائی کو ہدایت دے، پھر دوبارہ سمجھائیں، پھر بھی نہیں سمجھتا تو مجھے اکیلے میں بتلائیں، میں سمجھاؤں گا۔ مگر ہرگز ہرگز اس پر ہاتھ نہ اٹھائیں، اس کو جھڑکیں اور ڈانٹیں نہیں۔ اس طرح کرنے سے ان شاء اللہ الرحمٰن بڑے بیٹوں کا اپنا بھی حق باقی رہے گا اور چھوٹے بیٹے کی اصلاح بھی ہوجائے گی اور چھوٹے، بڑوں کا ادب کرنے لگیں گے۔

بچوں کو غلطی پر ٹوکنے کا انداز

ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت میں ایسے انداز وطریقے اختیار کرے، جو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت کے لئے اختیار فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تربیتی طریقوں میں دانائی اور حکمت کو پیش نظر رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے اور نہ کوئی ایسی روش اختیار فرماتے، جس سے مخاطب کوئی غلط تاثر قبول کرلے، اس کے اندر بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہو یا وہ کسی غلط عمل کا مرتکب ہوجائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا بھرپور خیال رکھتے تھے کہ اگر کسی کی کوتاہی علم میں آجائے تو اس کو اس انداز سے نہ ٹوکا جائے کہ اسے برا محسوس ہو یا اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے، بلکہ آپ اس کے لئے کسی مناسب موقع کا انتظار فرماتے۔ انفرادی طور پر متنبہ کرنے کے بجائے کسی مجمع کو خطاب کرتے ہوئے آپ اس کوتاہی کی طرف اشارہ فرمادیتے۔ غلطی کرنے والے کو خود احساس ہوجاتا اور وہ اس کو ترک کردیتا اور اسے یہ بھی محسوس نہ ہو پاتا کہ یہ بات خاص طور سے مجھ ہی سے کہی جارہی ہے، گویا کہ براہ راست سمجھانے کے بجائے اجتماعی طور پر سمجھانے کا طریقہ اختیار فرماتے۔

ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے آپ کی بتائی ہوئی عبادات کو کم سمجھ کر غلو اختیار کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ ایک نے کہا کہ میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ دوسرے نے عزم کیا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ جب آپ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان سے براہ راست گفتگو کرنے کے بجائے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں، اور روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، اور شادی کرتا ہوں، تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے، وہ مجھ سے نہیں۔"[۱]

جب کچھ لوگوں کی غلو والی روش اور تشدد آمیز طرزِ فکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی طور پر خطاب کرتے ہوئے اس غلط طرز فکر کی اصلاح فرمادی۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ عام حضرات کے سامنے بھی اسلام کا صحیح طرز فکر آگیا، لوگوں کو غلو پسندی کے بجائے اعتدال کی راہ معلوم ہوگئی۔ اور جنہوں نے غلو کیا تھا، ان کی بات دوسروں کے سامنے نہ کھل سکی، جس سے وہ شرمندہ ہونے سے بچ گئے۔

اسی طرح اگر اولاد کوئی غلطی کرے اور باپ محسوس کرلے تو باپ کو چاہیے کہ عمومی رد کرے۔ کسی خاص بچے کا نام لے کر اور اسے مخاطب کر کے نہ کہے، اس طرح باقی سب بچوں کو بھی تنبیہ ہوگی، ہاں اگر انفرادی تنبیہ زیادہ بہتر ہو تو انفرادی طور پر تنبیہ کرے، لیکن مثبت انداز میں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کبھی اس کی ضرورت محسوس فرماتے کہ غلطی پر براہ راست متنبہ کردیا جائے تو تنہائی میں نہایت دل سوزی اور محبت کے انداز میں سمجھاتے، تاکہ مخاطب کسی احساس کمتری کا شکار بھی نہ ہو اور وہ اپنی اصلاح بھی کرلے۔ ایک بار عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ ان کا ہاتھ پلیٹ میں کبھی ادھر پڑتا کبھی ادھر، چونکہ وہاں دوسرے لوگ موجود نہیں تھے اور بروقت سمجھانا ہی زیادہ بہتر تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الفور عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو متنبہ کیا، مگر منفی انداز میں نہیں بلکہ نہایت پیار بھرے لہجہ اور مثبت انداز

[۱] مسلم شریف، کتاب النکاح باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ: ج ۱ص ۴۴۹

میں فرمایا۔ مزید یہ کہ آپ نے صرف اسی کوتاہی پر نہیں ٹوکا، بلکہ کھانے کے بنیادی آداب بیان فرمائے کہ عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ آپ میری غلطی پر مجھے ٹوک رہے ہیں، بلکہ وہ یہ سمجھے کہ مجھے کھانے کے آداب بتا رہے ہیں۔ اس لئے آپ نے پہلے دوسرے آداب بتائے، ور آخر میں یہ ادب بیان فرمایا کہ پلیٹ میں اپنی طرف سے کھانا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«یا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَ کُلْ بِیَمِیْنِكَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْكَ»[1]

ترجمہ: ''اے بیٹے! (جب کھانا کھاؤ تو سب سے پہلے) اللہ کا نام لیا کرو۔ اور داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنی طرف سے کھایا کرو۔''

دیکھیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس پیار بھرے انداز میں گفتگو شروع فرمارہے ہیں۔ غلطی پر مثبت انداز میں پیار ومحبت کے ساتھ رہنمائی فرمارہے ہیں۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے:

«اُدْنُ مِنِّیْ، فَسَمِّ اللّٰهَ، وَ کُلْ بِیَمِیْنِكَ، وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْكَ»[2]

ترجمہ: ''میرے نزدیک ہو جاؤ، ''الی آخرہ''۔''

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اس طرح محبت بھرے انداز میں خطاب فرمایا:

«اُدْنُ یَا بُنَیَّ»[3]

یعنی پہلے اس یتیم بچے کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں تھا، اس کو اپنے سے نزدیک فرمایا، کہ میرے پاس قریب آکر بیٹھ جاؤ، پھر محبت بھرے خطاب سے نوازا، اے میرے بیٹے!

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب واحکامهما: ج ۱ص ۱۷۲

[2] مختصر سنن ابوداود للمنذری، کتاب الاطعمة: رقم ۳۶۲۹

[3] صحیح سنن الترمذی، باب ماجاء فی التسمیة علی الطعام، رقم: ۱۵۱۲

دکتور فضل الٰہی اپنی کتاب "اللین والرفق" میں فرماتے ہیں:

﴿كَيْفَ كَانَ أَثَرُ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْمَقْرُوْنَةِ بِالرِّفْقِ وَاللُّطْفِ وَالْكَرَمِ﴾

ترجمہ: "کتنا اچھی طرح سمجھاتا تھا، ایسا سمجھانا یا اس طرح دعوت دینا، جو انتہائی نرمی اور ہمدردی و مہربانی کے اظہار کے ساتھ ہو، وہ ضرور اثر رکھتا ہے۔"

اسی کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

﴿فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِي بَعْدُ﴾[1]

ترجمہ: "یعنی اس کے بعد سے ہمیشہ کے لئے یہ بری عادت میں نے چھوڑ دی، اور ان آداب کے موافق کھانا شروع کر دیا۔"

اسی طرح بعض اوقات عملاً کسی کو کسی غلط عمل سے روکنا بہت مفید ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی غلطی کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے زبان سے کچھ نہ کہتے، بلکہ عملاً غلطی سے روک دیتے اور غلطی کرنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا۔ بعض موقعوں پر یہ عملی قدم، زبانی ہدایت سے زیادہ موثر اور نصیحت آمیز ہوتا۔ ایک بار حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سواری پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی، حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھنے لگی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ دوسری طرف کر دیا۔[2]

اس موقع پر زبان سے کوئی بات کہنا مصلحت و حکمت کے خلاف تھا کہ کس

---

[1] صحیح البخاری، باب التسمیة علی الطعام والاکل بالیمین، رقم: ۵۳۷۶

[2] بخاری، کتاب المناسک، باب وجوب الحج وفضله: ج ۱ ص ۲۰۵

انداز سے بات کہی جائے؟ دونوں میں سے کس کو مخاطب بنایا جائے؟ کن الفاظ کا استعمال کیا جائے؟ اگر نہایت احتیاط کے ساتھ الفاظ استعمال کیئے جائیں تب بھی جذبہ خودداری کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ تھا۔

لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا۔ بہت آہستہ سے حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور ان کا رخ دوسری جانب کو کر دیا۔ سمجھنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو سمجھ گیا۔ یقیناً حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی کمزوری کا احساس بھی ہوا ہوگا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ طریقہ توجہ کا اثر بھی پڑا ہوگا۔

کسی بھی غلطی پر سمجھاتے ہوئے بقدر غلطی اس کو نرمی سے ٹوکیں، لیکن اس غلطی میں جو بھلائی کا پہلو ہو، اس کی ضرور حوصلہ افزائی فرمائیں۔

بھلائی کی تھوڑی سی حوصلہ افزائی، غلطی کی ڈانٹ میں اصلاح کی قوی تاثیر پیدا کر دے گی، یعنی آئندہ کے لئے اولاد کو اس کا ضمیر اس غلطی پر متنبہ کرتا رہے گا اور اس غلطی کو دہرانا اس کے لئے مشکل ہوگا۔ دیکھیئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کا انداز مبارک بھی اس طرح کا تھا کہ غلطی میں کوئی بھلائی کا پہلو ہوتا تو پہلے اس کے ذریعہ حوصلہ افزائی فرماتے، پھر غلطی نہ دہرانے کی نصیحت فرماتے۔

ایک صحابی ابا بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، جماعت ہو رہی تھی، لوگ رکوع میں تھے، ان صحابی نے وہیں سے نماز کی نیت باندھ لی اور رکوع میں شامل ہو گئے تاکہ رکعت نہ نکل جائے، اور پھر آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہو گئے، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّ لَا تَعُدْ﴾ [1]

---

[1] موطا امام محمد، باب الرجل یرکع دون الصف: ص ۱۵۲

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہارے اس دینی شوق میں زیادتی فرمائے (یعنی تم کو جو رکعت پانے کی فکر تھی، جس کی وجہ سے تم نے مسجد میں داخل ہوتے ہی نیت باندھ لی، یہ تمہارے شوق کی دلیل ہے، اللہ اس میں مزید ترقی نصیب فرمائے) اور پھر فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا (یعنی آئندہ اطمینان سے مسجد میں داخل ہوکر صف میں آکر پھر نیت باندھنا) یا نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔''

غور فرمایئے! کہ ہمارے زمانے میں کوئی چھوٹا بچہ بھی اس طرح کرے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی نیت باندھ لے اور پھر نماز میں چلتے ہوئے صف میں شامل ہوجائے تو اس کو کس انداز سے دھتکارا جاتا ہے۔

ابے جنگلی! اتنی بھی تعلیم نہیں ہے، نماز میں کبھی چلا کرتے ہیں، شرم نہیں آتی، وغیرہ......

حالانکہ یہ بڑی عمر کے آدمی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کس طرح پیار و محبت سے سمجھا رہے ہیں۔ ہم سب والدین، خصوصاً والد اور اساتذہ حضرات یہ طے کرلیں کہ ہم بھی اپنے بچوں اور چھوٹوں کو اسی طرح سمجھائیں گے تو ان شاء اللہ یہ ہمارا سمجھانا بھی دین بنے گا، یہ ہمارا سمجھانا اللہ کی رضا کا سبب بنے گا، یہ ہمارا سمجھانا اولاد کی اصلاح کا ذریعہ بنے گا۔

اسی طرح مسلم شریف میں یہ روایت ہے کہ حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، نماز پڑھنے کے دوران ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے کہا: ''یَرْحَمُكَ اللہ.'' تو لوگوں نے مجھے گھور کر دیکھنا شروع کیا، تو میں نے کہا کہ تم مجھے کیوں گھور کر دیکھتے ہو؟ تو انہوں نے اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مار کر اشارہ کیا کہ چپ رہو، نماز کے دوران بات نہیں کرنی چاہیئے تو میں چپ ہوگیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو مجھے بلایا۔

﴿فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ! مَا قَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي﴾

(اور اتنے پیارے انداز سے سمجھایا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے اپنی پوری زندگی میں نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے، بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر تعلیم دینے والا نہیں پایا۔

اللہ کی قسم! نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھڑکا اور نہ مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا اور فرمایا:

﴿إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ. إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ، وَالتَّكْبِيرُ، وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ﴾ [1]

تَرجَمَہ: ”نماز پڑھتے ہوئے باتیں کرنا یا اسی طرح کے اور کام مناسب نہیں، نماز تو تسبیح اور تکبیر اور تلاوتِ قرآن کا نام ہے۔“

لہٰذا ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے طریقے کو اپنانے کی کوشش کرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر نورانی و مبارک طریقہ امت کے لیے مشعلِ راہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں میں سو فیصد دونوں جہاں کی کامیابی منحصر ہے، ہم سب کو چاہیے کہ معاشرت و معاملات کی سو فیصد سنتیں اپنے معاشرہ میں زندہ کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ پورے عالم کے انسانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت زندہ ہو جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

﴿وَفِيهِ بَيَانُ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَظِيمِ الْخُلُقِ الَّذِي شَهِدَ اللّٰهُ تَعَالَى لَهُ بِهِ، وَرِفْقِهِ بِالْجَاهِلِ وَرَأْفَتِهِ

[1] مسلم، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من اباحته: ج۱ص۲۰۳

وَشَفَقَتَهُ عَلَيْهِ وَفِيْهِ التَّخَلُّقُ بِخُلُقِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرِّفْقِ بِالْجَاهِلِ وَحُسْنِ تَعْلِيْمِهِ وَاللُّطْفِ بِهِ وَتَقْرِيْبِ الصَّوَابِ إِلٰى فَهْمِهِ﴾ [1]

تَرْجَمَہ: ''اور اس واقعہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کار بند تھے، وہ ایسے عظیم اخلاق تھے کہ جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی اور جاہل کے ساتھ نرمی اور مہربانی اور شفقت کا برتاؤ کرنا، اور اس واقعہ میں اس بات کی تعلیم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اختیار کیئے جائیں، جن میں جاہل کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور اچھے طریقے سے تعلیم دینا اور جاہل کے ساتھ نرمی کرنا اور صحیح بات اس کی سمجھ کے مطابق کرنا۔''

اس سنت کو زندہ کرنے کے لئے والدین اور سرپرست حضرات اساتذہ و معلمات کو چاہیئے کہ دو باتوں کا خیال رکھیں۔

ان باتوں کے اہتمام سے ان شاء اللہ تعالیٰ غصہ پر قابو پانا...... حکمت کے ساتھ سمجھانا...... غلطی کی اصلاح ہو جانا...... الفت و محبت برقرار رہنا...... وغیرہ تمام امور میں سنت کی رعایت ہو جائے گی۔

❶ عین غلطی پر نہ ٹوکیں، ہرگز ہرگز رنگے ہاتھوں نہ پکڑیں، عین غلطی کے وقت پیچھے سے آ کر تھپڑ مار دینا، اور پھر سمجھانا، یا پھر افسوس کرنا کہ غصہ بہت آجاتا ہے، کیا کروں، یہ نامناسب فعل ہے۔

❷ اپنے بچے کی کوئی غلطی سامنے آنے پر، یا باہر سے شکایت سننے پر، یا اپنوں میں سے شکایت سننے پر فوراً ہی سمجھانے یا ڈانٹنے مارنے نہ لگ جایئے، بلکہ تین نمازوں کا انتظار کرے۔ تین نمازوں کا وقت گزر جانے کے بعد پھر سمجھائیں اور بلا کر پوچھیں کہ

[1] شرح النووی: ج ۵ ص ۲۰

بیٹا! کیا بات ہے؟ آج آپ کی شکایت فلاں صاحب ...... نے یا فلاں استاد ...... نے یا فلاں چچا ...... نے کی ہے۔

اگر عصر کے وقت آپ کو شکایت پہنچی ہے تو مغرب، عشاء، فجر ...... کم از کم تین نمازوں کے گزرنے کے بعد پوچھیں، ان شاء اللہ الرحمٰن اس نصیحت پر عمل کرنے سے قلب کی راحت، دل و دماغ کا سکھ چین نصیب ہوگا، ٹینشن ...... اور ڈپریشن ...... جیسی موذی بیماریوں سے نجات ملے گی۔

اب یہاں رک کر دس مرتبہ درود شریف پڑھ کر گڑ گڑا کر دعا مانگیے کہ اے اللہ! ہمیں بھی اس طرح سمجھانے کا ڈھنگ نصیب فرما، ہر جگہ بھلائی کے پہلو کو سامنے رکھ کر حوصلہ افزائی نرمی، خیر خواہی، ہمدردی کی توفیق نصیب فرما، آمین۔

ایک سمجھدار والد کا قصہ ہے کہ بیٹا سائیکل لے کر گلیوں میں چلانے جاتا تھا، والد نے سمجھایا، لیکن نہ مانا تو والد سائیکل کو تالا دے کر چلے گئے، بیٹے نے پچیس سے تالا کھول لیا اور شام کو والد کے آنے سے پہلے پہلے سائیکل اسی طرح رکھ دی کہ والد کو پتہ ہی نہ چلے، جب والد صاحب کے علم میں یہ بات آئی تو بیٹے کو بلا کر شاباش دی کہ تم تو بڑے ہو کر ماشاء اللہ بڑے سائنسدان بنو گے ...... ملک وملت کی خوب خدمت کرو گے، تمہارے ذریعہ لاکھوں لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ اس لئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عجیب ذہن دیا ہے کہ اتنے ماہر ہو کہ تالا کھول لیا، پھر اس کو اسی طرح بند بھی کر لیا کہ مجھے پتہ نہ چل سکا، پھر سائیکل اسی طرح پارک کی جس طرح صبح میں کر کے جاتا تھا۔ بیٹا تم نے بہت بڑا کمال کر دکھایا۔

پھر رات گذر جانے کے بعد صبح دوبارہ بلایا اور پھر سمجھایا: بیٹا دیکھو! یہ کمال تو ہے، لیکن اگر اس کو دوسرے پہلو سے دیکھیں تو یہ چوری بھی کہلائی جاسکتی ہے، آپ کو جو اللہ نے اتنا اچھا ذہن دیا ہے، اس کو آپ چوری پر استعمال کرنے کے بجائے اچھی جگہ استعمال کرو، آپ کو سائیکل چلانے سے اس لئے روکا تھا کہ آپ ہی کو کوئی چوٹ

نہ لگے، آپ ہی کے فائدے کے لئے سوچا تھا، اور پھر شام کو تو میں سائیکل کھول دیتا ہوں، لہٰذا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

جوامع الکلم

تربیت کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص حکمت یہ بھی رہی ہے کہ زیادہ لمبی بات، اکتا دینے والے وعظ سے گریز فرماتے، مختصر الفاظ میں اپنے مدعا کو بیان کرنے کی کوشش فرماتے۔ تاکہ سننے والے کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے اور اگر آدمی ازبر کرنا چاہے تو آسانی سے ازبر کر سکے۔ چنانچہ احادیث میں بہت سے جملے ایسے ملتے ہیں جو الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر ہیں، مگر ان میں معانی کا ایک سمندر پنہاں ہے۔ اصطلاح میں اس طرح کے کلمات کو ''جوامع الکلم'' کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم چند ''جوامع الکلم'' یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ آپ بچوں کی تربیت اس طرح کر سکیں، اور چھٹیوں کے زمانے میں بچوں کے اوقات کی حفاظت کے لئے گھر ہی میں مدرسہ اور اسکول کا ماحول بنا سکیں، مثلاً گھر میں ایک تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) بنا کر ان احادیث مبارکہ کو لکھیں، بچے کاپیوں میں دیکھ کر لکھیں اور زبانی یاد کروائیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿خَيْرُ الْأُمُوْرِ عَوَازِمُهَا، شَرُّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ﴾ [۱]

ترجمہ: ''بہترین معاملہ وہ ہے جس کا عزم کر لیا گیا ہو، سب سے برا اندھا پن، دل کا اندھا پن ہے۔''

﴿خَيْرُ الْعِلْمِ مَا نَفَعَ﴾ [۲]

ترجمہ: ''بہترین علم وہ ہے جو نفع بخش ہو۔''

---

[۱] الدر المنثور للسیوطی: ج ۵ ص ۲۲۵

[۲] الدر المنثور للسیوطی: ج ۲ ص ۲۵۵

﴿اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى﴾[1]

ترجمہ: ''اوپر والا ہاتھ، نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

﴿شَرُّ النَّدَامَةِ نَدَامَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾[2]

ترجمہ: ''قیامت کے روز لاحق ہونے والی پشیمانی، سب سے بری پشیمانی ہوگی۔''

﴿مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى﴾[3]

ترجمہ: ''کم اگر کافی ہے تو اس زیادہ سے بہتر ہے جو غافل کر دے۔''

﴿أَحْسَنُ الْهُدٰى هُدَى الْأَنْبِيَاءِ ط وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ﴾[4]

ترجمہ: ''بہترین سیرت، انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے۔ بہترین مال داری، دل کی مال داری ہے۔''

﴿كُلُّ مَا هُوَ اٰتٍ قَرِيْبٌ﴾[5]

ترجمہ: ''ہر آنے والی چیز قریب ہے۔''

﴿اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ﴾[6]

ترجمہ: ''نوجوانی پاگل پن کا ایک دور ہے۔''

یہ چند جوامع الکلم ہیں، جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر الفاظ میں بے پناہ معانی کو سمو دیا ہے۔ آپ کے مواعظ و نصائح بہت مختصر ہوتے تھے۔ آپ کے بارے میں احادیث میں آتا ہے:

---

[1] بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الاستعفاف عن المسئلۃ: ج ۱ ص ۱۹۹
[2] الدر المنثور للسیوطی: ج ۲ ص ۲۲۵
[3] کنز العمال: ج ۶ ص ۱۹۰، رقم: ۱۶۱۲۰
[4] الدر المنثور للسیوطی: ج ۲ ص ۲۲۵
[5] الدر المنثور للسیوطی: ج ۲ ص ۲۲۵، ج ۲ ص ۲۲۲
[6] البیہقی

﴿انّه اذا خطب لا یخلُ ولا یُملُّ﴾

ترجمہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو اس میں کوئی نقص نہ ہوتا اور نہ ہی آپ (لوگوں کو) اکتاتے (لمبی بات کہہ کر)۔''

ہر وقت نصیحت کرتے رہنا اکتاہٹ اور کبھی کبھی ضد کا باعث بن جاتا ہے۔ اس لئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بچہ جتنی باتوں کو ہضم کرسکتا ہے، اتنی ہی باتوں کی طرف اسے توجہ دلائی جائے۔ روزانہ یا بار بار ٹوکنے یا نصیحت کرنے سے فائدہ کے بجائے بعض اوقات نقصان ہوتا ہے۔

بچوں کو سمجھانے کا طریقہ

ہر مسلمان والد کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کے سوالات کو غور سے سنے اور انکا تسلی بخش جواب دے۔ اس پر ناک بھوں چڑھانا کسی طرح مناسب نہیں، نہ ہی بچوں کو جھڑکنا مناسب ہے، اس طرح وہ ڈر اور خوف کے مارے سوال کرنا چھوڑ دیں گے، بہت سی ایسی چیزوں کے علم سے محروم ہو جائیں گے، جس کا جاننا ان کے لئے مفید اور ضروری تھا اور اس کا ذمہ دار باپ ہی ہوگا۔ اس لئے بچوں کی بات کو خوب غور سے سنیئے اور پھر اس کا تسلی بخش جواب دیجئے۔ اگر آپ محسوس کریں کہ زبانی سمجھانے سے بچوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا تو وہ کام جس کے متعلق سوال کیا ہے، عملاً بچوں کو کر کے دکھلایئے، بشرطیکہ کوئی ناجائز امر نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر آپ محسوس کرتے کہ زبانی بات زیادہ مؤثر یا مفید ثابت نہیں ہوسکتی یا سوال کرنے والے کا ذہن پوری طرح مطمئن نہیں ہوسکتا تو آپ عملی طور پر کر کے دکھاتے۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر کھڑے ہوکر امامت کی تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز کو

واضح طور پر دیکھ سکیں اور پھر آپ ہی کی طرح نماز پڑھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ تاکہ تم میری پیروی کرو اور دوسروں کو میری نماز سکھاؤ۔''[1]

ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا، پھر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔''[2]

اس حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کی حرمت واضح کرنے کے لئے لوگوں کو ریشم اور سونا اوپر اٹھا کر دکھایا، تاکہ ان کی حرمت کی وضاحت ہوجائے اور لوگوں کے دلوں میں ان سے اجتناب کی اہمیت بیٹھ جائے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا:

''اے اللہ کے رسول! وضو کیسے کیا جائے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وضو کی ترکیب اور طریقہ زبانی بتادیتے تو سوال کا جواب مکمل ہوجاتا، مگر آپ نے زبانی بتانے کے بجائے ایک برتن میں پانی منگایا اور پورا وضو کرکے دکھایا، تاکہ پوچھنے والا عملی طور پر وضو کے طریقہ اور ترکیب کو دیکھ لے اور اس کے بھول جانے یا کمی بیشی کردینے کا کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو مکمل کرکے ارشاد فرمایا:

---

[1] بخاری، کتاب الجمعة، باب الخطبة علی المنبر: ج ۱ ص ۱۲۴

[2] ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء: ج ۲ ص ۲۰۵

"جس شخص نے اس وضو میں کچھ بڑھایا یا کوئی کمی کی تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔"[1]

لہٰذا بچے کو ہر بات واضح طور پر سمجھانے کی کوشش کریں۔ اشاروں کی زبان سے سمجھانا اور نہ سمجھنے پر ڈانٹنا مناسب نہیں۔

اس طرح بات کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کبھی بات کو زوردار انداز میں کہیے کہ بچوں کے ذہن میں اس کی اہمیت اجاگر ہو اور مضبوطی کے ساتھ اس بات کو لے لے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حکمت و دانائی کا تقاضا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات زوردار لہجہ میں فرماتے۔ کبھی قسم کھا کر اپنی بات کی اہمیت واضح کرتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب کسی بات پر زیادہ زور دینا چاہتے تو بار بار قسم کھاتے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، آپ سے دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص، جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔"[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ضرورت محسوس کرتے اور وقت کا تقاضہ ہوتا تو نہایت اثر انگیز انداز میں خطاب فرماتے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا وعظ فرمایا کہ جس سے ہماری آنکھیں بہہ پڑیں اور دل لرز اٹھے۔[3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوز و گداز کی حالت میں اس طرح خطاب فرمایا کہ جس ممبر پر آپ صلی

[1] ابوداود، کتاب الطهارة، باب الوضوء ثلثا ثلثا: ج ا ص ۱۸

[2] بخاري، كتاب الأدب، باب من كان يومن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره: ج ۲ ص ۸۸۹

[3] ترمذی، ابواب العلم، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة: ج ۲ ص ۹۶

اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، وہ لرزنے لگا۔ حتیٰ کہ ہم نے یہ سوچا کہ یہ ممبر گر جائے گا۔[1]

وعظ و نصیحت میں یہ سوز و گداز اسی وقت پیدا ہوتا ہے، جب اپنی اولاد سے بے پناہ محبت ہو، ان کی خیر خواہی کا خیال ہو، ان کی اصلاح کے لئے بے چینی ہو، خلوص کے جذبات کارفرما ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت کے لئے جو انداز اور طریقہ اختیار فرماتے، اس میں حکمت و دانائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور ہوتا۔ اس لئے آپ بھی اپنے بچوں کی حکمت و دانائی کے ساتھ اس طرح تربیت کریں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت فرمائی اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیئے کہ یا اللہ! تو میرے دل میں تربیت کے وہ بہترین طریقے الہام فرما، جن کی بدولت میری اور میری اولاد کی دنیا و آخرت بنے اور یہ بچے دنیا میں تیرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی طریقوں کی اشاعت کا ذریعہ بنیں اور تیرا دین ساری دنیا میں غالب ہو جائے۔ آمین یارب العالمین!

جذبات و احساسات کا پاس و لحاظ

انسان کے جذبات و احساسات کو تعمیری رخ دینے کا دوسرا نام تربیت ہے۔ باپ کے لئے ضروری ہے کہ اولاد کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے صحیح رخ پر ڈالے۔ اسے روکنے کی کوشش نہ کرے، نہ ہی ایسے وقت میں کوئی ایسی بات یا عمل کرے، جس سے جذبات مزید بھڑکیں اور اولاد نافرمانی پر اتر آئے یا دل میں باپ سے نفرت پیدا ہو۔ اگر خود اس وقت کوئی حل سمجھ نہ آئے تو خاموش رہے اور دوسروں سے مشورہ کر کے اس کا حل نکالے۔ آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ جذبات کو صحیح روش پر ڈالنے سے کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخاطبین

[1] ابن ماجہ، باب الذکر البعث: ص۳۲۶

کے مزاج اور نفسیات کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کے جذبات کا بھی پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جذبات کو کبھی غلط رخ اختیار نہ کرنے دیتے۔ اگر جذبات میں سرد مہری ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کے ساتھ ان میں حرارت پیدا کرتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جذبات میں اشتعال محسوس کرتے تو کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالتے اور نہ عملاً کوئی ایسی روش اختیار کرتے، جس سے جذبات بے قابو ہو جائیں۔ جذبات واحساسات کی رعایت کر کے انہیں صحیح اور تعمیری رخ دیتے۔ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبات کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے بجائے اس کا رخ صحیح جانب پھیر دیا۔ اس سلسلے میں ہم چند واقعات تحریر کرتے ہیں، جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ جذبات کو صحیح روش پر ڈالنے سے کتنا فائدہ ہوتا ہے۔

غزوۂ حنین میں جو مال غنیمت ملا، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب میں تقسیم کر دیا تاکہ اسلام میں ان کی دل بستگی کا سامان ہو۔ اس موقع پر انصار کو کوئی عطیہ نہیں دیا اور تمام مال دوسرے قبائل میں تقسیم کر دیا۔ انصار نے جب یہ دیکھا تو بشری تقاضہ کے تحت ان میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ انہوں نے کہا کہ مصیبت کے وقت تو ہم نے ساتھ دیا اور اب جب مال کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نظر انداز کر کے سارا مال اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ انصار کے معزز ترین فرد، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

﴿يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ وَجَدُوْا عَلَيْكَ فِيْ أَنْفُسِهِمْ لِمَا صَنَعْتَ فِيْ هٰذَا الْفَيْءِ الَّذِيْ أَصَبْتَ. قَسَمْتَ فِيْ قَوْمِكَ وَأَعْطَيْتَ عَطَايَا عِظَامًا فِيْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ هٰذَا

الْحَيِّ مِنَ الْاَنْصَارِ مِنْهَا شَيْءٌ﴾

''اے اللہ کے رسول! انصار کا قبیلہ مالِ فئی کی تقسیم کے سلسلہ میں اس وجہ سے روٹھا ہوا ہے کہ آپ نے پورا مال اپنی قوم میں تقسیم کردیا۔ آپ نے قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیات عنایت کیئے، مگر انصار کے حصہ میں جو کچھ بھی نہیں آیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''سعد بن عبادہ! اس سلسلہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں بھی انصار کا ایک فرد ہوں۔'' آپ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اچھا، تمام انصار کو اس احاطہ میں جمع کرو، میں ان سے گفتگو کروں گا۔ جب تمام انصار جمع ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا:

''اے انصار کے لوگو! تم کیا چہ میگوئیاں کر رہے ہو؟ تمہیں کون سی بات ناگوار گزری ہے؟ جب میں تمہارے پاس آیا، کیا تم گمراہ نہیں تھے؟ اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی۔ کیا تم غریب نہیں تھے؟ اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں مالداری عطا کی۔ کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے؟ اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔''

انصار نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ فضل واحسان ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اے انصار کے لوگو! خاموش کیوں ہو، میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے؟''

انصار نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو کیا جواب دیں۔ حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول ہی کا فضل واحسان ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے انصار کے لوگو! اللہ کی قسم، تم اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تمہاری بات صحیح ہوگی، میں بھی تمہاری تصدیق کروں گا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اے محمد! آپ اس حال میں ہمارے پاس آئے کہ آپ کو لوگ جھٹلا چکے تھے، ہم

نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ بے یار و مددگار آئے، ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ لوگوں کے دھتکارے ہوئے تھے، ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ نادار تھے، ہم نے آپ کی غم خواری کی۔"

"اے انصار کے لوگو! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اونٹ لے کر واپس جائیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھر کو واپس جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، جو چیز تم لے کر واپس جاؤ گے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کو لے کر یہ لوگ واپس جائیں گے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک آدمی ہوتا۔ اگر یہ لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی میں چلوں گا۔"

"انصار میرے قریب ترین ہیں اور دوسرے لوگ ان کے بعد۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، ان کے بیٹوں اور بیٹوں کی اولاد پر رحم فرما۔"

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سن کر لوگ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور انہوں نے کہا کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے خوش ہیں۔"[1]

غور کیجیے! جذبات نزاکت کے کس رخ پر بہہ رہے تھے۔ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبات کے منافی تقریر کی ہوتی یا جذبات کو نہ سمجھا ہوتا تو اس کی یہ شدت کیسا رنگ اختیار کرتی؟ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی انصار کے جذبات کو سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انصار کے جذبات کی شدت کو ناخوشگوار ردعمل تک پہنچا سکتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے جذبات کی ایک وقتی لہر کو نہایت حکمت

---

[1] زاد المعاد: ج ۳ ص ۴۰۹، ۴۱۰

سے صحیح رخ دینے اور ان کو سمجھانے کے لئے ان سے براہ راست گفتگو کا فیصلہ فرمایا۔

جب انصار جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے پہلے انصار کے جذبات کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لئے انہیں ان کا ماضی یاد دلایا، اور بتایا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انہیں کتنی عظیم نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ اس یاد دہانی سے انصار کے جذبات معتدل تو ہو گئے، مگر سوالیہ نشان اپنی جگہ باقی رہا اور ابھی ایک رخ قابل وضاحت تھا۔ آپ کی تقریر کے جواب میں اگرچہ انصار خاموش ہو گئے تھے، مگر ان کے دل و دماغ کے کسی گوشہ میں یہ سوال اٹھ سکتا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی سے نکالا ہے تو ہم نے بھی انہیں ایسے وقت میں پناہ دی ہے جب ان کو خود ان کی قوم اپنے وطن سے نکال چکی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ابھرنے والے سوال کو خود پوری قوت گویائی کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ انصار کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کے جذبات کو تحلیل کر دیا۔ پھر انصار سے اپنے گہرے تعلق کو پرزور الفاظ میں واضح فرمایا اور ان کے دل نہ صرف یہ کہ شکوک وشبہات سے پاک ہو گئے، بلکہ محبت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔

اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ اشارۂ خداوندی کی بنیاد پر بظاہر نہایت دب کر کی گئی تھی۔ اس کا اندازہ آپ صلح نامہ کی اس شرط سے لگا سکتے ہیں کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ پہنچ جائے گا تو مدینے کے مسلمان اسے مکہ واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ لیکن اگر مدینہ کا کوئی مسلمان مکہ مکرمہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح کی بہت سی ناقابل فہم شرائط تھیں۔ ابھی شرائط اچھی طرح طے بھی نہ ہونے پائی تھیں اور عہد نامہ لکھا بھی نہ گیا تھا کہ ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آئے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا اور بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تو مکہ والوں نے

مجھ پر مظالم ڈھائے، اب ان سے نجات پاکر بھاگا چلا آرہا ہوں، قریش کے نمائندوں نے کہا کہ یہ صلح اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارے حوالہ کردیا جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ لکھا بھی نہیں گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ان کو واپس نہیں کریں گے تو آئندہ آپ سے کوئی معاہدہ نہیں کیا جائے گا۔ معاہدہ کی تکمیل کی خاطر (جس میں بہت سی مصالح پوشیدہ تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے حوالہ کردیا۔ ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیڑیوں میں جکڑے کہہ رہے تھے: ”اے مسلمانو! میں تمہاری موجودگی میں مشرکین کی طرف واپس بھیجا جارہا ہوں۔ کیا تم میری حالت زار نہیں دیکھ رہے ہو کہ مجھے اللہ کی راہ میں کتنا ستایا گیا ہے۔“

اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جذبات کیا رہے ہوں گے؟ خاص طور پر نوجوانوں کے جذبات۔ اس کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرگرمیوں سے ہوتا ہے، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاکر عرض کرتے ہیں کہ یہ صلح اس قدر دب کر کیوں کی جارہی ہے؟

کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق نہیں ہیں؟ کیا ہمارا دین حق نہیں ہے؟ کیا کفار باطل پر نہیں ہیں؟

اس عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ کی تکمیل فرماتے ہیں، تکمیل سے فراغت کے بعد کھڑے ہوتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا، ثُمَّ احْلِقُوْا﴾

ترجمہ: ”اٹھو، اپنے جانوروں کو یہیں قربان کردو، پھر اپنے سروں کو منڈا ڈالو۔“

انصار و مہاجرین سکتہ میں تھے۔ وہ مدینہ سے اس عزم اور تیاری سے چلے تھے کہ ایک طویل وقفے کے بعد خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے، منیٰ میں جا کر قربانی کریں گے، انہیں کفار نے بغیر اسلحہ بھی مکہ میں جانے کی اجازت نہ دی اور دوسری طرف غیر مساویانہ شرائط پر معاہدہ تکمیل کو پہنچا، حالانکہ یہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اب اپنے کو مجبور نہیں پاتے تھے۔ یہ بے سروسامانی کے عالم میں غزوۂ بدر و احزاب میں کامیابی حاصل کیئے ہوئے تھے، مگر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ پر دستخط کیئے تو سب خاموش ہوگئے۔ لیکن جذبات کا یہ خاموش سمندر دلوں سے اُبلا چاہتا تھا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تفکر و تحیر کے سمندر میں غرق تھے، ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

جذبات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر جان دینے والے اصحاب، اپنے رسول کا حکم پا کر حالت حیرانی میں بیٹھے رہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وقفہ وقفہ سے تین بار حکم دیا کہ اٹھ کر اپنے جانوروں کو قربان کردو، اور اپنے سر منڈا ڈالو، مگر کوئی بھی شخص نہ ہلا، گویا کہ کسی کو ہوش نہ ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جذبات کی شدت کا اندازہ تھا، اس لئے خاموش ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اس موقع پر اگر کوئی سخت بات کہی گئی تو کسی ناخوشگوار واقعہ کا سبب ہوسکتی ہے۔ ذہن میں کوئی حل نہیں آرہا ہے، اپنے حرم میں داخل ہوتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پوری روداد سناتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشورہ دیتی ہیں اور آپ باہم مشورے سے ایک بات طے کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے واپس آتے ہیں۔ کسی سے کچھ نہیں کہتے، اپنے جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ اپنے حجام کو

بلاتے ہیں اور اپنا سر منڈاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو دیکھتے ہیں اور آپ کی تقلید میں اپنے جانوروں کو قربان کر دیتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کے سر مونڈنا شروع کر دیتے ہیں۔ غم و غصہ کا یہ عالم ہے کہ سر مونڈتے ہوئے ایک دوسرے کو زخمی کیئے دیتے ہیں۔[1]

جذبات کے امنڈتے ہوئے اس سیلاب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح قابو پایا، یہ ہر معلم و مربی باپ کے لئے قابل غور بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس طرح اپنی اولاد کی اصلاح و تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بچوں کی نفسیات اور جذبات واحساسات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کی کسی روش سے بچوں کے احساسات و جذبات کو ٹھیس پہنچ جائے تو اس کی تلافی مشکل ہو جاتی ہے۔ بالغ بچے اکثر بگڑتے ہی اس وقت ہیں، جب ان کے جذبات واحساسات کی تحقیر و تردید کی جائے۔

اپنی باتیں ذہن نشین کرانے کے لئے محض خشک وعظ سے کام نہ لیجیۓ۔ اپنی بات کو شیریں اور موثر انداز میں پیش کیجیے، کبھی کبھار لطافت اور مزاح بھی گفتگو میں شامل کر لیجیے۔ مثالوں، اشاروں اور کہاوتوں سے اپنی بات کو واضح کیجیے۔ میٹھے الفاظ، درد بھرا لب و لہجہ اثر کیے بغیر نہیں رہتے۔ اکھڑا رویہ، کھردری زبان، کڑوے کسیلے جملے، روکھی سوکھی باتیں کبھی اپنا اچھا اثر نہیں چھوڑتیں۔

بچے قصے کہانیوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ انہیں نصیحت آموز کہانیاں سنائیے۔ خصوصاً رات کو گھر کے بچوں کو جمع کر لیجیے اور انہیں اپنے طور پر پاکیزہ اور اچھے قصے سنائیے۔ سناتے وقت بچوں سے سوال بھی کرتے رہیئے تاکہ وہ غور سے

---

[1] بخاری، کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و كتابة الشروط: ج ا ص ۳۸۰

سنتے رہیں اور آپ کا مقصد بھی پورا ہو۔[1]

بار بار ہر وقت نصیحت کرتے رہنے سے پرہیز کیجیے۔ زیادہ روکنے سے بچے میں ضد پیدا ہوتی ہے اور نافرمانی کا جذبہ جڑ پکڑتا ہے۔ مناسب موقعے سے نصیحت کیجیے۔ جب آپ دیکھیں کہ بچے پر کوئی خاص تاثر قائم ہو رہا ہے تو اسی مناسبت سے نصیحت کیجیے۔ جب کسی پریشانی، الجھن یا مصروفیت میں ہو تو اس کو بالکل نصیحت نہ کیجیے۔

بچے کو عادی بنایئے کہ اگر کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ بلا جھجک پوچھ لیا کرے، سوال کرنے پر بچے کو ڈانٹیے نہیں، بلکہ اسے اطمینان بخش جواب دیجیے۔ سوال کرنے پر اس کی حوصلہ افزائی کیجیے۔ کبھی کبھار خود بھی اس سے سوال کیجیے۔ باہم سوال و جواب کا سلسلہ بھی کبھی کبھار ضروری ہے۔

پابندی کے ساتھ بچے کو اپنے اوقات میں سے کچھ وقت ضرور دیجیے۔ آپ محض کمائی کی مشین نہیں ہیں، بلکہ بچے کے ماں باپ بھی ہیں۔ آپ کے وقت پر بھی ان کا حق ہے۔ وہ بچے عموماً آوارہ یا نکمے ہو جاتے ہیں، جن کے والدین ان کو وقت نہیں دے پاتے۔[2]

بچے کے فیصلے کی قوت خراب نہ کیجیے

قوت فیصلہ بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ انسان کسی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ میں

---

[1] بچوں کی تربیت کے لئے بیت العلم ٹرسٹ کے اساتذہ کرام نے ایک سیریز تیار کی ہے، جس کا نام "ذوق شوق" ہے۔ اس میں بہت سارے واقعات جمع کیے ہیں۔ والدین اس کتاب سے پڑھ کر بچوں کو یہ قصے سنا سکتے ہیں۔ یہ سیریز ذوق شوق کے نام سے بیت العلم ٹرسٹ گلشن اقبال کراچی سے مل سکتی ہے۔ اسی طرح والدین اور اساتذہ کی رہنمائی کے لئے "تربیتی کہانیاں" جمع کی گئی ہیں، وہ بھی والدین اپنے پاس رکھیں اور وقتاً فوقتاً بچوں کو قصہ سنائیں۔ اسی طرح "صحابہ کے واقعات" اور "تابعین کے واقعات" کے نام سے دو کتابیں تیار کی گئیں ہیں، وہ بھی اپنے پاس رکھیں۔

[2] ماخوذ از بچوں کی تربیت کیسے کریں، ص ۱۶۸، ۱۶۹

فیصلہ پر قادر ہو اور حالات اور زمانے کے اتار چڑھاؤ سے متاثر نہ ہوتا ہو، مشورہ کے ساتھ حق بات پر قائم رہنا اور قائم رکھنا جانتا ہو، تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہبی اور عطائی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا:

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ [1]

ترجمہ: ”اور ہم نے ان کو (داؤد علیہ السلام کو) حکمت (یعنی نبوت) اور فیصلہ کر دینے والی تقریر (جو نہایت واضح اور جامع ہو) عطا فرمائی تھی۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جھگڑے چکانے اور تنازعات کا فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ وہ بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے، اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی۔ [2]

غور کیجیے! کتنی بڑی نعمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ذکر فرما رہے ہیں کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو منجملہ اور نعمتوں کے یہ بھی نعمت عطا فرمائی۔ لہٰذا اس نعمت کے لئے ایک تو خوب دعا مانگیے کہ اے اللہ! میری اولاد کو یہ نعمت عطا فرما اور اس کے ساتھ ساتھ جن اسباب کی بدولت بچوں کی قوت فیصلہ معدوم ہو جاتی ہے، ان سے بچنے کا خوب اہتمام کیجیے۔

ان میں سے چند اسباب یہ ہیں کہ چھوٹے بچے پر بار بار نکتہ چینی کرنا، توہین آمیز کلمات سے اپنا غصہ اتار کر اس کو ذلیل کرنا، اس کے ہم عمر بچوں کی مثالیں دے

---

[1] سورۂ ص: ۲۰

[2] معارف القرآن: ج ۷ ص ۴۹۷

کر اس کو طعنہ دینا، اس کی حوصلہ افزائی نہ کرنا، اس کے اچھے کاموں کی تعریف نہ کرنا، اس کے لئے دعائیں نہ کرنا وغیرہ۔

یاد رکھیے! بچہ کی قوت فیصلہ بڑے ہو کر بڑے بڑے کام کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ اس میں کمی عملی طور پر کسی کام کو سرانجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ بچہ جب کچھ سمجھدار ہو جاتا ہے اور چیزوں میں فرق کرنے لگتا ہے، تب اس سے گھر کے معمولی کام کروائے جاتے ہیں اور بازار سے یا دکان سے اشیائے خورد و نوش خریدنے میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں یہ چیز بچے کو ذہنی طور پر پختہ اور لوگوں سے بات کرنے اور مول تول کرنے کا ڈھنگ سکھاتی ہے، وہاں اس کے اخلاق و کردار پر بھی گہرے نقوش چھوڑتی ہے۔ لیکن جہاں باپ اور گھر کے دیگر بڑے افراد بچے سے کوئی کام کرواتے ہیں، وہاں وہ یہ بھی سوچیں کہ یہ اس بچے کی ذہن سازی کا ایک عمل ہے۔ اس عمل میں بچے کے ذہن کی مخفی صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ لہٰذا کبھی بھی چند پیسوں کی خاطر بچوں کی قوت فیصلہ خراب نہ کیجیے اور اس کا دل نہ توڑیے۔

مثلاً آپ نے بچے کو دس روپے دے کر ایک پیکٹ زیرے والے بسکٹ منگوائے۔ اب بچہ کسی بھی وجہ سے مطلوبہ چیز نہ لا سکا اور کوئی دوسرے بسکٹ لے آیا تو جناب نے دیکھتے ہی شور مچا دیا، بچے کی بات سنے بغیر بولنا شروع کر دیا: ''ارے گدھے! تجھے فلاں لانے کو کہا تھا اور تو یہ کیا اٹھا لایا؟''

نکمے!...... بات سمجھتا ہی نہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لیا کر۔ بے وقوف اب اس کو تو ہی کھا۔ تو ایسا اس لئے کرتا ہے کہ آئندہ تجھ سے کوئی کام نہ کروایا جائے وغیرہ۔

اندازہ کریں ایک دس روپے کی خاطر بچے کو کیا کچھ سننا پڑا، ہو سکتا ہے اس کی کوئی غلطی بھی نہ ہو یعنی دکان والے نے کہا کہ بیٹا! زیرے والے بسکٹ تو نہیں

ہیں، آپ یہ لے جاؤ، پسند نہ آئے تو واپس کر دینا۔ یا زیرے والے بسکٹ کا ڈبہ پندرہ روپے کا ہوگا اور دکاندار نے دس روپے والے کوئی دوسرے بسکٹ تھما دیئے ہوں یا کچھ اور بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ پہلے بچے کو شاباش دیں۔ ماشاء اللہ بیٹا لے آیا "جزاك الله خيرًا" کہیں۔

پھر مطلوبہ چیز نہ ملنے کی وجہ پوچھیں۔ اب جو جواب ملے تو اس پر سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا! دکان چھوڑنے سے پہلے چیز اور پیسے اچھی طرح دیکھ اور گن لیا کرو۔ اگر ایک دکان سے کوئی چیز نہ ملے تو دوسری سے پوچھ لیا کرو، چیزوں پر لکھی قیمت پڑھنے کی کوشش کیا کرو، دکان دار سے پوچھ لیا کرو کہ اگر چیز پسند نہ آئے تو کیا واپس یا تبدیل کرنے کی اجازت ہوگی؟

اسی طرح بچے کی پسند کو ٹھکرایا نہ جائے یا اس کو دل برداشتہ نہ کیا جائے، بلکہ اس کا انتخاب صحیح ہو، اس میں اس کی مدد کی جائے۔

نادر ایک بچہ تھا۔ اس کے والد صاحب اسے اپنے ساتھ بازار لے گئے اور وہاں کچھ چیزیں خریدنے کے بعد ایک دکان پر جا کر نادر سے کہا کہ نادر! اپنے لئے ایک بنیان پسند کرلو، نادر بڑے شوق سے تمام بنیان کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، اسے سرخ رنگ کی ایک بنیان پسند آئی، اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا۔ باپ نے وہ بنیان تو خرید لی، لیکن گھر آتے ہی یہ کہا کہ بیگم! ہمارا نادر تو پینڈو ...... بے وقوف ...... بھولا بھالا ...... ہے۔ اس کو انتخاب کرنا ہی نہیں آتا۔ اس کی پسند دیکھو! کتنی گھٹیا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ یہ ضدی ہے، دوسروں سے سیکھنے کی کوشش نہیں کرتا، اسی لئے میں اس کو ساتھ لے کر نہیں جاتا، نادر نے جب یہ دیکھا اور سنا تو اس کا دل بری طرح ٹوٹ گیا اور شاید اب وہ ساری زندگی اپنے لئے کپڑوں کا صحیح انتخاب نہ کر سکے۔

اس واقعہ پر غور کیجیے! کیا باپ نے بیٹے کے ساتھ دشمنی نہیں کی؟

اس باپ نے شاید چھوٹے سے بیٹے کو اپنا کوئی ہم عمر دوست سمجھ لیا تھا کہ جیسے دوستوں میں طعن و تشنیع اور ایک دوسرے کے انتخابات کو رد کیا جاتا ہے، ویسے ہی اپنے بیٹے کے انتخاب کو برا کہا۔ بے شک اگر وہ چیز بری تھی، غیر معیاری بھی تھی، مگر اس کی اصلاح کے اور بہت طریقے ہیں۔ یہ طعن وغیرہ کے ذریعے اصلاح کی کوشش تو ہمیشہ کے لئے بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ خریداری میں چیزوں کے انتخاب میں، زندگی کے چھوٹے بڑے معاملے میں، پسند ناپسند میں اپنے بچوں کو صحیح رخ پر ڈالنے کی ضرور کوشش کریں، لیکن ہرگز دس روپے کی خاطر بچے کی قوت فیصلہ کو مجروح نہ کریں۔

بچہ کی قوت فیصلہ خراب کرنے کی ایک اہم وجہ باپ کی یہ غلطی ہوتی ہے کہ جس وقت باپ کو بچے پر غصہ آتا ہے، اس وقت باپ اس کو بچہ نہیں سمجھتا، بلکہ چھ سال کے بچے کو چھتیس سال کا جوان یا سولہ سال کے جوان کو چھیالیس سال کا مرد سمجھتا ہے۔ یعنی باپ کی جو اپنی عمر ہوتی ہے، اس عمر کے اعتبار سے جو باپ کو تجربہ ہوتا ہے، اگر بچہ اس تجربہ کے موافق کام نہیں کرتا یا مطلوبہ چیز نہیں لاتا تو باپ اس کو بے وقوف، نالائق، ناسمجھ کے القابات سے نوازتا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان والد کو چاہیئے کہ وہ اس غلطی سے توبہ کرے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور قائم کرے کہ اس دن ہر ہر لمحہ کا حساب دینا ہوگا، اور حقوق اللہ تو توبہ و استغفار سے معاف ہوجائیں گے، حقوق العباد کے بارے میں تو بہت ہی سخت پکڑ ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس گناہ کو معمولی گناہ نہ سمجھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری تھوڑی سی غفلت وکوتاہی سے اس بچے کا مستقبل خراب ہوجائے۔ یہ بچہ بڑا ہو کر پتہ نہیں دین و دنیا کے کتنے بڑے بڑے کام کرنے کی فطری اہلیت وقابلیت وصلاحیت اپنے ساتھ لایا ہو، لیکن باپ کے اس رویہ کی وجہ سے وہ قوت فیصلہ کی نعمت سے محروم ہوجائے، اور کسی بات میں فیصلہ کرتے ہوئے ہمیشہ ڈرتا رہے کہ

شاید غلط ہو۔

ٹھنڈے دل سے غور کیجیے! آنکھیں بند کر کے اپنی موت کا تصور کیجیے کہ آج اگر میری موت ہو جاتی ہے تو یہ بچہ...... میری موت پر ٹھنڈک کا سانس لے گا یا غم کی آہ بھرے گا، یہ مجھے مہذّب (تہذیب سکھانے والا) سمجھے گا یا معذّب (عذاب دینے والا)، یہ مجھے مصلح سمجھے گا یا اپنا غصہ اتارنے والا ظالم باپ سمجھے گا۔

اب آنکھیں کھولیے اور دل و دماغ سے پکا فیصلہ کیجیے کہ اب آئندہ بچے کو بچہ ہی سمجھوں گا، چالیس سال کا پورا مرد نہیں سمجھوں گا۔ تیس یا چالیس سال کا آدمی سمجھ کر اس کو ہر معیار پر جانچنے کی کوشش نہیں کروں گا اور اس کے ہر فیصلہ پر اس کی حوصلہ افزائی کر کے اس کو آگے کی صحیح رہنمائی دے کر نیک والد کا کردار ادا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور سارے مسلمان والدین کی اس سلسلہ میں خاص مدد فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

یہ توقع رکھنا کہ بچے کی بری عادتیں فوراً دور ہو جائیں گی، دانش مندی کی بات نہیں ہے۔ بچہ اپنے لاشعوری قصور سے لاعلم ہوتا ہے، بچہ بہرحال بچہ ہے، اس سے طفلانہ حرکتوں کا صدور لازمی ہے۔ اس سے بہت بلند توقعات باندھ لینا عقل مندی کی بات نہیں ہے۔

بچوں کو اپنے معیار پر نہ جانچیے...... یہ نہ بھولیے کہ جب آپ بچے تھے تو آپ میں بھی خیر و شر کی اتنی تمیز نہ تھی جتنی اب ہے۔ آپ سالہا سال کے تجربوں اور آزمائشوں کے بعد جس مقام پر پہنچے ہیں، بچے کو ابھی سے اس مقام پر دیکھنا اگر اس کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

آپ نفع و نقصان کا جو پیمانہ رکھتے ہیں، اخلاقی و غیر اخلاقی باتوں میں جو فرق کرتے ہیں، وہ بچے میں ابھی سے کس طرح پیدا ہو سکتا ہے!![1]

[1] ماخوذ از بچوں کی تربیت کیسے کریں: ص ۱۶۵

اس کے فوائد

اگر آپ کو بچوں کی ایسی نازیبا حرکات پر غصہ آجایا کرتا ہے تو اکیلے بیٹھ کے اس کے فوائد سوچیں کہ ''بچے کی قوت فیصلہ درست اور صحیح رکھنے کے لئے اگر میں نے برداشت کرلیا تو کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔'' ان فوائد کو خوب سوچیں، ان شاء اللہ ان فوائد کے استحضار سے آپ کو صبر حاصل ہوجائے گا اور عین غلطی و کوتاہی کے وقت اللہ تعالیٰ صحیح راستہ سمجھا دیں گے۔

❶ پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت زندہ ہوجائے گی۔ اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، اس پوری مدت میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے کام کے بارے میں، جو میں نے کیا ہو، یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی ایسے کام کے بارے میں، جو میں نے نہ کیا ہو، یہ فرمایا کہ ایسا کیوں نہ کیا۔''[۱]

❷ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بالفرض اگر یہ بچہ بھولا بھالا یا بیوقوف یا کمزور بھی ہے تو اس کا حل اور علاج یہی ہے کہ آپ اس وقت صبر کریں، جب آپ نے صبر کر لیا اور اس کے بعد اس کو سمجھایا تو اس کی بیوقوفی اور بھلاپن دور ہوجائے گا، اور روز بروز اس کی سمجھ و بصیرت میں ترقی ہوگی۔ اس سے بڑا کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) میں ایک بیوقوف فرد کی اصلاح کا آپ ذریعہ بن گئے، ایک دکھی انسان کی خدمت کرنے کی سعادت اللہ نے آپ کو عطا فرما دی، غور فرمائیے! آپ اس کو بار بار ایسے القابات دے کر اپنا غصہ ضرور ٹھنڈا کر سکتے تھے، لیکن اگر آپ نے صبر کیا تو اس صبر کرنے پر

---

[۱] شرح شمائل ترمذی: ص ۲۰۷

آپ کا یہ بچہ مستقبل میں کئی دینی و دنیوی نقصانات سے بچ سکتا ہے تو گویا آپ کی نسل کئی نقصانات سے بچ گئی۔

۳ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جس طرح آپ کو دو رکعت نفل پڑھنے پر اجر ملنے کی امید ہے، جس طرح صدقہ و نیک کام کے کرنے پر اجر و ثواب کی امید ہے، اسی طرح آپ اگر یہ کام بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر کریں گے تو اس کا اجر و ثواب کئی، نوافل اور کئی صدقات نافلہ سے بڑھ جائے گا، اس لئے کہ غصے کے گھونٹ کو پینے کے جتنے ثواب اور فضائل احادیث مبارکہ میں آئے ہیں، وہ سب آپ کو حاصل ہوجائیں گے اور اس سے بڑی کیا بات ہوگی کہ اس چھوٹے سے عمل سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں تو دنیا و آخرت میں مزے ہی مزے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

تَرجَمَہ: ''اور رضامندی اللہ تعالیٰ کی ان سب سے بڑی ہے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔''[1]

یعنی تمام نعمائے دنیوی واخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ جنت بھی اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے، حق تعالیٰ مؤمنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی مسرتیں عطا فرمائے گا، مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی، حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا، اہل جنت لبیک کہیں گے، دریافت فرمائے گا: اب تم خوش ہوگئے؟ جواب دیں گے، پروردگار خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جبکہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہوگا: جو کچھ اب تک دیا گیا ہے، کیا اس سب سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو؟ جنتی سوال کریں گے: اے پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اس وقت

---

[1] سورۂ توبہ آیت ۷۲

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں، جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہوگی۔[۱]

۴ چوتھا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ نے حکمت وصبر اور پیار ومحبت سے سمجھایا اور پھر دعائیں بھی کیں، اس بچے کا نام لے کر اللہ سے مانگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو رضا بالقضاء کی دولت عطا فرمائیں گے، گویا آپ کے صبر اور نرم لہجے، میٹھی زبان اور خوش خلقی سے آپ کو یہ دولت عظمیٰ حاصل ہوگئی۔ یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ حدیث میں اس کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اَرْضِنِيْ بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ مَاقُدِّرَ لِيْ حَتّٰى لَا اُحِبَّ تَعْجِيْلَ مَا اَخَّرْتَ وَلَا تَاْخِيْرَ مَاعَجَّلْتَ﴾[۲]

ترجمہ: "اے اللہ! تو اپنے فیصلہ پر مجھ کو راضی کردے، اور جو میرے لئے مقدر ہوچکا ہے، اسی میں مجھے برکت عطا فرما، تاکہ جو چیز تو نے مؤخر فرما دی ہے، اس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے فی الحال مقدر کر دیا ہے، اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔"

کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر خوشی سے راضی ہوگئے کہ اللہ نے مجھے جیسی بھی اولاد دی ہے، اس پر اللہ کا شکر ہے۔ اس لئے کہ جس طرح کوئی بچہ معذور پیدا ہوا تو اس میں اس بچے کا کوئی قصور نہیں ہے، اسی طرح ایک بچہ اگر فطرتاً دوسرے بچوں کے مقابلے میں کم ذہین ہے یا وہ اپنی ذہانت کا اظہار نہیں کرسکتا یا وہ اپنے عیبوں کو دوسروں کی طرح عیاری اور چالاکی سے چھپا نہیں سکتا تو بار بار اس بچے پر اعتراض گویا (نعوذ باللہ) قدرت پر اعتراض ہے، فطرت پر اعتراض ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:

---

[۱] تفسیر عثمانی: ج ۱ ص ۶۶۶
[۲] الحزب الاعظم: ص ۸۵

﴿كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ، حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ﴾ [1]

سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، یہاں تک کہ (انسان) کا ناسمجھ اور ناکارہ ہونا، ہوشیار اور قابل ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔

دو بچوں کو آپ نے ایک بات سمجھائی، ایک بچہ فوراً سمجھ گیا اور دوسرے نے دوبارہ سمجھانے کی درخواست کی، آپ کو غصہ آ گیا اور اس سے کہنے لگے: اردو میں تیرے کو سمجھ نہیں آتی، فارسی میں سمجھاؤں، دھیان سے سنتا ہی نہیں، بلیک بورڈ پر لکھ کر دوں وغیرہ یا دونوں بچے جب کام کر کے لوٹے تو ایک صحیح سمجھ کر لے آیا اور دوسرا غلط کر کے لے آیا اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو اب اس بچے کو یہ کہنا کہ دیکھ تو کیسا بے وقوف ہے کہ ایک دس روپے کی ڈبل روٹی بھی نہیں لینا آتی، پاپے بھی صحیح نہیں خرید سکتا، دودھ پیتے بچے کو بھی اتنی سمجھ ہے، تجھے اتنی بھی سمجھ نہیں، لمبا ہونا جانتا ہے، نئے نئے شلوار کرتے پہننا جانتا ہے، اپنے مطلب کی سب باتیں سمجھتا ہے، دیکھ تیرا ہی بھائی یا تیری ہی بہن، حالانکہ تجھ سے چھوٹے ہیں یا تیرا ہی چچازاد بھائی تیری ہی عمر کا ہے، لیکن تو اونٹ کی طرح لمبوستان ہو رہا ہے، چلنے کا بھی تجھے ڈھنگ نہیں، میرے دوستوں کے سامنے بے عزتی کروا دی، اور یہ تیری ہی بہن/ تیرا ہی بھائی کیسے سلیقے قرینے سے اٹھتا بیٹھتا ہے۔

یاد رکھیے! یہ سب اس بچے پر ظلم اور قدرت وفطرت پر زیادہ اعتراضات ہیں۔ لہٰذا آج سے سچے دل سے توبہ کیجیے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق پر اعتراض نہ کریں، جس کو جس طرح رب العالمین نے بنایا اور جس طرح کا ذہن وقوت فیصلہ عطا فرمائی وہی، اس کی بہتر حکمتیں جانتا ہے۔ وہ قادر مطلق اور حکیم وخبیر آپ سے یہ چاہتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی مخلوق کا خیال رکھیں اور جو صفات آپ اس کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے راتوں کو اٹھ کر آنسو بہا کر دعائیں مانگیں۔ مثلاً اے

[1] مسلم، باب کل شیء بقدر: ج ۲ ص ۳۳۶

اللہ! اس بچے کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور اس کی قوت فیصلہ صحیح فرما، اس کو دنیا و آخرت دونوں میں عزت عطا فرما، اس سے دین کا کام لے لے، ہر قسم کی بلا و مصیبت سے اس کی حفاظت فرما، اس کے لئے مرتے دم تک عافیت کا فیصلہ فرما، حلال رزق وافر مقدار میں نصیب فرما، بخل اور اسراف سے اس کی حفاظت فرما اور مجھے اور اس کو اور سارے مسلمان والدین کو رضا بالقضا (اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا) کی نعمت عظمیٰ عطا فرما۔ (آمین)

یاد رکھیئے! چالاک و ذہین بچوں کی قوت فیصلہ، ان کی پڑھائی، سمجھداری، ذہانت پر تو تمام والدین خوش ہوتے ہیں، فخر کرتے ہیں، اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، لیکن سلام ہے ان والدین کی عظمت کو خصوصاً والد کی ہمت کو کہ کمزور، بے وقوف، بھولے بھالے بچوں پر بھی وہ شکر و صبر کریں اور ایسے بچوں کی تربیت پر بھی قوم و ملت و امت محمدیہ کے تمام افراد کی طرف سے شکریہ کے مستحق بنیں اور مالک کی رضا حاصل کرنے والے ہوں۔ ایسے کمزور بچوں کو عربی میں "بطیءُ التّعلیم" یعنی (SLOW LEARNER) کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے والدین کو "مثالی استاذ" کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

نقصانات

اگر بچے کی قوت فیصلہ خراب کی گئی تو اس کے انفرادی و اجتماعی نقصانات کیا ہو سکتے ہیں؟

1 سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو سکتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے، اس کی بنی بنائی دنیا بگڑ جایا کرتی ہے۔ جب کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، اس کی بگڑی ہوئی دنیا بھی بنا دیتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے ہر والد کو چاہیئے کہ بچے کی قوت فیصلہ خراب

نہ کرے، بچے کو مایوس نہ ہونے دے۔

۲ دوسرا نقصان یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ واقعۃً بچے ہی کی غلطی ہے۔ نہ آپ نے بچے کو تیس سال یا چالیس سال کا آدمی سمجھا ہے، نہ آپ نے اس کے ہم عمر ذہین بچوں کے معیار پر اس کو پرکھا ہے، بلکہ ایک عام بچے کو جو سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے، وہ بھی یہ نہیں کر رہا تو اب یقیناً بچے ہی کی کمی یا کوتاہی یا غفلت ہے، یہ یقین ہوجانے کے باوجود اس کا علاج یا حل یہ نہیں ہے کہ اس کو گھر میں داخل ہوتے ہی مطلوبہ چیز کے نہ لانے پر یا اچھی کارکردگی نہ دکھانے پر ڈانٹ دیا جائے یا ذلیل وخوار کیا جائے، یہ تو مزید اس کے اندر اس مرض کے اضافہ کا سبب ہوسکتا ہے، گویا عین موقع پر ڈانٹ ڈپٹ اور ذلیل کرنا، اس کی غفلت وکوتاہی میں اضافہ کا تو سبب بن سکتا ہے، لیکن اس کی کوتاہی کا علاج نہیں ہوسکتا۔

اس کا اس سے بڑا کیا نقصان ہوگا کہ بیوقوفوں کی جماعت میں ایک اور بے وقوف کا اضافہ ہو اور وہ بھی ہمارا ہی لخت جگر ہو، ہم نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے عمل سے ایک کم بیوقوف کو زیادہ بے وقوف بنارہے ہیں، اس کو پاگل، بے وقوف، نالائق، کم سمجھ وغیرہ کے القابات سے نواز کر اور گرجدار آواز میں ”خبردار! آئندہ ایسا نہ کرنا، ورنہ گھر سے باہر نکال دوں گا، جیسے الفاظ سے جھڑک کر اس کے مرض میں اور اضافہ کررہے ہیں۔“

۳ تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ بعض کمزور دل بچے، اپنے لوح قلب پر یہ الفاظ نہ مٹنے والی سیاہی سے اس طرح لکھ لیتے ہیں کہ جن کو کبھی مٹایا نہ جاسکے اور ایسے بچے اپنے آپ اکیلے میں بھی سوچتے رہتے ہیں میں کیسا برا بچہ ہوں / میں کیسی بری بچی ہوں، اللہ کرے میں مرجاؤں، مجھے ایک ہی دفعہ مار کیوں نہیں دیتے، میرے اندر عقل نہیں ہے وغیرہ، ہمیشہ مجھے بیوقوف کہتے ہیں، امی بھی یہی کہتی ہیں تیرے اندر عقل نہیں، اسکول کی مس بھی ہمیشہ نکما کہتی ہیں، بڑی بہن بھی ڈانٹتی رہتی ہیں۔

لہٰذا اس خطرناک اور نازک ترین پہلو پر انتہائی دل سوزی کے ساتھ توجہ دیں اور پھر کوئی تعمیری قدم اٹھائیں۔

غور کیجیے! اس سے بڑا کیا نقصان ہوسکتا ہے کہ ہمارے غلط رویے سے ایک بچہ زندہ رہتے ہوئے بھی موت کی تمنا کرے، اس کے عزائم اور اس کی تمناؤں کا اس طرح گلا گھونٹنا کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں چہ جائیکہ ایک باپ کے لئے کس طرح مناسب ہوگا کہ وہ جیتے جی اس کو قبر کی گہرائیوں میں اتار دے۔

۴ چوتھا نقصان یہ ہوتا ہے کہ والدین یہ سمجھتے ہیں کہ ڈانٹ ڈپٹ، طعنہ بازی سے بچہ سدھر جائے گا، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔

ان باتوں کا بچے کی شخصیت پر منفی اثر ہی پڑتا ہے۔ وہ جذباتی اور عدم تحفظ کا شکار ہوجاتا ہے، اس کے اندر منفی صلاحیتیں مختلف پہلوؤں سے اجاگر ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ وہ تنہائی پسند ہوجاتا ہے/ ہوجاتی ہے۔ اس میں چڑ چڑا پن پیدا ہوجاتا ہے وغیرہ۔

۵ پانچواں نقصان یہ ہے کہ نفسیات کے ہسپتال میں ایک مریض کا اور اضافہ ہوجاتا ہے اور بعض اوقات اس بیماری کا اثر دماغ کے علاوہ جسم کے اور اعضاء پر بھی پڑتا ہے اور جسم کے دوسرے اعضاء ست پڑ جاتے ہیں، جس سے علاج کے لئے دواؤں کا خرچہ، ڈاکٹر کی فیس اور وقت کا خرچ غرض مزید فکریں بڑھ جاتی ہیں۔

۶ چھٹا نقصان یہ ہے کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سخت کلمات کی بہ نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ لَانَتْ كَلِمَتُهُ وَجَبَتْ مَحَبَّتُهُ﴾

تَرْجَمَہ: ”جس کی باتوں میں نرمی ہوگی، اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔“

اب اس تجربہ کی روشنی میں غور فرمائیے کہ۔

جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے، پہلے ہی سے اس میں سوراخ کردے تو وہ چیز برتن میں کیسے آئے گی۔ جب بیٹے، بیٹی کے دل کو اپنی سختی اور مار پیٹ سے چھلنی کردے گا تو اس میں خیر کی بات کس طرح ڈال سکے گا۔

یاد رکھیے! چھوٹے بچوں کے دل میں غیر ضروری رعب اور خوف کا سمانا ایسا ہی برا ہے کہ جیسا نرم و نازک پودے پر بادِ صرصر کا تند و تیز جھونکا یا پھولوں پر لو کا چلنا۔

اسی طرح جو والد اخلاقی برائیوں کو حسنِ خلق کے ذریعہ دفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا، وہ نیک والد کہلانے کا مستحق کس طرح ہو سکتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ عام طور سے والدین کو اپنی بداخلاقی کی طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی اور نہ اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے، بزعم خود اپنے آپ کو کامل سمجھتے ہیں اور ناقص جب اپنے آپ کو کامل سمجھ لے تو اس سے جو بھی فتنہ اٹھ کھڑا ہو، وہ کم ہے۔

لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ناقص سمجھیں اور بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں، اے اللہ! میری اصلاح فرما دے۔

اور حسنِ اخلاق کے لئے، اپنے اخلاق سنوارنے کے لئے یہ دعا بھی اکثر مانگتے رہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ﴾[1]

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے اچھے اخلاق نصیب فرما، کیونکہ تیرے سوا اچھے اخلاق کوئی نہیں نصیب نہیں کرسکتا، اور برے اخلاق مجھ سے دور کردے کیونکہ تیرے سوا برے اخلاق کوئی دور نہیں کرسکتا۔“

۷ ساتواں نقصان یہ ہے کہ بعض اوقات باپ ان معمولی چیزوں سے جو باپ کی

[1] الحزب الاعظم: ص ۵۴

نظر میں معمولی ہوتی ہیں، بچے کی قوت فیصلہ خراب کر دیتا ہے۔

مثلاً یوں مخاطب ہوتا ہے، اتنا بڑا ہو گیا اب تک اتنی بھی سمجھ نہیں۔ تو یہ باپ کی طرف سے بہت ہی خیانت اور ناانصافی ہے کہ ۱۵ سال کے بچے کو پچاس سال کا بوڑھا سمجھنا اور خیانت اس معنی میں کہ وہ بچے کے لئے تو ایک مشکل معمہ ہے، جو آسانی سے حل نہیں ہوگا اور باپ کے نزدیک بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تو باپ بچے کے لئے بھی اس کو اتنا ہی آسان سمجھ کر اس کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے، مثلاً آج سے آپ اس پر غور فرمائیے کہ تجارت میں، ملازمت میں والد سے غلطی ہو جائے تو والد کے والد یعنی بچے کے دادا اپنے بیٹے سے یوں مخاطب ہوتے ہیں: چار بچے کا باپ ہو کر بھی تجھے یہ بات سمجھ نہ آئی...... بیٹے! اب تمہیں کب ذمہ داری کا احساس ہوگا...... تمہیں کیا ہو گیا، ایسے ہی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا...... ہم سے پوچھ تو لیتے...... فلاں پارٹی کو مال دے دیا، تمہیں پتہ نہیں جوتے گھس جاتے ہیں ان سے پیسے وصول کرنے میں، یہ تو برساتی مینڈک کی طرح ہیں، ان کو کبھی مال نہیں دینا چاہیئے بیٹا...... وغیرہ

ان فوائد کو حاصل کرنے اور ان نقصانات سے بچنے کے لئے خود ہی تدبیریں سوچیے اور فیصلہ کیجیے آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنی اہلیہ سے مشورہ کیجیے، امانتدار اور راز دار دوستوں سے مشورہ کیجیے اور نیک اور مثالی والد ہونے کا ثبوت دیجیے۔

اس کے علاوہ کچھ تدابیر لکھی جارہی ہیں، امید ہے ان سے بھی فائدہ ہوگا۔

۱ کتاب کو بند کر کے ان نقصانات کو زبانی دہرائیے اور ان کو یاد کر کے بیوی صاحبہ کو بھی سنائیے کہ بچوں کی قوت فیصلہ صحیح نہ ہو تو یہ پریشانیاں آتی ہیں۔

۲ اپنے دوستوں کو جو بچوں کے باپ ہوں، ان کو بھی اس کی ترغیب دیجیے، اس کے فوائد بتائیں، نقصانات سے بچنے اور بچانے کی ترغیب دیجیے۔

بچوں میں مہارت فکر پیدا کرنے کی چند مفید تدابیر

۱ جب آپ خریداری کے لئے اپنے بچے کو بازار لے جائیں تو بازار میں موجود تمام چیزوں کی پہچان کروائیں، مثلاً روپے کی اہمیت، چیزوں کے اوزان وغیرہ۔

۲ بچے کے سوالات پر اس کی حوصلہ افزائی کریں اور ان سوالات کے جواب کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار رکھیۓ اور بچے کو یہ کہنے میں تامل نہ برتیں کہ تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔

۳ بچے کے برے عمل کے مقابلے میں اچھے عمل کو مدنظر رکھیں۔

۴ بچے کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب کی وضاحت کریں اور اس کی کامیابی کی حوصلہ افزائی کریں۔

۵ بچے کو اس بات کا یقین دلائیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ یہ کام ضرور کر سکتے ہو اور ساتھ ہی اس کام کو کرنے کا طریقہ کار بھی وضاحت سے بتادیں۔

۶ بچے کو اپنے لئے پیشہ چننے کا اختیار دیں، اس پر اپنی مرضی زبردستی مسلط نہ کریں۔

۷ سوالات پوچھتے وقت کسی حاکم جیسا رویہ اختیار نہ کریں، بلکہ اپنے لہجے اور انداز کو نرم رکھیں تاکہ بچہ جلد از جلد سمجھ جائے۔

۸ بچے کو جواب سوچنے کا وقت دیں اور اس کو اپنے الفاظ میں وضاحت کرنے دیں۔

۹ بچے کا جواب صحیح یا غلط ہونے کی وجہ بتائیں۔

۱۰ اس بات کی اجازت دیں کہ بچے خود ہی اپنی غلطیاں تلاش کریں، بعد میں بے شک آپ اس کی اصلاح کرنے میں اس کی مدد کریں۔

(۱۱) غیر نصابی سرگرمیاں بھی اختیار کریں مثلاً ایک نقشہ اسکول سے گھر تک کے راستے کا بنائیں اور بچے کو راستہ سمجھائیں، تاریخی واقعات کے بارے میں ایک نقشہ بنائیں اور پھر بچے کو سمجھائیں، کوکنگ کی کلاس لیں، جس میں بچے کو درجہ حرارت اور چیزوں کی مقدار کے بارے میں معلومات فراہم کریں، اس سے کسی حد تک یہ شکایت دور ہوجائے گی کہ بچہ پڑھتا نہیں۔

معلومات عامہ کی کتابیں لے کر ان سے سوالات کریں۔ پھر جوابات سمجھائیں، پہیلیاں پوچھیں، اسی طرح کی ایک کتاب (HOW WELL DO YOU KNOW) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعارف کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو مکتبہ بیت العلم کراچی سے منگوائی جاسکتی ہے۔

جذباتی و جبلی تربیت

شیخ سراج الدین ندوی اپنی کتاب ''بچوں کی تربیت کیسے کریں'' میں لکھتے ہیں کہ بچپن کی جذباتی تربیت انسان کے کردار پر بڑے مفید اور دور رس اثرات ڈالتی ہے۔ بچپن میں جذبات کی اگر صحیح تربیت ہوجائے اور بچے کی جبلتوں کو صحیح راہنمائی مل جائے تو بچے میں بہترین کردار پروان چڑھتا ہے۔ ہر بچہ جب جوان ہوتا ہے تو بہترین شہری اور عمدہ اخلاق و اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں بے راہ روی کے بجائے اعتدال ہوتا ہے۔ تلون مزاجی کے بجائے صبر و استقلال پایا جاتا ہے۔

اگر بچے کی جبلتوں کو نہ سمجھا جائے، اس کے جذبات کا پاس ولحاظ نہ کیا جائے، تو بچے کی سیرت میں طرح طرح کی خامیاں اور خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور ایسا بچہ بڑا ہو کر بگڑا ہوا انسان ہوتا ہے، جو گھر کے لئے ایک بوجھ، معاشرے کے لئے ایک مصیبت اور ملک وملت کے لئے بدنما داغ ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کی جذباتی و جبلی

تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جذبہ و جبلت

جذباتی و جبلی تربیت کے لئے جذبہ و جبلت کے بارے میں وافر علم کا ہونا ضروری ہے۔ دراصل جبلت اور جذبے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بچے کو بھوک لگتی ہے، وہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتا ہے۔ ماں کے پستان تلاش کرتا ہے، اگر اسے دودھ نہ ملے تو رونے لگتا ہے تاکہ ماں رونے کی آواز سن کر اسے دودھ پلا دے۔ بھوک ایک جذبہ ہے اور اسے مٹانے کے لئے غذا تلاش کرنا انسان کی جبلت ہے۔ دراصل جبلت وہ فطری خواہش اور داعیہ ہے، جو انسان میں پیدائشی طور پر پایا جاتا ہے اور جذبہ اس شدید تاثر کو کہتے ہیں، جو انسان کے ذہن و دماغ پر اثر ڈالتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی خوب صورت چیز کو دیکھ کر بچہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی طرف لپکتا ہے اور اگر کوئی دھماکا ہوتا ہے، تو وہ چونک پڑتا ہے۔ اگر آپ اس کی پسند کی چیز اس کے ہاتھ سے چھین لیں تو وہ رونے لگتا ہے اور اس طرح وہ اپنے رنج کا اظہار کرتا ہے۔ یہ سب بچے کے جذبات ہیں، خوشی، خوف اور رنج وغیرہ کا دوسرا نام ہی جذبہ ہے۔ جذبات ہر انسان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ان میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے، لیکن کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں ہے جو جذبات سے بالکل خالی ہو۔

جبلت کی خاصیتیں

رینگنا بچے کی جبلت ہے۔ جب وہ اپنے اندر رینگنے کی صلاحیت پاتا ہے تو رینگنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے جیسے اس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے تو اس کے رینگنے سے کام نہیں چل سکتا، بلکہ اسے قدموں کے بل چلنا چاہیئے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیتا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بڑی عمر والے انسان کو اگر کسی دشوار گزار

راستے سے گزرنا ہو یا کسی اونچائی پر چڑھنا ہو تو وہ پنجوں کے بل چل کر یا رینگ کر اس مرحلے کو طے کرتا ہے، گویا یہ جبلی بازگشت ہوتی ہے، جو طویل وقفے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

جبلت ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ البتہ کمی و بیشی یا شدت و خفت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔ کوئی جبلت کسی انسان میں شدید ہوتی ہے، جب کہ وہی جبلت دوسرے انسان میں اتنی طاقت ور نہیں ہوتی۔

ضروری نہیں کہ جبلتوں کے ظہور کی شکلیں اور صورتیں بھی یکساں ہوں۔ جبلتوں کے بروئے کار آنے کی صورتوں میں کافی اختلاف ہوسکتا ہے۔ اسی طرح جبلتیں بلاضرورت بروئے کار نہیں آتیں۔ جب کوئی محرک ہوگا تو جبلت رد بہ عمل آئے گی۔ کوئی خوفناک چیز سامنے آئے گی تب ہی بچہ ڈرے گا۔ آگ کو کھلونا سمجھ کر بچہ اسے ہاتھ میں لے گا، تو ہاتھ جل جائے گا اور پھر بچہ کبھی آگ کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ بچہ اسی وقت حیرت میں پڑے گا جب کوئی عجوبہ اس کے سامنے آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ بچے کی جانب سے ڈر، فرار اور حیرت کا اظہار اسی وقت ہوگا، جب کوئی محرک پایا جائے گا۔

عمر اور ماحول کے اثر سے جبلتوں کی قوت میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح تمام جبلتیں بیک وقت نمودار نہیں ہوتیں، بلکہ ضرورتوں کے تحت جبلتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ پہلے وہ جبلتیں بروئے کار آتی ہیں، جن کا تعلق بچے کی اپنی ذات سے ہوتا ہے، جس میں سب سے مقدم غذا کی تلاش ہے، حصول غذا کے بعد پکڑنے، رینگنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے کی جبلتیں روبہ عمل آتی ہیں۔ ذاتی جبلتوں کے بعد وہ جبلتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں، جن کا اجتماعیت اور سماج سے تعلق ہوتا ہے۔ اگر کسی جبلت کے ظاہر ہونے اور قوی ہونے کے وقت اس کو نظر انداز کردیا جائے اور جبلت سے کوئی کام نہ لیا جائے تو وہ جبلت کمزور یا معدوم ہوجاتی ہے اور بچہ کج روی کا شکار

ہو جاتا ہے۔

اگر آپ بچوں کے جبلی تقاضے پورے کریں گے تو انہیں مسرت وخوشی حاصل ہوگی اور اگر بچوں کی جبلی ضرورتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان میں مایوسی، بے چینی اور چڑ چڑاہٹ جیسی بری عادتیں جنم لے لیں گی۔

جذبے کی خاصیتیں

جبلتوں کی طرح سب کے جذبات بھی یکساں نہیں ہوتے، بلکہ مختلف افراد کے جذبات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ایک شخص کی موت پر کوئی دہاڑیں مار کر روتا ہے، کوئی صرف آنسو بہا کر رہ جاتا ہے، کوئی لاش کو دیکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور دشمن خوشی واطمینان حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جذبات کے اظہار کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً: غصے میں کوئی بچہ پھول کر لیٹ جاتا ہے، کوئی بچہ کسی کو نوچنے لگتا ہے، کوئی بچہ اپنا سر پٹخنے لگتا ہے اور کوئی بچہ رونے لگتا ہے۔

جذبات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ متعدی ہوتے ہیں۔ کسی کو غم زدہ دیکھ کر دوسرا بھی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ ایک کے قہقہے سے دوسرے بھی ہنسنے لگتے ہیں، ایک فرد کے مشتعل ہو جانے پر دوسرا بھی مشتعل ہو جاتا ہے۔

جذبات کی نوعیت بڑی مختلف ہوتی ہے۔ یہ معمولی سی بات پر بھی بھڑک سکتے ہیں اور کسی اہم بات پر خاموش بھی رہ سکتے ہیں۔ ایک روپے پر جھگڑا ہو جانا، ہزاروں کے نقصان کو برداشت کر لینا، معمولی سی بات پر قتل وغارت گری کی نوبت آجانا، غیر معمولی بات کو ہنسی خوشی کے ساتھ برداشت کر لینا، مذاق مذاق میں زندگی بھر کے لئے تعلقات منقطع ہو جانا، لڑائی بھڑائی کے بعد بھی تعلقات قائم رہنا وغیرہ، ایسی مثالوں سے جذبات کی نوعیت کا اختلاف واضح ہو جاتا ہے۔

اگر جذبات دیر تک قائم رہیں یا بار بار طاری ہوں تو یہ عادت کے موجب

ہوجاتے ہیں۔ مثلاً: ایک شخص پر بہت دیر تک غصے کے جذبات طاری رہیں یا اس کے غصے کو بار بار بھڑکنے کا موقع ملے، تو ایسا شخص غصیلا ہوجاتا ہے۔ کسی فرد کو مسلسل چھیڑا جائے، بار بار چھیڑا جائے تو وہ چڑچڑا ہوجاتا ہے۔ مسلسل بار بار کی ناکامی کے نتیجے میں انسان مایوس اور مسلسل بار بار کی کامیابی کے نتیجے میں انسان رجائیت پسند ہوجاتا ہے۔

جبلّتوں اور جذبات کی تربیت

انسان کی جبلتوں اور جذبات میں بڑی لچک رکھی گئی ہے۔ تجربہ و مشاہدہ، تعلیم و تربیت اور غور و فکر کے نتیجے میں ان میں کمی و بیشی اور تغیر و تبدل کا بھرپور امکان رہتا ہے۔ اس لئے بچوں کی تربیت و نگہداشت کے ذریعے بچوں کے جذبات کو تعمیری رخ آسانی سے دیا جاسکتا ہے۔

بچوں کی جذباتی و جبلی تربیت میں لگے بندھے طریقے، متعینہ اصول اور سکہ بند ہدایات سے کام نہیں چلتا، بلکہ ہر بچے کے مزاج کا تجزیہ کرکے اس کے لئے مناسب طریقہ تجویز کرنا ضروری ہے۔ لگے بندھے طریقوں سے کبھی بھی بہتر تربیت کا کام انجام نہیں پاسکتا۔ والدین اور اساتذہ کی یہ ذمے داری قرار پاتی ہے کہ وہ ہر بچے کا بغور انفرادی مطالعہ کریں، اس کی جذباتی بے اعتدالیوں کو سمجھیں، ان کے حقیقی اسباب کا پتہ لگائیں اور پھر حکمت سے انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔

بچوں کی بے اعتدالی پر ناراض ہوکر اس کو نہ جسمانی سزا دیں اور نہ جھڑکیں، بلکہ نہایت شفقت بھرے لہجے میں اسے سمجھائیں۔ بچے کو کسی دوسرے کی موجودگی میں ہرگز نہ ڈانٹیں، اس سے بچے میں جرم کرنے کا جذبہ مزید پروان چڑھتا ہے۔

بچے کی جائز خواہشیں حتی الامکان پوری کرنے کی کوشش کیجیے۔ البتہ جب آپ دیکھیں کہ خواہشیں ناجائز رخ اختیار کررہی ہیں تو نہایت حکمت و تدبیر سے ان پر بند

لگانے کی کوشش کیجیے۔ اگر آپ محسوس کریں کہ سزا دینا ناگزیر ہوگیا ہے تو بہت سوچ سمجھ کر سزا بھی ضرور دیجیے مگر بعد میں حسن سلوک وغیرہ سے اس کی تلافی بھی کر دیجیے۔

جذباتی وجبلی تربیت کے لئے خوشگوار ماحول فراہم کیجیے، اچھے ہم جولی...... بہترین تعلیم گاہ...... کھیل اور تفریح کا ضروری سامان...... متعلقین کا شفقت بھرا برتاؤ...... بچوں کی بہتر نشو ونما کے لئے ضروری ہے۔ اپنے بچے کے لئے اچھے دوستوں کا انتخاب کیجیے۔ اس کے دوستوں کی آمد پر ان کی تکریم کا اہتمام کیجیے۔ کبھی کبھی انہیں کھانے پر مدعو کیجیے۔ بہن بھائیوں کو آپس میں میل محبت سے رہنے، کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کے مواقع فراہم کیجیے۔ کبھی کبھی بچے کو اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے یہاں اپنے ہمراہ لے جائیے۔

گھر، مدرسہ اور قرب وجوار کے ماحول کو صاف ستھرا رکھیے۔ سامان نہایت سلیقے سے ترتیب دیجیے۔ بات چیت میں شائستگی، باہمی تعلقات میں خوش گواری کا اہتمام کیجیے۔ آپس کی بدمزگی اور تعلقات کی ناخوش گواری بچے میں دشمنی و بغاوت اور نفرت و کدورت کے جذبات پروان چڑھاتی ہے۔ جذبات میں پاکیزگی و بلندی پیدا کرنے کے لئے انہیں معیاری شخصیتوں کے نصیحت آموز اور دلچسپ واقعات سنائیے، اچھے اشعار اور اصلاحی کہانیوں سے ان کے ذوق لطیف کو نکھاریے، غلط باتوں سے نفرت اور حق سے محبت کرنے کی عادت پیدا کیجیے۔

اگر آپ یہ محسوس کریں کہ بچے کی بے اعتدالی کا سبب اس کی جسمانی کمزوری یا صحت کی خرابی ہے تو فوراً اس کے معالجے کی طرف توجہ فرمائیے اور اس کی جسمانی نشو ونما پر توجہ دیجیے۔ خراب صحت کی موجودگی میں آپ بچے کے اندر صحت مند و پاکیزہ جذبات کو پروان نہیں چڑھا سکتے۔

بچوں کی تربیت اپنی سعادت عظمیٰ سمجھیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿أَكْرِمُوْا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوْا أَدَبَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: ''اپنی اولاد کو عزت دو اور ان کی اچھی تربیت کرو۔''

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

﴿عَلِّمُوْا أَوْلَادَكُمْ وَأَهْلِيْكُمُ الْخَيْرَ وَأَدِّبُوْهُمْ﴾[2]

ترجمہ: ''اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھلائی کی تعلیم دو اور ان کی تربیت کرو۔''

بعض مرتبہ مصروفیت اور مشاغل کی کثرت کی وجہ سے والدین یا ان دونوں میں سے کوئی ایک یہ سمجھتا ہے کہ بچوں کی تربیت کرنا ایک مصیبت ہے یا بہت مشکل کام ہے یا میرے بس کی بات نہیں یا کوئی اور اس کام کو انجام دے دے چاہے میں اس کو پیسہ دے دوں، اس کی تنخواہ مقرر کردوں، تنخواہ کے علاوہ کچھ الگ دے دوں، لیکن یہ بوجھ میرے سر سے ہٹ جائے...... کیوں جناب؟

اس لئے کہ میں بہت مصروف ہوں، میرے پاس وقت نہیں یا مجھے غصہ بہت جلدی آجاتا ہے، میں بچوں کو سمجھا نہیں سکتا یا مجھے مزہ ہی نہیں آتا، دل ہی نہیں لگتا، وغیرہ۔ ان سب باتوں کا حل یہ ہے کہ آپ اس کو بوجھ نہ سمجھیں، اس کو مصیبت و زحمت نہ سمجھیں، اس کو مشکل اور اپنے بس سے باہر نہ سمجھیں۔

آپ اس کو اپنی سعادت سمجھیے، اپنے لئے صدقہ جاریہ سمجھیے، اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا ذریعہ سمجھیے۔ بچوں کی تربیت اور ان کو بیٹھ کر اچھی طرح سمجھانا، ان کی

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الأدب باب برّ الوالد والإحسان إلى البنات: ص ۲۶۹

[2] مستدرک حاکم: ج ۲ ص ۴۹۴

تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا، اخلاق و آداب کے اعلیٰ معیار تک پہنچانے کی کوشش کرنا، دس پندرہ منٹ تک ہاتھوں کو اٹھا کر ان کا نام لے لے کر دعائیں مانگنا، اللہ تعالیٰ سے ان کو دین کی خدمت کے لئے قبول کروانا، دعاؤں کے ذریعہ دنیا و آخرت کے انعامات دلوانا، ان سب امور کو اپنی سعادت سمجھیے، اپنی ضرورت سمجھیے، اپنے لئے صدقہ جاریہ سمجھیے، معاشرہ میں ایک بہترین فرد کے آنے کا ذریعہ سمجھیے، اپنی آنے والی نسل پر احسان سمجھیے، اپنی شریک حیات کے ساتھ تعاون کیجیے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ سمجھیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک بہترین فرد کے وجود کا ذریعہ سمجھیے۔

ان تمام فوائد کو سوچیے اور اہلیہ سے کہیے کہ ہم دونوں سوچیں کہ بچے کی تربیت سے دنیا و آخرت کے کیا کیا فوائد ہمیں حاصل ہوں گے، کتنے منافع ہمیں ملیں گے، اہلیہ سے کہیں کہ تم چار فائدے سوچ کر رکھنا اور میں بھی چار فائدے سوچوں گا۔ پھر اسی طرح اہلیہ کے ساتھ بیٹھ کر اس کے نہ کرنے کے نقصانات سوچیے، پھر اسی طرح دوستوں سے مذاکرہ کریں کہ اگر ہم نے بچے کی تربیت پر توجہ نہ دی، اس کے لئے اپنا وقت فارغ نہ کیا، اسکول و مدرسہ کے حالات کی خبر نہ رکھی، گھر سے باہر کن دوستوں اور سہیلیوں میں وہ وقت گزارتا/ گزارتی ہے، کون سی کتابیں دیکھتا ہے، ٹی وی سے ہم نے اس کو نہ بچایا، برے ماحول اور برے دوستوں سے نہ بچایا اور اس کے اساتذہ کرام سے وقتاً فوقتاً حالات نہ لیئے تو اس کے کیا کیا نقصانات ہوں گے۔

ان شاء اللہ جب آپ اس طرح ان فوائد کا مذاکرہ کریں گے اور ان نقصانات کو بھی سامنے لائیں گے تو آپ کو تعلیم و تربیت کا شوق پیدا ہوگا، پھر بچوں کے لئے وقت دینا، ان کو سمجھانا، ان کی دینی ذہن سازی کرنا، اللہ جل جلالہ کی عظمت و کبریائی ان کے دلوں میں بٹھانا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ان کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرنا، بڑوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت سکھلانا، اسکول اور مدرسہ کا

ہوم ورک کروانا، اسکول اور مدرسوں کی حاضریوں پر کڑی نگاہ رکھنا، ان تمام امور کا اہتمام کرنا آپ کو آسان و دلچسپ معلوم ہوگا۔

پھر جس طرح دوستوں کی محفل اور مجلس میں بیٹھنے میں مزہ آتا ہے، اس سے زیادہ بچوں کی تربیت میں مزہ آئے گا۔ پھر جس طرح اخبار پڑھنے میں اور فضول کہانیوں میں وقت لگانے میں سرور حاصل ہوتا ہے، اس سے زیادہ بیوی بچوں کے پاس بیٹھ کر ان کے مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں سرور حاصل ہوگا، پھر جس طرح کاروبار میں کسی سودے کے ہونے پر طبیعت خوش ہوتی ہے، اس سے زیادہ بچوں کو عملی طور سے اخلاق پر لانے میں خوشی محسوس ہوگی، اور جس طرح ملازم کو اوور ٹائم نہ ملنے پر غم ہوتا ہے، یا تنخواہ کٹنے پر غم ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بچے کی اسکول و مدرسہ کی چھٹی پر غم ہوگا اور اس کی آہ نکلے گی کہ بیٹا! آج تم نے مدرسہ کی چھٹی کیوں کرلی؟ ایک کاروباری کو جس طرح ایک آرڈر ملنے کے بعد پھر وہ آرڈر کسی وجہ سے منسوخ ہوجائے تو جس طرح غم ہوتا ہے، اس طرح بچے کے امتحان میں فیل ہونے پر غم ہوگا۔

اب میاں بیوی بیٹھ کر سوچیں کہ ہم کس طرح اس بچے کی تربیت کریں، جب تربیت پر وقت لگانے کے فوائد و منافع سامنے آگئے اور اس پر وقت نہ لگانے کے نقصانات بھی سامنے آگئے تو اب ان فوائد و منافع کے حاصل کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ اور ان نقصانات سے بچنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ اس پر غور کریں اور اس پر بیوی سے پوچھیں، پھر خود سوچ کر ایسی راہ متعین کریں جس سے بچے کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کی پوری ذمہ داری آپ ہی پر ہو، آپ کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہ ہو۔ کتنا ہی شفیق و ماہر استاد ہو، کتنا ہی اچھا اور معیاری اسکول و مدرسہ کیوں نہ ہو، لیکن آپ اپنی اس ذمہ داری کو اور اس اجر و ثواب کو اور اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کے ذریعہ کو ہرگز ہرگز کسی کے سپرد کرکے مطمئن نہ ہوجائیے، بلکہ خود ہی فکر کیجیے۔ ہاں وہ استاد، اور

آپ کی اہلیہ، اور پرنسپل و مہتمم، آپ کے معاون ضرور ہوں گے، لیکن سرپرست کامل کی حیثیت آپ خود اپنایئے۔ اس سے ان شاء اللہ وہ تمام شکایتیں دور ہوجائیں گی جو بہت سے والدین کو ہوتی ہیں کہ

١ میری بیوی بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال نہیں رکھتی۔

٢ فلاں اسکول میں تو جاکر میرا بچہ بگڑ گیا، کوئی توجہ نہیں ہے، کوئی خیال نہیں رکھتے، اتنی فیس دے کر بھی وقت ضائع ہوا۔

٣ فلاں مدرسہ میں تو میرے بچے کا صحیح طور پر حفظ بھی نہیں ہوسکا، قاری صاحب بار بار چھٹیوں پر چلے جاتے تھے، بچے کی منزل بھی کچی رہ گئی، پارے بھی پکے نہ ہوسکے، حفظ بھی مکمل نہ ہوسکا، وہاں تو بہت وقت لگ گیا وغیرہ۔

یہ سب شکایات ان شاء اللہ تعالیٰ دور ہوجائیں گی، جب آپ براہ راست توجہ دیں گے، اگر آپ بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں، یا آپ کو اسکول و مدرسہ کے بارے میں تفصیلی حالات کا علم نہیں ہے، لیکن آپ یہ تین کام تو کرسکتے ہیں۔

١ ہر ماہ بچے کی حاضری کا ریکارڈ اسکول و مدرسہ سے منگوائیں، غیر حاضری پر بہت سختی سے ناراض ہوں، ہر قسم کی تادیبی کاروائی جو اس عمر کے بچے کے لئے مناسب ہو کریں، غیر حاضری کے نقصانات بچے کے دل و دماغ میں اتنے شدت سے پیوست کرنے کی کوشش کریں کہ وہ غیر حاضری کو ناقابل معافی جرم سمجھے، دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی غیر حاضری میں سمجھے، اور اسے مستقبل میں پشیمانی و پریشانی کا سبب سمجھے۔

٢ امتحانات (ٹیسٹ) وغیرہ کی رپورٹ دیکھیں، امتحانات سے چند دن پہلے بچوں کا کھیلنا وغیرہ بہت کم یا بند کروائیں، اپنے پاس بٹھا کر یاد کروائیں، امتحانات میں پاس ہونے پر انعامات دیں، کم نمبر آنے پر یا پچھلے امتحانات سے کم نمبر ہونے پر افہام و تفہیم سے کام لیں، وجہ و سبب معلوم کریں کہ پچھلے امتحان میں یہ حال تھا اب

کس وجہ سے ایسا ہوا، پھر اس کی بتائی ہوئی وجوہات پر بیوی سے مشورہ کریں، پھر سوچیں کہ کہاں ہماری غلطیاں ہیں، کہاں بچے کی کمی کوتاہی ہے اور اس کے تدارک کی تدبیر کریں۔

۴ اس کے دوستوں کے بارے میں فکر رکھیں۔ خاص طور پر جن رشتہ داروں کے گھر وہ جاتا ہے ماموں زاد، پھوپھی زاد وغیرہ اگر کسی کے اخلاق وعادات نامناسب ہوں تو ان سے بھی تعلق کم رکھوایئے، بچے کے ماموں اور خالہ کے لڑکے بھی اگر آپ کے بچے کی تربیت میں مانع ہوں تو بیوی صاحبہ کو اعتماد میں لے کر ان سے دور رکھنے کی کوشش کریں، مثلاً آپ نے بچے کو ٹی وی سے دور رکھا ہے، لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ وہ ماموں و خالہ کے گھر جاکر اس گندی و بری عادت میں مبتلا ہوجائے گا تو اس کو وہاں جانے سے روکیں، یا آپ نے بچے کو اسکول و مدرسہ کے ہوم ورک کرنے کا پابند بنایا ہے اور خالہ و پھوپھی کے بچوں کا حال اس طرح نہیں ہے یا آپ کی بچی اسکارف و دوپٹہ کی پابند ہے اور وہاں یہ ماحول نہیں یا آپ نے سات سال کی عمر سے نماز کا اہتمام کروایا ہے اور وہاں یہ اہتمام نہیں، آپ نے عشاء کی نماز کے فوراً بعد سونے کی عادت بنائی ہے اور وہاں دیر سے سونے کی عادت ہے اسی طرح محلّہ کے بعض غیر دینداروں کے بچے جن کے ہاں تربیت کا اہتمام نہیں، تو آپ اپنے بچوں کو برے ماحول سے، برے دوستوں سے ایسے ہی بچایئے جیسے سانپ اور بچھو سے بچایا جاتا ہے۔ کیونکہ برا ماحول، برے دوست والدین کی ساری کی کرائی محنت کو ضائع کردیتے ہیں۔

اولاد سے عام شکایت

جس اولاد کی دیکھ بھال ماں باپ نے دن رات مشغول رہ کر کی، اپنے جسم و جان کی قوتیں گھلادیں، اگر وہ اولاد ان کی امیدوں پر پانی پھیر دے اور ان کی

توقعات کے خلاف نافرمان اور باغی بن کر اٹھے تو اندازہ کیجیے! ان والدین کا کیا حال ہوگا۔ ان کی روحانی اذیت اور دلی رنج وغم کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن اولاد کا نافرمان اور باغی بن جانا، اس میں اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اولاد پیدائشی طور پر باغی و نافرمان نہیں ہوتی، بلکہ بعد کے حالات و واقعات ان کی بغاوت کا سبب بن جاتے ہیں۔ بہر حال ہم چند باتیں تحریر کرتے ہیں، والدین تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں اور دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ باتیں ہمیں سمجھا دیں۔

ماں باپ کے سوچنے کی باتیں

بے شک ماں باپ کے بس میں سب کچھ تو نہیں ہے، لیکن ماں باپ کے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے رویے کے بارے میں غور کریں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی روشنی میں اپنے عمل کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے انداز سے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں، کہیں ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہورہی ہے؟

ان کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے آپ پر عائد کیے ہیں، کہیں ان کے ادا کرنے میں آپ کوتاہی تو نہیں کررہے ہیں؟ اولاد آپ کی آرزوؤں کو اسی وقت پورا کرسکتی ہے، جب آپ بھی ان کے حقوق سے غفلت نہ برتیں، اولاد کو آپ جن اخلاقی خوبیوں سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں اور جس سعادت مندی، خدمت گزاری، فرماں برداری اور نیک برتاؤ کی آپ ان سے توقع رکھتے ہیں، وہ آرزوئیں اور توقعات پوری ہوسکتی ہیں، اگر آپ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور پوری تن دہی اور دلی آمادگی کے ساتھ ان کو پورا کریں، اولاد کی نافرمانی اور سرکشی بے شک بڑے دکھ کی بات ہے، لیکن یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ان کی یہ پرورش ماں باپ کی کسی مجرمانہ غفلت

اور فرائض میں کوتاہی کا نتیجہ تو نہیں، وہ اولاد آپ کے حقوق کا احساس کیسے کر سکتی ہے، جس کو آپ نے حقوق کا احساس دلایا ہی نہیں، وہ اولاد ماں باپ کی خدمت و احترام کی بات کیسے سوچ سکتی ہے، جس کو کبھی بتایا ہی نہیں گیا کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کا ادب واحترام اولاد کا فرض ہے۔ اگر آپ نے ان کے جذبات واحساسات کا خیال نہیں رکھا ہے، تو وہ آپ کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنا کس سے سیکھیں گے، اگر آپ نے ان سے محبت نہیں کی ہے، اور اپنے سلوک سے ان کو یہ تأثر دیا ہے کہ ان کی پرورش کی پریشانیوں کے مقابلے میں آپ کو ان سے چھٹکارا زیادہ پسند ہے، تو وہ آپ سے محبت کرنے اور آپ کی خدمت کرنے کی بات کیسے سوچیں گے، اگر آپ نے اپنے عیش وآرام کو سب کچھ سمجھا ہے اور ان کی ضرورتوں کی طرف سے غفلت برتی ہے تو وہ آپ کی ضرورتوں کا احساس کہاں سے کریں گے۔ اگر آپ معاشرے کی اصلاح اور تہذیب وتمدن کی تعمیر کے لئے کچھ خاص افکار ونظریات نہیں رکھتے ہیں تو آپ کی اولاد ان نظریات کی حامل کیسے بن سکتی ہے۔

لہٰذا اولاد سے وہی توقعات رکھیئے، جس کے لئے آپ نے اس کو تیار کیا ہے، اور اسی طرح کے سلوک کی امید کیجیے، جس طرح کا سلوک آپ نے ان کے ساتھ کیا ہے۔

بچے کے ساتھ آپ کے سلوک کے علاوہ اس کی تربیت میں تعلیم، ماحول، ساتھی، عزیز واقارب کا بھی دخل ہے۔ یہ سب اپنی اپنی حد تک اس کے بناؤ یا بگاڑ کے ذمہ دار ہیں۔

اسی طرح اگر آپ اپنے والدین یعنی ان کے دادا دادی، نانا نانی سے کج روئی اور ترش روئی کا معاملہ کریں گے اور بار بار بڑھاپے کا طعنہ دیں گے تو کیا وہ آپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک نہ کریں گے......؟

لہٰذا آج سے فیصلہ کر لیجیے کہ اولاد کی تعلیم وتربیت سے غفلت نہیں برتیں گے،

اس کو اپنے لئے بوجھ نہیں سمجھیں گے۔ بچوں کی تربیت کے لئے ان تدابیر کا اہتمام کیجئے۔

۱ خود پانچ وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کیجئے، ایک نماز بھی جماعت سے نہ چھوٹے، اور اہلیہ کو بھی پیار و محبت سے اس کا پابند کیجئے۔

۲ روزی کو زیادہ سے زیادہ حلال و پاکیزہ بنانے کی فکر کیجئے، نمازوں کے اوقات میں کوئی سودا کسی قسم کا لین دین نہ کریں، اذان سنتے ہی کاروبار بند کردیں، ملازم ہوں تو نماز کے اوقات میں چھٹی لے لیجئے۔ اگر ان اوقات کی تنخواہ کٹے تو ہرگز پرواہ مت کیجئے۔ اگر خدانخواستہ جس کے ہاں ملازمت کر رہے ہیں، کسی طور پر نماز کے اوقات میں چھٹی دینے پر رضامند نہیں تو دوسری جگہ ملازمت کی کوشش کریں۔ اگر موجودہ جگہ =/۸۰۰۰ روپے تنخواہ ہے اور دوسری جگہ =/۷۰۰۰ تو دوسری جگہ والی ملازمت کو اختیار کیجئے۔ یقین رکھیے کہ یہ =/۷۰۰۰ ہزار اتنے برکت والے ہوں گے کہ دوسروں کے =/۸۰۰۰ میں وہ مسائل حل نہیں ہوں گے اور اتنی سکون اور راحت نہ ہوگی جتنی آپ کے =/۷۰۰۰ ہزار والی ملازمت میں ہوگی۔

۳ تاجر ہونے کی صورت میں جھوٹ، دھوکہ، خیانت، ملازموں پر ظلم، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں بخل کرنا وغیرہ امور سے بچیئے اور ملازم ہونے کی صورت میں پوری ڈیوٹی دیجئے، اوقات مقررہ میں کمی ہوجائے تو معاف کروالیجئے یا تنخواہ میں کمی کروالیجئے، جو کام دیا جائے، اس میں اپنی طرف سے کوشش میں کمی نہ کیجئے۔ یقین رکھیئے کہ پوری ڈیوٹی دے کر جو تنخواہ ملے گی، اس میں بہت ہی زیادہ برکت ہوگی۔

۴ اپنے والدین کی دعائیں لیتے رہیئے، والدین کے گھر خالی ہاتھ نہ جائیں، کچھ نہ کچھ ضرور خرید کرلے جائیں۔ اگر وہ اللہ کو پیارے ہوچکے ہوں تو کچھ نہ کچھ پڑھ کر نیکیوں اور بھلائیوں کے کاموں میں کچھ خرچ کرکے ان کے لئے ایصال ثواب ضرور

کریں۔

۵ بہن بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام کیجیے، وقتاً فوقتاً ان کی خیریت معلوم کرتے رہیے، ان کے گھر بھی خالی ہاتھ نہ جائیے، کم از کم موسمی پھل فروٹ، سردی گرمی کے کپڑے جو کچھ اپنی حیثیت سے ہو سکے، ان کو دیتے رہیے۔ ان کو بھی دیندار بنانے کی فکر کرتے رہیے، اگر والدین کا انتقال ہو چکا ہو تو والدین کی میراث سے ان کو ان کا پورا حق ضرور دیجیے۔ خصوصاً بہنوں کا حق پورا پورا ادا کیجیے۔

۶ اپنے حاجت مند اقرباء کی امداد اور نابیناؤں اور معذوروں کی خدمت، کم حیثیت مریضوں کی امداد، غریب بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام وغیرہ جیسے خیر کے کاموں میں خوب دلچسپی لیجیے اور جانی...... عقلی...... مالی...... صلاحیتیں اس پر خوب خرچ کیجیے۔ اخلاق اور معاشرت اور حقوق العباد وغیرہ کی ادائیگی کا اہتمام آپ کو ایک مثالی والد بنائے گا، اور ان سب امور کے نتیجہ میں خاص طور پر ان بے سہارا لوگوں کی دعاؤں سے آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے کام لیں گے، آپ کی یہ اولاد دنیا و آخرت دونوں میں آپ کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

۷ اولاد سے مشورہ لینے کا اہتمام رکھیں، مشورہ ایک سنت عمل ہے، مؤمنین کی صفات حمیدہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ ہر کام مشورہ سے کرتے ہیں۔

مشورہ آنے والی بڑی بڑی بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔

مشورہ آپس میں دلوں کو جوڑ دیتا ہے، مشورہ گھر کے ہر فرد کو ایک مقام دیتا ہے۔

مشورہ تقدیر پر یقین بڑھاتا ہے۔

مشورہ رائے دینے کا ڈھنگ سکھاتا ہے، مشورہ اللہ کی رضا کا ذریعہ بنتا ہے، مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

لہٰذا ہر کام میں مشورہ کا اہتمام کریں۔ آج اولاد کو عمومی طور پر یہ شکایت رہتی ہے کہ والد ہم سے مشورہ نہیں کرتے، سب جگہ اپنی مرضی سے ہی کام کرتے ہیں، پھر نقصان و پریشانی اٹھانی پڑتی ہے تو ہم بھی اس نقصان و پریشانی میں شریک ہوتے ہیں، کتنا بھی کام صحیح ہو، سو فیصد ہماری سمجھ کہے کہ یہ کام کرلو پھر بھی بغیر مشورہ کیئے نہ کریں، مشورہ ضرور کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی، اللہ تعالیٰ کے سب سے آخری اور تمام نبیوں کے امام ہونے کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ فرماتے تھے، اور بعض اوقات اپنی رائے چھوڑ کر کسی چھوٹے صحابی کی رائے پر فیصلہ فرمایا، اگر دنیا میں کوئی مشورہ سے مستغنی ہوسکتا تھا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، لیکن آپ بھی مشورہ فرماتے تھے، تو ہم سب کو چاہیئے کہ گھر کے ہر اہم کام میں بیوی اور اولاد سے ضرور مشورہ لیں، اور ان کی رائے کو دھیان سے سنیں، پھر اس پر سوچیں، پھر فیصلہ کریں، اگر ان کی رائے کے خلاف بھی فیصلہ کرنا ہو تو ان کو اعتماد میں ضرور لیں کہ وہ بھی اس فیصلہ کو اپنا ہی فیصلہ سمجھ لیں۔

مناسب مواقع تلاش کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا

مثالی باپ وہی ہے جو ہمیشہ مناسب موقع کی تلاش میں رہے اور ان سے فائدہ اٹھائے، ہر وقت کی وعظ ونصیحت بسا اوقات اکتاہٹ کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے، قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی، اسے قیدیوں میں اپنا بچہ نظر آیا، اس نے شدت جذبات اور فرط محبت میں اپنے بچہ کو گود میں اٹھالیا، اسے اپنے پیٹ سے چمٹا لیا اور اپنا دودھ پلایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: ”اگر اس

عورت کو اختیار دے دیا جائے تو کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جواب دیا: ''خدا کی قسم یہ عورت ایسا نہیں کر سکتی۔''

اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ عورت اپنے بچے پر جتنی مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔''[1]

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فضا کو رقت آمیز دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی محبت، رحم و کرم کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذہنوں میں جاگزیں کرنے کے لئے اس موقع سے کس طرح فائدہ اٹھایا اور سوال و جواب کے انداز میں اس حقیقت کو اس طرح ذہن نشین کیا کہ یہ منظر لوگ تادم آخر نہ بھول پائے ہوں گے۔ بلکہ ہر ملاقاتی اور شناسا سے اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ جل جلالہ کے رحم و کرم کی وسعت کا تذکرہ کرتے رہے ہوں گے۔

آیئے، اس سلسلہ میں ایک دوسرے واقعہ پر غور کرتے چلیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گاؤں سے واپسی پر مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے آپ کو دونوں طرف گھیر رکھا تھا۔ وہاں چھوٹے کانوں والا ایک مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے کان پکڑے اور فرمایا: ''تم میں سے کون اس مردہ بچہ کو ایک درہم میں خریدنے کے لئے تیار ہے؟'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: ''ہم کسی بھی قیمت پر اس کو خریدنا نہیں چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے کسی کام کا نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی کان چھوٹے ہونے کا عیب اس میں تھا اور اب تو یہ مردہ ہے۔ اس لئے کوئی سوال ہی پیدا

[1] مسلم: ج۲ ص۳۵۶

نہیں ہوتا۔" یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا کی قسم! یہ بچہ تمہاری نظر میں جتنا بے وقعت ہے، دنیا اللہ کی نظر میں اس سے زیادہ بے وقعت ہے۔"[1]

سوچئے!...... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا ہے۔ ایسے مقام سے آدمی بہت تیزی سے گذر جاتا ہے۔ غالباً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اس گھناؤنے منظر سے بہت تیزی سے گذرنا چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ان جذبات کو محسوس کرلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دنیا کی بے وقعتی کو اس انداز سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ذہنوں میں بٹھایا کہ پھر دنیا کی ظاہری جگمگاہٹ ان کی نظروں کو کبھی بھی اپنی طرف نہ پھیر سکی۔

ایک مثالی والد کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی مناسب موقع پر نہ چوکے، والدین اپنے بچوں کی تربیت کے لئے موقع کی تلاش میں رہیں۔ اگر کوئی بات ذہن نشین کرانے کے لئے ذرا سا بھی بہانہ مل جائے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا:

﴿مَتَى السَّاعَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟﴾

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟۔"

بظاہر یہ ایک سادہ سا سوال ہے، جو کسی کے ذہن میں بھی اٹھ سکتا ہے اور آپ سادہ انداز میں جواب دے کر بات کو ختم کرسکتے تھے، مثلاً آپ قیامت کی کچھ علامتیں اور نشانیاں بتا کر پوچھنے والے کو خاموش کردیتے یا آپ یہ کہہ کر خاموش

---

[1] مشکوٰۃ: ج۲ص۴۳۹

ہو جاتے کہ مجھے اس کا علم نہیں یا یہ جواب دے دیتے کہ اللہ ہی کو اس کا علم ہے وغیرہ۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ اس شخص پر قیامت کی فکر طاری ہے، اور اس کے وقوع کے وقت کے بارے میں سوال کر رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے خود سوال کیا:

﴿مَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا﴾

ترجمہ: "تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟"۔

اس سوال کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سوچ کے انداز کو ایک مثبت اور صحیح رخ دیا اور یہ بات اس کو ذہن نشین کرائی کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ قیامت کب آئے گی، اصل مسئلہ یہ ہے کہ قیامت کے لئے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال نے پوچھنے والے کو احتسابی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیا۔ اس نے خوب سوچا اور جواب دیا:

﴿حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾

ترجمہ: "میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں"۔

یعنی آخرت کے لئے میں نے جو زادِ راہ تیار کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ میں زندگی کے ہر معاملہ میں ان دونوں کو راضی رکھنا چاہتا ہوں۔ میری زندگی کا مقصد اور میری سرگرمیوں کا محور اللہ رب العزت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا حصول ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہر وقت اپنے اللہ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی رکھوں۔ آپ نے جواب میں یہ جملہ سنا تو فرطِ خوشی سے فرمایا:

﴿فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ [۱]

ترجمہ: "جس سے تم نے محبت کی تم اسی کے ساتھ رہو گے"۔

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ج۲ص۳۳۲

اگر تم اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ہی تم کو حاصل ہوگا اور کل میدان حشر میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہوگی۔

ذخیرہ احادیث میں سے صرف یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں، تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے اصحاب کے ذہن وفکر کی تعمیر کرتے تھے اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے تھے۔ اس طرح آپ سوچیے اور مواقع کی تلاش میں رہیے، جیسے ہی کوئی موقع ملے فوراً اس سے فائدہ اٹھائیے اور بچوں کو کچھ نصیحت کیجیے، مثلاً آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ چھٹیاں گزارنے کسی پرفضا مقام پر گئے، مثلاً مری، ایوبیہ، ایبٹ آباد، موریشس وغیرہ۔ اب کسی جگہ آپ نے محسوس کیا کہ بالغ بچے جو سمجھ رکھتے ہیں، وہ قدرتی منظر سے مسحور ہوگئے ہیں، فوراً ان کو سمجھائیں کہ بیٹا ر بیٹی دیکھو! یہ کتنی خوبصورت جگہ ہے، لیکن اس سے ہزاروں گنا زیادہ خوبصورت جگہ جنت ہے، جو ایمان والوں کے لئے مخصوص ہے اور وہ نیک اعمال مثلاً نماز، تلاوت، تبلیغ پر ملتی ہے۔ اس طرح کی نصیحت کے ساتھ دعا بھی کیجیے کہ یا اللہ! میری بات کچھ بھی نہیں، بات میں اثر ڈالنے والی آپ ہی کی ذات ہے، دلوں کو پھیرنے والی آپ ہی کی ذات ہے، میری ان باتوں کو پر اثر بنائیے اور ان کے دلوں کو اپنے دین اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی طریقوں کی طرف پھیر دیجیے۔ اس طرح کرنے سے ان شاء اللہ بچوں پر بہت اچھا اثر پڑے گا اور آپ کی یہ نصیحت انہیں موت تک یاد رہے گی، بلکہ اپنی اولاد کو بھی وہ یہ نصیحتیں کریں گے۔

قصص وواقعات کے ذریعہ تربیت

ذہن سازی میں قصوں کو بڑا دخل ہے۔ انسان کہانی کی زبان میں جو کچھ سنتا

ہے، اس سے اثر لیتا ہے۔ اس لئے والد کو چاہیے کہ رات کو یا کسی بھی مناسب وقت پر بچوں کو لے کر بیٹھ جائے اور انہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور دیگر بزرگوں کے سبق آموز قصے سنائے اور ان سے جو سبق ملتا ہے، وہ بھی انہیں بتائے، اس طرح اپنے بچوں کے اندر احیاء دین اور مسلمانوں کے حالات کو سدھارنے کا درد پیدا کرے، انہیں بتائے کس طرح ان بزرگوں نے اللہ کے دین کے لئے اللہ کے راستے میں تکلیفیں اٹھائیں، اپنا جان، مال اور اپنا وقت اللہ کی راہ میں صرف کیا اور اسلام کے درخت کی آبیاری کی اور کتنی تکلیفیں اٹھانے کے بعد یہ دین ہم تک پہنچا۔

لہٰذا ہمیں بھی اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس محنت کو آگے بڑھانے کی سعی کرنی چاہیے۔

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی تھے۔ ان میں ایک کوڑھی تھا، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان کے لئے ایک فرشتہ کو انسانی شکل میں بھیجا۔ وہ فرشتہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: ''تمہیں کیا چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟''

کوڑھی نے کہا: ''میری تمنا ہے کہ میرا کوڑھ پن دور ہو جائے، جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں، اس کے بجائے عمدہ رنگت اور خوب صورت کھال مل جائے''۔ فرشتہ نے اس کے پورے جسم پر ایک مرتبہ ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے اس کی طلب کردہ چیزیں مل گئیں، یعنی خوب صورت رنگت، خوب صورت جلد، اور کوڑھ پن بھی دور ہو گیا۔ پھر اس فرشتہ نے پوچھا: ''تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟'' تو اس نے کہا: ''اونٹنی۔'' چنانچہ اس فرشتہ نے اسے ایک دس مہینے کی حاملہ اونٹنی دے دی۔ اور کہا اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت دے۔

پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی سوال کیا جو وہ کوڑھی سے

کر چکا تھا۔ گنجے نے جواب دیا: میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میرا گنجا پن دور ہو جائے اور مجھے خوبصورت بال مل جائیں، تا کہ لوگ مجھ سے نفرت کرنے کے بجائے مجھ سے محبت کریں۔'' چنانچہ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا گنجا پن اسی وقت دور ہو گیا اور اس کے بال خوب صورت ہو گئے۔ اس کے بعد فرشتہ نے پوچھا: ''تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''گائے۔'' چنانچہ فرشتہ نے اسے ایک گائے بھی دے دی اور خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

آخر میں وہ اندھے کے پاس پہنچا اور اس نے وہی سوال کیا جو اس نے کوڑھی اور گنجے سے کیا تھا۔ اس نے کہا: ''میری دلی تمنا ہے کہ مجھے بینائی عطا کر دی جائے تا کہ میں دنیا کی رعنائیاں دیکھ سکوں۔'' فرشتے نے ایک مرتبہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی۔ پھر اس فرشتہ نے سوال کیا: ''تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''بکری۔'' چنانچہ فرشتہ نے اسے ایک عمدہ بکری دے دی اور اسے دعائیں دینے کے بعد واپس چلا گیا۔

تینوں خوش و خرم زندگی گزارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں خوب برکت دی، یہاں تک کہ تینوں کے پاس اپنے اپنے جانوروں کے ریوڑ ہو گئے۔ تینوں کے یہاں مال و دولت کی فراوانی ہو گئی۔

چند سال بعد حکم خداوندی سے وہی فرشتہ اپنی پہلی شکل و صورت میں آیا۔ وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا: ''میں ایک مسافر ہوں۔ میرا زادِ راہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے اللہ کے واسطے مجھے ایک اونٹ دے دو، جس نے تمہیں یہ حسین رنگ، یہ خوب صورت جلد اور بے پناہ دولت دی ہے، تا کہ میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکوں۔'' مگر اس نے مسافر کو دھتکار دیا اور کہا کہ ''یہ سب کچھ تو مجھے وراثت میں ملا ہے، میرے دست و بازو کی کمائی ہے۔'' مسافر فرشتہ نے کہا:

''کیا تم کوڑھی اور بدرنگ نہ تھے کہ لوگ تم سے نفرت کرتے تھے؟ کیا تم فقیر نہ تھے اور اللہ نے تم کو اپنی نعمتوں سے نوازا؟ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہیں پہلی والی حالت پر دوبارہ لوٹا دے۔'' چنانچہ اللہ نے اس کو پھر ویسا ہی کر دیا جیسا وہ پہلے تھا۔

پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس پہنچا اور اس سے بھی وہی کہا جو اس نے کوڑھی سے کہا تھا۔ گنجے نے بھی اس کو وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا اور نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی نعمتیں چھین لیں۔

پھر وہ فرشتہ بصورت مسافر اندھے کے پاس پہنچا اور اس سے بھی وہی سوال کیا۔ جواباً اندھے نے کہا: ''شکر ہے اس اللہ کا، جس نے مجھے میری بینائی لوٹا دی اور مجھے دولت عطا فرمائی۔ تم جتنا چاہو لے لو، سب کچھ اپنا ہی سمجھو، اگر میں اپنے بھائی کے کام نہ آؤں گا تو کس کے کام آؤں گا۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اور دے گا۔ اس پر مسافر نے کہا: ''اَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ.'' ''مجھے کچھ نہیں چاہیئے، میں تو صرف تم تینوں کا امتحان لینے آیا تھا۔ تم اس میں کامیاب رہے اور تمہارے دونوں ساتھیوں کو اللہ نے پھر اسی حالت میں پہنچا دیا، جس میں وہ پہلے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے احسان فراموشی کی اور اسے بھول گئے، جس نے انہیں اتنی نعمتیں عطا کیں۔ اللہ تعالیٰ تم سے خوش رہے اور تمہارے مال میں برکت عطا کرے۔'' پھر وہ دعائیں دیتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور وہ شخص اپنے اللہ کے حضور سجدے میں گر گیا اور اس کا شکر ادا کیا۔[1]

اس واقعے سے اس طرح سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا کتنی بڑی بات ہے۔ اندھے نے شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا مال باقی رکھا اور باقی دونوں نے ناشکری کی، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی پرانی حالت پر لوٹا دیا۔ اسی بات کو تو اللہ نے

---

[1] مسلم، کتاب الزھد: ج ۲ ص ۴۰۸

قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [1]

ترجمہ: ”اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اپنی نعمتیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو! میرا عذاب بہت سخت ہے۔“

شکر کی حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور حرام و ناجائز کاموں میں خرچ نہ کرے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنے افعال و اعمال کو بھی اس کی مرضی کے مطابق بنائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی، وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادتی سے محروم نہ ہوگا۔ [2]

ناشکری کا حاصل یہی ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور ناجائز کاموں میں صرف کرے یا اس کے فرائض واجبات کی ادائیگی میں سستی کرے، اور کفران نعمت کا عذاب شدید دنیا میں بھی یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت سلب ہوجائے، یا ایسی مصیبت میں گرفتار ہوجائے کہ نعمت کا فائدہ نہ اٹھا سکے، اور آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار ہو۔ [3]

حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سائل آیا، آپ نے ایک کھجور عنایت فرمائی، اس نے نہ لی یا پھینک دی۔ پھر دوسرا سائل آیا، اس کو بھی ایک کھجور دی۔ وہ بولا: ”سُبْحَانَ اللّٰهِ تَمْرَةٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.“ یعنی رسول اللہ کا تبرک ہے۔ آپ نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں، وہ اس (شکر گزار) سائل کو دلوادے۔ [4]

---

[1] سورۃ ابراہیم آیت ۷

[2] مظہری: ج ۵ ص ۲۵۶

[3] معارف القرآن: ج ۵ ص ۲۳۳

[4] تفسیر عثمانی: ص ۳۳۹

اس لئے ہمیں ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

ایک اور واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے بنی اسرائیل ہی کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار دینار کا قرض طلب کیا۔

قرض دینے والا: ''کوئی گواہ لے کر آؤ، جنہیں میں گواہ بنا سکوں۔''

قرض طلب کرنے والا: ''كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا.'' (گواہی کے لئے اللہ کافی ہے)۔

قرض دینے والا: ''کسی ضمانتی کو لے آؤ۔''

قرض طلب کرنے والا: كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا. (ضمانت کیلئے اللہ کافی ہے)

قرض دینے والا: ''تم نے سچ کہا۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک مقررہ مدت کے لئے اس کو قرض دے دیا۔ وہ شخص قرض لے کر سمندر پار پہنچ گیا اور اپنی ضرورت پوری کرلی۔ جب ادائیگی کا وقت قریب آیا تو اس نے قرض خواہ تک پہنچنے کے لئے کشتی تلاش کی، مگر اسے کوئی کشتی وغیرہ نہ ملی۔ اب اس نے ایک لکڑی لی اور سوراخ کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ساتھ ہی قرض خواہ کے نام ایک خط بھی رکھ دیا، پھر سوراخ بند کر کے لکڑی کو لے کر سمندر کے پاس آیا اور کہا:

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار لئے تھے۔ اس نے مجھ سے ضمانتی طلب کیا تھا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ ضمانت کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ چنانچہ وہ تیری ضمانت پر راضی ہوگیا تھا۔ اس نے جب مجھ سے گواہ مانگا تو میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ گواہی کے لئے کافی ہے تو وہ تیری گواہی پر راضی ہوگیا تھا۔ میں نے بھرپور کوشش کی کہ مجھے کشتی وغیرہ مل جائے تاکہ میں اس تک اس کا حق پہنچادوں، لیکن میں ایسا نہ کرسکا۔ اب میں اس کی یہ رقم تیری امانت میں دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں ڈال دی۔ جب لکڑی سمندر میں داخل ہوگئی تو وہ لوٹ آیا اور پھر کشتی کی تلاش شروع کردی تاکہ قرض خواہ کے پاس پہنچ سکے۔ دوسری طرف قرض خواہ یہ دیکھنے کے لئے سمندر کی طرف نکل آیا کہ شاید کشتی سے اس کی رقم آ رہی ہو (کیونکہ قرض کی ادائیگی کا یہی دن طے ہوا تھا)، یکایک اس کی نظر ایک لکڑی پر گئی۔ اس نے اس لکڑی کو اٹھا لیا تاکہ گھر میں ایندھن کا کام دے۔ چنانچہ اس نے لکڑی کو چیرا تو اس میں رقم اور خط موجود تھا۔

کچھ دنوں کے بعد مقروض بھی ایک ہزار روپے لے کر آگیا۔

مقروض: اللہ کی قسم، میں کشتی کی تلاش میں سرگرداں رہا کہ میں آپ تک آپ کی رقم پہنچادوں۔ مگر جس کشتی سے میں آیا ہوں، اس سے پہلے مجھے کوئی کشتی نہ مل سکی۔

قرض خواہ: کیا تم نے مجھے کوئی چیز بھیجی تھی؟

مقروض: میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ جس کشتی سے میں آیا ہوں، اس سے پہلے مجھے کشتی نہ مل سکی۔

قرض خواہ: اللہ تعالیٰ آپ کی جانب سے وہ رقم پہنچا چکا ہے، جو آپ نے لکڑی کے ذریعہ بھیجی تھی۔ اس لئے اب آپ ایک ہزار کی رقم لے جائیں۔[1]

اس واقعہ سے انہیں سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا! سچائی اختیار کرنے اور وعدے پر پختہ رہنے کا کتنا بڑا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وہ مال، جو سمندر کے حوالے کیا تھا، اس کے قرض خواہ تک پہنچا دیا، اگر ہم سچائی اختیار کریں گے اور وعدے کا پاس رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری تمام پریشانیاں بھی اپنی قدرت سے دور فرما دیں گے۔

قصہ کے ذریعہ آدمی جو بات کہنا چاہتا ہے، اسے سننے والا زیادہ دلچسپی سے سنتا ہے اور اس سے زیادہ اثر لیتا ہے۔ اس لئے حسب موقع اچھے واقعات اور مؤثر

[1] بخاری، کتاب الکفالۃ، باب الکفالۃ فی القرض والدیون: ج ۱ ص ۳۰۶

کہانیوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ بچوں اور کم عمر طالب علموں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں قصوں سے بڑی مدد حاصل کی جاسکتی ہے اور اخلاقی اقدار کی اہمیت واضح کی جاسکتی ہے۔ اس لئے اس طریقے سے بھرپور فائدہ اٹھایئے اور اپنے بچوں کی خوب اچھی تربیت کیجیے۔ قصص اور واقعات کیلیے ہم آپ کیلیے کتابوں کے نام لکھتے ہیں، ان کا آپ مطالعہ فرمائیں، اس میں سے قصہ مطالعہ کر کے بچوں کو سنائیں۔

۱ قصص الاحادیث ...... مرتبہ محمد زکریا اقبال ...... دارالاشاعت کراچی۔ یہ ایک اچھی اور مستند کتاب ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے قصے اور واقعات تفصیل سے بیان کیئے گئے ہیں۔

۲ تابعین کے واقعات (صور من حیاۃ التابعین کا ترجمہ) مکتبہ دارالہدیٰ، کراچی سے منگوالیں۔ اس کتاب میں تابعین کے واقعات دلچسپ اور دلنشین انداز میں بیان کیئے گئے ہیں۔ یہ درمیانی عمر کے بچے خود بھی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اور والدین بھی اسے پڑھ کر خلاصہ سمجھا سکتے ہیں۔

مربی کے اوصاف

تعلیم و تربیت اور اصلاح و تعمیر کے سلسلہ میں مربی کا چند اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے، ذیل میں ایسے ہی چند اوصاف کی جانب نشاندہی کی جارہی ہے۔

۱ اخلاص:

اخلاص ایک بنیادی وصف ہے، جس کے بغیر کوئی بھی عمل نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔ مربی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھے۔ نہ اپنی کسی منفعت کا حصول اس کے سامنے ہو، نہ کسی مادی غرض کی تکمیل، بلکہ ہر معاملہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے جذبہ سے سرشار ہو۔ وہ تربیت کے لئے کوئی بھی قدم اٹھائے، اس میں خلوص وللّٰہیت کی جھلک نظر

آنی چاہیئے۔ وہ نصیحت وموعظت کرے یا زجر وتوبیخ سے کام لے، اس کا لہجہ نرم ہو یا سخت، وہ پیار ومحبت سے سمجھائے یا سختی سے تنبیہ کرے، ہر عمل اور اقدام میں اخلاص کی کارفرمائی ضروری ہے۔ بغیر اخلاص وللّٰہیت کے جو کام بھی کیا جاتا ہے، اگرچہ بظاہر وہ اچھا معلوم ہوتا ہے مگر نتائج کے اعتبار سے مؤثر نہیں ہوتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ اپنے بچوں یا اپنے زیر اثر افراد کی تربیت کے سلسلہ میں بہت سی تدابیر اختیار کرتے ہیں، تمام نفسیاتی پہلوؤں کا خیال رکھتے ہیں، بہت سے حکیمانہ طریقے استعمال کرتے ہیں، مگر ان کی کاوشوں کے نتائج ان کے اندازے کے بالکل برعکس نکلتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات کے اثرات ونتائج پر اگر آپ گہرائی سے غور کریں تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تربیت کرتے وقت مربی کے یہاں اخلاص کا فقدان رہا ہے۔

اخلاص میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان دوسروں کی تربیت کرتے ہوئے اپنی ذات سے غافل نہ رہے۔ اپنے کو دوسروں سے بالاتر نہ سمجھے۔ اپنے بارے میں کبھی اس خوش فہمی کا شکار نہ ہو کہ میری تربیت تو ہو چکی ہے اور اب میں دوسروں کی تربیت کرنے کے منصب پر فائز ہوں۔ یہ اندازِ فکر، اصلاح وتربیت کے بجائے بگاڑ اور فساد کا سبب بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے زیرِ تربیت افراد کے لئے بھی انسان مخلص ہو، ان سے دلی محبت وہمدردی ہو، اسے ان کی نجات کی فکر ہر وقت دامن گیر ہو، یہ خیر خواہی اس درجہ اور اتنی واضح ہو کہ اس کے بچے اس کی ہر بات اور نصیحت کو، خواہ وہ کتنے ہی سخت لب ولہجہ میں کہی جائے، اپنے لئے باعث خیر سمجھیں اور انہیں یقینِ کامل ہو کہ ان کو نصیحت وفہمائش کرنے والا شخص ان کا خیر خواہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے اس قدر مخلص اور خیر خواہ تھے کہ ہر صحابی یہ سمجھتا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، نہ صرف اپنے اصحاب اور اہل ایمان کی اصلاح و تربیت کی فکر آپ کو ہر وقت دامن گیر رہتی تھی، بلکہ آپ اپنے دشمنوں کی ہدایت کے لئے بھی بے چین رہتے تھے۔

اصلاح و تربیت کے فرائض انجام دیتے ہوئے جہاں انسان اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو، وہیں پر وہ اپنے بچوں کے لئے سراپا نصیحت و خیر خواہی بن جائے۔ اس کا ہر قول اور ہر عمل، درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہو۔ ہر نصیحت کرتے وقت یہ سوچے کہ اے اللہ! آپ مجھ سے اور میری اولاد سے راضی ہو جائیے۔

اے اللہ! میری اس نصیحت کو اولاد کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیجیے، اے اللہ! ہدایت دینے والے آپ ہی ہیں۔ آپ ہی کے ہاتھ میں اس بچے اور اس بچی کا دل ہے۔ اے اللہ! آپ ہی ان کا دل ہدایت کی طرف موڑ دیجیے۔

۲ علم:

نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری جن حضرات پر عائد ہوتی ہے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں۔ تربیت کے قواعد اور حکیمانہ اصول کا مطالعہ کریں۔ یہ معلومات حاصل کریں کہ مربی کے لئے کن اوصاف کا اختیار کرنا ضروری ہے اور کن امور سے اجتناب لازمی ہے۔ اسی کے ساتھ حالات و جذبات اور مزاج و نفسیات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اگر ممکن ہو تو تعلیم و تربیت کے موضوع پر جو علمی کام ہوا ہے، اس کا بھی مطالعہ کریں تاکہ جدید نظریات و تجربات کا جامع مواد لے کر اس سے بھی فائدہ حاصل کیا جا سکے اور اس کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں کا خصوصاً مطالعہ کریں، اور کبھی ان کتابوں کو کسی اور سے پڑھوائیں اور خود سنیں کہ بعض اوقات خود مطالعہ کے بجائے سننے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

- تفسیر معارف القرآن ...... حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ
- معارف الحدیث ...... حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

- ادکام میت ...... ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ
- اسوۂ رسول اکرم ﷺ ...... ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ
- سیرت سید احمد شہید ...... مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ
- سیرت مولانا محمد علی مونگیری ...... سید محمد ثانی حسنی
- بیس بڑے مسلمان ...... مولانا عبدالرشید ارشد
- مخزن اخلاق ...... مولانا رحمت اللہ سبحانی

بچوں کے لئے لائبریری

- ذوق شوق (کہانی کہانی میں) ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی
- ذوق شوق (علم وعمل) ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی
- ذوق شوق (پڑھتے پڑھتے) ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی
- ذوق شوق (سنو سناؤ) ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی
- ذوق شوق (بلا عنوان) ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی
- تابعین کے واقعات ...... مکتبہ دار الہدیٰ کراچی
- نبیوں کی سچی کہانیاں ...... ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
- درسی سیرت ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی
- صحابہ کی زندگی ...... مکتبہ دار الہدیٰ کراچی
- تعارف صحابہ ...... مکتبہ دار الہدیٰ کراچی
- آسان دینیات ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی
- تراشے ...... مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
- مثالی بچپن ......
- صبح وشام کی مستند دعائیں ...... مکتبہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی

- ہماری بادشاہی ......
- بچوں کے لئے اچھی باتیں ...... حکیم شرافت حسین، مجلس نشریات کراچی
- تعلیم الاسلام ...... زم زم پبلشرز
- ہمارا ایمان ......
- علیکم بسنتی ...... ادارۃ المعارف کراچی
- اللہ کی نعمتیں ...... مولانا عبدالعزیز صاحب، زم زم پبلشرز
- کہانیوں کی دنیا ...... مولانا محمد سعد صاحب، مکتبہ دارالہدیٰ کراچی
- کہانی آباد ...... مولانا محمد سعد صاحب، مکتبہ دارالہدیٰ کراچی
- کہانی نگر ...... مولانا محمد سعد صاحب، مکتبہ دارالہدیٰ کراچی
- Story time ...... مکتبہ بیت العلم کراچی
- Saeed readers ...... مکتبہ بیت العلم کراچی
- How well do you know sahaba ...... مکتبہ بیت العلم کراچی
- Easy Deeniyat ...... مکتبہ بیت العلم کراچی

۳ صبر و تحمل:

مثالی والد کا ایک بنیادی وصف، صبر و تحمل بھی ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص بھی تربیت جیسے نازک فریضہ کی ادائیگی نہیں کرسکتا۔ اصلاح اور تربیت کا عظیم کام کرنے والوں کو اپنے اندر بے پناہ صبر و تحمل کی روح پیدا کرنا چاہیے۔

صبر و تحمل کا مفہوم یہ ہے کہ انسان بات بات پر غصہ نہ ہو، بلکہ معمولی معمولی باتوں کو نظر انداز کردے۔ اسی طرح سے صبر و تحمل کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انسان اپنے جذبات کو مشتعل نہ ہونے دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات کا بیان فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگذر کرنے والے اور اللہ کے ایسے نیکوکاروں کو (جن میں یہ خصال ہوں، بوجہ اکمل) محبوب رکھتا ہے۔''[1]

اسی طرح آدمی جلد بازی نہ کرے، بلکہ ہر کام کو سکون اور ٹھہراؤ کے ساتھ انجام دے۔ اگر اس کی کاوشوں کے نتائج فوراً ظاہر نہ ہوں تو قلق و اضطراب کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی مایوسی کا شکار ہو، بلکہ حوصلہ رکھے اور مسلسل محنت کرتا رہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ جب دوسروں کی تربیت کرتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھتے تو بددل ہوکر ان کی تربیت کرنا چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ تربیت کے نتائج بہت دیر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں جلد بازی کرنا اور فوری نتائج کی امید رکھنا صحیح نہیں ہے۔ بری عادتیں آہستہ آہستہ چھوٹتی ہیں اور اچھی عادتیں تدریجاً پروان چڑھتی ہیں۔ اس لئے مایوسی کا شکار کبھی نہ ہوں، بلکہ صبر وتحمل سے کام لیجیے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝﴾[2]

ترجمہ ''اور جو شخص (دوسرے کے ظلم پر) صبر کرے اور معاف کردے، یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ایسا کرنا بہتر ہے اولو العزمی کا تقاضا ہے)۔''[3]

تربیت ایک صبر آزما کام ہے۔ اس اہم فریضہ کو ادا کرتے ہوئے انسان کو بلند ہمتی سے کام لینا چاہیے۔ دوام وتسلسل کے ساتھ اپنی کوشش کو جاری رکھنا چاہیے، مشتعل ہوکر کوئی غلط قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ اپنے مزاج کے خلاف باتوں کو

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴، معارف القرآن: ج ۲ ص ۱۸۴

[2] سورۂ شوریٰ آیت ۴۳

[3] معارف القرآن: ج ۷ ص ۷۰۳، ۷۰۴

برداشت کرنا چاہیے۔ مسلسل ناکامیوں کے باوجود بھی ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ تربیت کے سلسلہ میں بڑے سخت مراحل آتے ہیں، ان سخت مراحل میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اصل بہادری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

﴿لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ. إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ﴾[1]

تَرجَمہ: ”کشتی میں پچھاڑنے والا طاقتور نہیں ہے۔ اصل طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔“

ہر مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیر تربیت افراد کی خوبیاں اور خامیاں نہایت باریک بینی سے نوٹ کرے۔ خوبیوں پر ہمت افزائی کرتے ہوئے انہیں پروان چڑھائے اور خامیوں کو دور کرنے کے لئے حکمت و تدبر کے ساتھ کوشاں رہے۔ اگر کسی خامی یا کمی پر قابو پانے میں اسے دشواری محسوس ہو تو بددل یا مایوس نہ ہو، بلکہ عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی کوشش جاری رکھے۔

تربیت ایک بڑی صبر آزما ذمہ داری ہے۔ اس لئے ہر مربی کو صبر و عزیمت کا پہاڑ بن کر تربیت کے فرائض انجام دینا چاہئیں۔ جلد بازی یا مایوسی، غلط اثرات و نتائج کا موجب ہو سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کو سامنے رکھیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن شدید اور پرخطر حالات میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تربیت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ سخت سے سخت حالات میں بھی کسی مایوسی کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔

ہر والد اور استاد کو چاہیے کہ ظفر شاہ دہلوی کا یہ شعر یاد کرے اور اپنے کمرے کی دیوار پر لگا کر رکھے کہ بار بار اس پر نگاہ پڑتی رہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب: ج۲ص۹۰۳

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا، خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

۴ حسنِ گفتار:

انسان کی زبان، لب ولہجہ، اندازِ تخاطب وطرزِ گفتگو کا اثر اس کے بچوں پر پڑتا ہے۔ اگر آواز شیریں، خوش گوار اور میٹھی ہو تو بچوں پر کوئی اکتاہٹ طاری نہیں ہوتی اور وہ دل کی گہرائی سے اس کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن آواز اگر کرخت، بھدی، چیخ والی ہو تو بچوں کے کانوں پر گراں گزرتی ہے، ان کے ذوق وسماعت پر بار محسوس ہوتا ہے اور پھر بچے ایسے شخص کی باتوں سے نہ صرف یہ کہ کوئی اثر نہیں لیتے، بلکہ اس کی باتوں سے متنفر ہونے لگتے ہیں۔ مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ بہت بلند ہوتی تھی نہ پست، بلکہ درمیانی ہوتی تھی اور اس قدر شیریں کہ سننے والا بغیر اثر لئے نہ رہتا تھا۔ ہند بن ابی ہالہ نے کس قدر جامع الفاظ میں آپ کے طرزِ تکلم کو بیان کیا ہے:

﴿يَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ كَلَامُهُ فَصْلٌ لَا فُضُولٌ وَلَا تَقْصِيرٌ﴾

ترجمہ: "الفاظ نہ ضرورت سے زیادہ، نہ ضرورت سے کم۔ نہ کوتاہ سخن، نہ طویل گو۔"[1]

فضول باتوں اور لایعنی گفتگو سے اجتناب کیجیے۔ بغیر ضرورت گفتگو کرنے سے انسانی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور اس کی بہت سی کمزوریاں ظاہر ہوتی ہیں، بہت سے مسائل خواہ مخواہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ طویل گفتگو سے بچہ اکتا جاتا ہے اور اصل مدعا کو محفوظ رکھنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ضرورت سے کم گفتگو کرنے پر بچہ مدعا کو نہیں سمجھ پاتا نہ ہی وہ مطمئن ہو پاتا ہے، تعلیم وتربیت، دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں انسان کو گفتگو بہتر سے بہتر ڈھنگ سے کرنی چاہیئے، ایک طرف

---

[1] شرح شمائل ترمذی: ص ۱۳۰

طوالت سے اجتناب کرنا چاہیے دوسری طرف گونگے بن کر نہیں رہنا چاہیے، بلکہ حسب ضرورت گفتگو کرنی چاہیے۔ آیئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن گفتار کا مطالعہ کر کے اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے، ابتدا سے انتہا تک آپ منہ بھر کر بولتے (یہ نہیں کہ آدھی بات اندر ہی رہ جائے)۔ آپ کی بات فیصلہ کن ہوا کرتی تھی۔ اہل مجلس کی گفتگو میں غیر متعلق موضوع نہ چھیڑتے، بلکہ جو سلسلہ کلام چل رہا ہوتا اسی میں شریک ہوجاتے۔ اگر کسی موضوع سے صحابہ کو اکتایا ہوا محسوس کرتے تو اس کو بدل دیتے، گفتگو کے دوران ہر فرد مجلس پر توجہ فرماتے تاکہ کوئی یہ محسوس نہ کر سکے کہ آپ نے اس پر کسی دوسرے کو فوقیت دی ہے۔ گفتگو کرنے والے کی جانب سے اس وقت تک منہ نہ پھیرتے، جب تک وہ منھ نہ پھیر لیتا۔ کسی کی بات کو کبھی نہ کاٹتے۔ سوائے اس کے کہ کوئی بات خلاف حق ہو۔ کھڑے کھڑے کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے۔ گفتگو کے دوران صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ ہنستے بھی اور دلچسپی کا اظہار بھی فرماتے۔ آپ نہ کسی کی برائی میں زبان کھولتے، نہ عیب جوئی کرتے اور نہ کسی کے راز کو جاننے کی کوشش کرتے۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے۔ زبان پر کوئی گندی بات نہ لاتے، نہ چیخ کر بولتے۔ لایعنی باتوں سے پرہیز کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے۔ کلام سے پہلے سلام کا اہتمام فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں حسب ضرورت اتار چڑھاؤ ہوتا۔ گفتگو میں کسی طرح کا تصنع اور تکلف نہ ہوتا۔ بلکہ سادگی اور بیساختگی ہوتی۔ گفتگو میں تبسم کی آمیزش رہتی تھی۔ گفتگو کے دوران کسی بات پر زور دینا ہوتا تو ٹیک سے اٹھ کر سیدھے ہو کر بیٹھتے۔ خاص باتوں کو بار بار دہراتے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لئے ہاتھوں اور انگلیوں کے اشاروں سے مدد لیتے۔ تعجب کے موقعوں پر ہتھیلی کو الٹ دیتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز تکلم کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسلمان کو کوشش کرنا چاہیے کہ وہ آپ کی پیروی میں حسن گفتار کی صفت سے متصف ہو۔ ذرا غور کیجیے! نبوت کا بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے، مسائل کے حصار میں گھرے ہوئے، طرح طرح کی اذیتوں اور پریشانیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں کس قدر اعتدال و دلکشی پائی جاتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں فوری اثر کرتی تھیں۔ ورنہ پے در پے مشکلات و مصائب، انسان کے لب ولہجہ میں کرختگی اور چڑچڑا پن پیدا کردیتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں تبسم و مسکراہٹ کی حلاوت گھلی ہوئی ہوتی اور ہر موضوع پر بلا تکلف گفتگو فرماتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"جب ہم دنیوی امور کے بارے میں گفتگو کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں حصہ لیتے جب ہم آخرت پر گفتگو کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس موضوع پر تکلم فرماتے اور جب ہم کھانے پینے کی کوئی بات چھیڑتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل رہتے۔" [لہ]

لہٰذا ہمیں اپنے بچوں کی تربیت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز تکلم کی خصوصیات کو اپنانا ضروری ہے تاکہ پاکیزہ پیغام، پاکیزہ زبان میں اپنے بچوں اور دوسرے لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔

⑤ حسن کردار:

مثالی والد کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ بچوں کی تربیت سے پہلے اپنی تربیت کرے، بچوں کو اچھائی کا عادی بنانے سے پہلے خود اچھائیوں کا عادی بن جائے۔ بچوں کو بری عادتوں سے چھٹکارا دلانے سے پہلے خود بری عادتوں سے کنارہ کش ہوجائے۔ کیا ہم لوگ اس حقیقت سے آگاہ نہیں Action Speaks louder

لہ شرح شمائل ترمذی: ص ۲۳۷

(عمل کی آواز زیادہ بلند ہوتی ہے)۔ انسان کا اپنا کردار دوسروں کے لئے باعث کشش ہوتا ہے اور ان پر ایک گہرا اثر ڈالتا ہے۔ کردار ایک خاموش مبلغ یا مربی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی جو مثالی تربیت کی تھی، اس میں سب سے اہم کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار نے ادا کیا تھا۔

مربی کے قول وفعل میں اگر تضاد ہو تو اس کی تمام کوششیں رائیگاں جاسکتی ہیں۔ لیکن اگر مربی کے قول وفعل میں یکسانیت ہو، وہ کردار کی عظمت لئے ہوئے ہو تو اس کی معمولی کوشش بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑے بڑے نتائج ظاہر کرتی ہے۔ غور کر لیجیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ظلمت کدۂ عالم میں تنِ تنہا دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتربیت کے کام کا آغاز کرتے ہیں اور ۲۳ سال کی قلیل مدت میں پورا عرب مفتوح ہوجاتا ہے اور عجم میں آپ کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ اس تبدیلی کو یہ ہمہ گیری کس چیز نے عطا کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار اور متقیانہ زندگی نے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار سے متاثر ہوتے اور اپنے آپ کو بھی اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں لگ جاتے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کرنے کے لئے آتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے متاثر ہوکر آپ کے حلقہ میں شامل ہوکر آپ کے دین کے سچے داعی بن جاتے۔ تعاقب کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان نامہ لکھواتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار اٹھانے والے آپ کا دفاع کرنے والوں میں شامل ہوجاتے۔ زانی و بدکار آپ کی بلند کرداری سے متاثر ہوکر عفت وحیا کا پیکر بن جاتے۔ فساد اور قتل و غارت گری کے عادی انسانیت کے محافظ بن جاتے۔ جب آپ کے دشمن دیکھتے کہ گالی سن کر آپ دعائیں دے رہے ہیں، پتھر کھا کر آپ پھول برسا رہے ہیں اور اذیتیں سہہ کر ان کے حق میں کلماتِ خیر کہہ رہے ہیں تو وہ آپ کے کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں

رہتے تھے۔

اصلاح وتربیت کا کام کرنے والوں کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تقویٰ اور خدا ترسی کی زندگی گزاریں۔ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور گناہوں سے مکمل اجتناب کریں، اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کریں۔ اسلامی آداب و عادات کو اختیار کریں، پوری زندگی ایک صالح بندہ کی حیثیت سے گذاریں تو ان کی کوششیں یقیناً بارآور ہوں گی۔

کبھی بھی بچوں کے سامنے سگریٹ/نسوار/پان/ چھالیہ استعمال نہ کریں۔

بچہ فطرتاً ہر چیز میں دوسروں کی تقلید کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر آپ کا بھائی آپ کو بھائی جان کہہ کر پکارتا ہے تو آپ کا بچہ جب بولنا شروع کرے گا تو وہ بھی آپ کو بھائی جان کہنے لگے گا۔ بچہ تمام معاشرتی عادات و اخلاق اپنے گھر والوں ہی سے سیکھتا ہے۔ آپ اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کا بچہ سچ بولنے کا عادی نہیں ہوسکتا۔ بچہ والدین کے اخلاق و عادات کو بہترین نمونہ سمجھتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات رچی بسی ہوتی ہے کہ میرے والدین دنیا کے ہر انسان سے بہتر ہیں۔ اب آپ سوچیے کہ آپ کے کسی ملنے والے نے دروازے پر دستک دی، آپ ملاقات کے موڈ میں نہیں ہیں، آپ نے بچے کو اپنے پاس بلایا اور چپکے سے کہا کہ: ”جاؤ جا کر کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔“ بچے نے یہ بات دستک دینے والے سے کہہ دی اور آپ نے بھی اسے کوئی اہمیت نہ دی، مگر آپ کے بچے کا ذہن جھنجھنا اٹھا، وہ سمجھ نہیں پایا کہ ابو گھر میں ہیں، مگر پھر بھی انہوں نے کیوں کہلوایا کہ ابو گھر پر نہیں ہیں؟ یہیں سے بچے میں جھوٹ بولنے کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ جھوٹ بول کر ہر آدمی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ یہیں سے جرم کرنے کی ابتدا ہوتی ہے اور بغاوت کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس لئے والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے معاشرتی فرائض کو بہتر طور پر انجام دیں تاکہ بچہ بھی معاشرتی فرائض کی ادائیگی سے واقف ہو

سکے۔ احباب اور مہمانوں کی مدارات، رشتے دار اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، گفتگو ومجلس کے آداب، کھانے پینے کے اسلامی طور طریقے، آپ کی دیکھا دیکھی بچے از خود اختیار کر لیتے ہیں۔

گھر کے ماحول کو نہایت صاف ستھرا اور خوش گوار رکھیئے۔ میاں بیوی کی باہمی رنجش، ساس بہو کے جھگڑے سے بچے کی اجتماعی زندگی پر نہایت غلط اثر پڑ سکتا ہے۔ اور اس کی معاشرتی نااہلی میں اضافے کا شدید خطرہ ہو سکتا ہے۔

بچے کی جذباتی ضرورتوں کو سمجھیئے اور انہیں مناسب طور پر پورا کرنے کی کوشش کیجیئے۔ بچے کی عمر کے ادوار کے لحاظ سے اس کے فطری تقاضوں کو سمجھیئے اور مختلف ادوار میں اسے ایسے کام سونپیے، جو اس کی جسمانی اور ذہنی سطح کے مطابق ہوں تاکہ بچے میں اپنے معاشرتی فرض اور مقام کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو سکے اور متوازن بالغ زندگی گزارنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکے۔

بچوں کو دوسروں کے حقوق بتائیے، مثلاً: والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، بڑوں کے حقوق، استاد کے حقوق وغیرہ اور ان حقوق کی ادائیگی کی طرف انہیں رغبت دلایئے اور ان کی نگرانی کرتے رہیئے کہ وہ کسی کی حق تلفی تو نہیں کر رہے ہیں۔

بچوں کو کامیاب زندگی گزارنے کے گر بتائیے۔ ملاقات کے آداب، چلنے پھرنے کے آداب، مجلس کے آداب وغیرہ سکھلایئے تاکہ بچے معاشرتی طور پر مہذب بن سکیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تربیت کی روشنی میں ہمیں اپنے اور اپنے متعلقین کی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس سلسلہ میں ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائے، اور ہماری حقیر کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

مثالوں سے تربیت

باپ کو چاہیے کہ اپنی بات بچوں کو ذہن نشین کرانے اور مؤثر بنانے کے لئے کبھی ایسی مثالیں پیش کرے، جو بچوں کے مشاہدہ میں ہوں تاکہ باپ کی بات زیادہ واضح ہوجائے اور بچوں کے دل و دماغ تک اتر جائے اور وہ اسے ہمیشہ کے لئے یاد ہوکر اس کے لئے نافع ہو۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی اسی مقصد کے لئے کہ بات زیادہ واضح ہو اور اچھی طرح سمجھ میں آئے، مثالوں سے سمجھاتے۔ مثلاً ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اور برے دوست کی حالت سمجھانے کے لئے مثال دیتے ہوئے فرمایا:

”نیک اور بد دوست کی مثال ایسی ہے، جیسے مشک والا اور بھٹی جھونکنے والا۔ پس مشک والا یا تو کچھ ہدیہ کردے گا اور یا تو اس سے خرید لے گا۔ ورنہ خوشبو تو تجھے پہنچتی ہی رہے گی اور بھٹی جھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا۔ ورنہ تجھے بد بو تو پہنچتی ہی رہے گی۔“[1]

دیکھیے! اس مثال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خوبصورتی کے ساتھ دونوں ساتھیوں کی حالت واضح کردی کہ ہر انسان خواہ شہری ہو یا دیہاتی، پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ اس مثال کو سمجھ سکتا ہے۔

کسی بزرگ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے بیٹے سے کہا کہ صاحبزادے! دن بھر جو کام کیا کرو، شام کو مجھے اس کا حساب دیا کرو۔ اس بیچارے کو بڑی دِقت ہوئی۔ اول تو ہر کام کو سوچ بچار کر کے کرتا، پھر اس کو یاد رکھتا، پھر ابا جان کے سامنے ہر کام کی وجہ اور اس کی ضرورت بیان کرتا۔ کئی روز اسی طرح پریشانی میں گزرے۔ ایک روز اس نے کہا: ابا! اس سے کیا فائدہ ہے؟ جو کچھ آپ کو نصیحت کرنا

---

[1] مشکوۃ، باب الحبّ فی اللّٰہ ومن اللّٰہ: ج۲ص۴۲۶

ہو، ویسے ہی کر دیا کریں۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ بیٹے اس میں حکمت یہ ہے کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ جب میں ایک بوڑھے باپ کے سامنے حساب نہیں دے سکتا تو حق تعالیٰ جو عالم الغیب اور قادر مطلق ہے، اس کے سامنے کیسے حساب دوں گا۔ سبحان اللہ! دیکھیے کتنی بہترین مثال اور طریقے سے بیٹے کو سمجھایا کہ یہ سمجھایا ہوا موت تک بھول نہیں سکتا۔

اسی طرح ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کی بہت اچھے انداز میں تربیت کی۔ جب وہ بڑا ہوا تو چند برے لڑکوں سے دوستی کر لی۔ باپ نے سمجھایا اور ان لڑکوں سے دوستی ختم کرنے کے لئے کہا۔ بیٹے نے جواب دیا: ابا جان آپ بے فکر ہو جائیں۔ ان کی کوئی برائی مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ باپ نے مزید کچھ نہیں کہا، بلکہ سیب کی ایک پیٹی منگوائی۔ اس میں ایک خراب سیب تھا، بیٹا اس کو بیچ میں سے نکال کر الگ کرنے لگا تو باپ نے فرمایا: نہیں بیٹا معمولی خراب ہے۔ رہنے دو پھر دیکھ لیں گے۔ پھر وہ پیٹی بند کر کے رکھ دی۔ ایک ہفتے بعد جب دیکھا تو اس خراب سیب کے چاروں طرف بہت سارے سیب اس سیب کی وجہ سے خراب ہو گئے تھے۔ باپ نے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا:

"يَا بُنَيَّ! رَأَيْتَ أَنَّ التُّفَاحَةَ الْفَاسِدَةَ كَيْفَ فَسَدَتْ مَا جَاوَرَهَا؟ هٰكَذَا الْجَلِيْسُ السُّوْءُ يُفْسِدُ مَنْ يُخَالِطُهَا."

ترجمہ: "جان پدر دیکھا آپ نے کہ ایک خراب سیب نے پاس والے اچھے سیبوں کو کس طرح بیکار کر دیا؟ اسی طرح جو شخص بروں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو اسے وہی ملتا ہے، جو ان سیبوں کو اس بیکار اور خراب سیب سے ملا۔"

اس طرح کی اور مثالوں سے بچے کو سمجھایئے۔ اس طرح نصیحت بچے پر بوجھ بھی نہیں بنے گی اور اچھی طرح سمجھ بھی آجائے گی۔ اس طرح کی مثالوں کے لئے

اکابر علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ خصوصاً مواعظ اور ملفوظات حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طور پر مطالعہ کریں اور اکابر کی مجالس میں بیٹھیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

کھلائیں سونے کا نوالہ، نگاہ رکھیں شیر کی

بچوں کو اس بات سے بے نیاز اور بے پرواہ نہ ہونے دیجیے کہ کچھ بھی کرو، باپ تو کچھ کہتا ہی نہیں۔ بلکہ پیار ومحبت اور لاڈ اٹھانے کے ساتھ ساتھ کبھی کسی واقعی غلطی پر ضرور بالضرور سختی سے تنبیہ بھی کرنی چاہیے۔ بلکہ حدود میں رہتے ہوئے کوئی تادیبی کاروائی بھی کی جاسکتی ہے اور اس کی اجازت بھی ہے۔ اور کبھی یہ مستحسن بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن نیت اصلاح ہی کی ہونی ضروری ہے۔ ہرگز غصہ کی حالت میں کوئی عمل نہ کیا جائے، کیونکہ اکثر اوقات غصہ میں انسان جائز وناجائز کی تمیز بھول جاتا ہے۔ اس کے لئے طریقہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ:

''جب بچے کے کسی عمل پر شدید غصہ آرہا ہو، اس وقت بچے سے بات بھی نہ کرے۔ اپنی ہیئت تبدیل کرلے، پانی پیے، دو رکعت نماز پڑھ کر بچے کی اصلاح کی دعا کرے۔ پھر کسی دوسرے وقت میں مصنوعی غصہ پیدا کرکے بچے کو تنبیہ کرے۔ اس وقت ہوش وحواس قابو میں ہوں گے لہٰذا کوئی ناجائز عمل سرزد نہ ہوسکے گا۔

بس اسی طریقے کو اپنایئے اور بچوں کی حرکات وسکنات پر خوب توجہ دیں کہ بڑا بیٹا کیا کررہا ہے؟ آیا اس کی پانچوں نمازیں پابندی کے ساتھ مسجد میں باجماعت ادا ہورہی ہیں...... اس کے دوستوں کے کردار واقوال کا کیا حال ہے...... بڑی بیٹی کے شرعی پردے میں کسی قسم کی کمی تو واقع نہیں ہورہی...... اس کی سہیلیوں میں کوئی برے خاندان سے، بری سوسائٹی سے متعلق تو نہیں ہے...... گھر میں رومانوی افسانے یا

ڈائجسٹوں کی آمد تو نہیں ہے ...... درمیانہ یا منجھلا بیٹا کرکٹ کے شوق میں نماز کی چھٹی تو نہیں کر رہا...... اسکول میں اس کی دوستی ایسے لڑکوں سے تو نہیں جن کے والدین اپنے بچوں کی تربیت سے غافل ہیں...... منجھلی بیٹی اپنی سہیلی کے گھر میں بہانے سے جا کر ٹی وی تو نہیں دیکھتی...... چھوٹا بیٹا ویڈیو گیم کی لعنت میں مبتلا تو نہیں ...... سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے قاری صاحب سے مار تو نہیں کھا رہا۔

ایسے ماحول میں سب سے اہم ذمہ داری باپ کی ہوتی ہے کہ وہ دعا سے، اچھی کتابوں سے، پیار و محبت سے سمجھانے سے، جائز تادیبی کاروائیوں سے، اچھے ماحول میں لیجانے سے اور بزرگوں اور علماء کے بیانات میں لے جانے سے اپنی اولاد کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچائے اور اپنی پوری صلاحتیں اس پر خرچ کرے۔ اس کے لئے بچوں پر شروع ہی سے ایسی نظر رکھیں کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ باپ کو تو کچھ پتہ ہی نہیں اور اگر پتہ بھی چل گیا تو زیادہ سے زیادہ سمجھائیں گے یا چار باتیں سنائیں گے، بلکہ انہیں یہ باور کروایا جائے کہ اگر کوئی ایسا غلط عمل مسلسل رہا تو اس پر نہایت سخت کاروائی بھی کی جاسکتی ہے۔

اور اپنے بچوں کی پارسائی پر مکمل اور اندھا اعتماد نہ کریں۔ دھوکہ وہیں ہوتا ہے جہاں اندھا اعتماد ہو۔ بچوں کی خفیہ نگرانی بھی کبھی کبھی ضرور کرنی چاہیئے اور بچوں کو اس کا احساس بھی رہے کہ آپ ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔

لہٰذا کبھی آپ اپنے مقررہ وقت سے پہلے گھر آ جایئے، کبھی اسکول و مدرسہ چلے جایئے، کبھی فون کر کے معلوم کرلیں۔ کیونکہ محض اس اندیشہ سے کہ کہیں ہمارا کوئی بڑا ہمیں دیکھ نہ لے، بچے غلط کاموں سے رک جاتے ہیں۔ لیکن بچوں پر یہ ظاہر کریں کہ آپ ان کو بڑا نیک اور پارسا ہی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ والدین کی نگاہوں میں گر جانے سے ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی اور ان کو دکھ پہنچنے کا بھی اندیشہ ہے۔

بچوں کو ٹی وی سے بچایئے

ٹی وی کے نقصان اور فساد پر دلائل دینے کی ضرورت تو نہیں ہے، سب کے سامنے ظاہر ہے۔ بزبانِ حال ایک معصوم بچہ اپنے والد کو درخواست کرتا ہے۔ والد اور بچے کا یہ مکالمہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ مکالمہ عبدالرؤف حسن صاحب نے تیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ اس کا مطالعہ ہدایت کی نیت سے کیجئے اور حکمت کے ساتھ بزرگوں کے مشورے سے ٹی وی کو گھر سے نکال دیجئے۔

ابو: منے! ہوش سے کام لو، یہ کس کو بغیر اطلاع کے اندر لا رہے ہو؟ گھر میں تمہاری بہنیں موجود ہیں، تمہاری ماں موجود ہے، اتنی بری حرکت کہ ایک اجنبی شخص کو منہ اٹھائے اندر لے آئے۔ گیٹ کے ساتھ ہی گھنٹی کا بٹن ہے، اسے دبانے کی بھی تمہیں توفیق نہ ہوئی۔

منا: (بڑی معصومیت کے ساتھ) ابو! اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

ابو: او احمق! اگر کسی غیر آدمی کو گھر لانا ہو تو عورتوں سے کہتے ہیں کہ دوسرے کمرے میں چلی جائیں یا پردہ کرلیں۔

منا: ابو! بجا فرمایا آپ نے کہ کسی غیر محرم نوجوان کو یوں گھر لے آنا بہت ہی نازیبا حرکت ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ تدبیر سمجھائی۔ ابو! رات کو آپ دفتر سے آتے ہی ٹی وی آن کرتے ہیں تو اچانک کوئی نہ کوئی غیر محرم نوجوان پتلون شرٹ پہنے، باقاعدہ میک اپ کئے ہوئے ٹی وی سکرین پر نمودار ہو کر ہمارے گھر آجاتا ہے۔ ابو! اس وقت بھی گھر میں میری ماں اور بہنیں موجود ہوتی ہیں، اس وقت بھی آپ ضرور فرما دیا کریں کہ دوسرے کمرے میں چلی جائیں یا پردہ کرلیں۔ وہ بھی تو اطلاع کئے بغیر آجاتا ہے۔

ابو: منے! یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرنا شروع کر دیں تم نے، اس میں اطلاع کی کونسی بات ہے یا پردے کی کیا ضرورت ہے، ٹی وی والے کون سا ہمیں دیکھ رہے ہوتے ہیں؟

منا: ابو! آپ ناراض نہ ہوں تو صرف سمجھنے کی غرض سے پوچھ رہا ہوں کہ میری امی اور بہنیں تو اسے دیکھ رہی ہوتی ہیں۔

ابو: منے کی ماں! سن لو اپنے اس ''نابالغ ملاں'' کی تقریر، ہزار دفعہ تمہیں تاکید کی ہے کہ اس کا دھیان رکھا کرو، یہ صبح نماز پڑھنے جاتا ہے اور دن چڑھے واپس آتا ہے، تم چپکے سے کہہ دیتی ہو: ''درس سننے بیٹھ گیا ہوگا۔'' اب دو جواب اس ''مذہبی جنونی'' کے سوال کا۔ باپ سے بات کرنے کا سلیقہ آتا نہیں اور بننے چلا ہے ''ننھا تبلیغی۔'' بے ادب کہیں کا۔

منا: ابو! اللہ نہ کرے میری زندگی میں وہ دن آئے کہ میں آپ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آؤں، میں آپ سے یونہی بحث مباحثہ نہیں کر رہا اور نہ ہی مجھ میں اتنی جرأت ہے، پھر مجھے وہ حدیث بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ''جس کا باپ ناراض، اس کا رب ناراض۔'' ابو! اللہ کی قسم میں تو روزانہ پانچ وقت نماز میں دعا کرتا ہوں:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ ﴾ [1]

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو۔''

اور اکثر رو کر یہ دعا بھی کرتا ہوں:

﴿ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴾ [2]

ترجمہ: ''پروردگار میری ماں اور میرے باپ پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

---

[1] سورۂ نوح آیت ۲۸

[2] سورۃ الاسراء آیت ۲۴

اے اللہ! ان دونوں نے میرے ساتھ بچپن سے لے کر اب تک بڑی شفقت برتی ہے، آج تو بھی ان پر شفقت فرما اور اے میرے اللہ! مجھے اپنے والدین کا فرمانبردار بنا کر جنت کا حقدار کر دے۔ ابو! یہ میں کوئی احسان نہیں جتلا رہا، بلکہ اولاد پر حق ہی یہی ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ ٹی وی والے کون سا ہمیں دیکھتے ہیں، جب کہ میرا موقف یہ تھا کہ امی اور بہنیں انہیں دیکھتی ہیں۔ ابو! آپ شاید مجھے چھوٹا سمجھ کر میری بات رد کر دیں، مگر میں آپ کو ان کی بات سناتا ہوں کہ جن کی بات کو دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی۔ اگر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں فیصلہ فرما دیں، تو پھر کس میں ہمت ہے کہ وہ تکرار کرے۔ ابو! ایک دن درس کے دوران عبداللہ صاحب فرما رہے تھے اور اسی دن سے یہ بات میرے ذہن میں نقش ہے کہ تمام مومنوں کی ماں "حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نابینا صحابی) تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں اس سے پردہ کرو۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو اندھے ہیں، نہ ہم کو دیکھتے ہیں، نہ پہچانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَفَعَمْیَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ﴾ [1]

ترجمہ: "کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم دونوں اس کو نہیں دیکھتی ہو؟"

ابا جان! اب آپ ہی انصاف فرما دیجیے، اگر ٹی وی والے ہمیں نہیں دیکھتے تو ہماری مائیں اور بہنیں تو انہیں دیکھ رہی ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیطان! وہ

[1] ترمذی، کتاب الآداب، باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال: ج۲ص۱۰۶

بڑا دھوکے باز! یہ بات ہمارے ذہن میں آنے نہیں دیتا۔ وہ یہی کہتا ہے ٹھیک ہے، یہ فلم انتہا درجے کی گندی ہے، تو اس سے پورا لطف اٹھا اور یہ پاس بیٹھی تیری ماں، بہن، بہو اور بیٹی، یہ تو گونگی، بہری اور اندھی ہیں۔ ان کو اس سے کچھ سروکار نہیں کہ سامنے سکرین پر کیسے کیسے غلیظ اور گندے مناظر چل رہے ہیں۔ ابو! میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ یہ سب شیطان مردود کا چلایا ہوا چکر ہے اور یہ شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابو! شروع میں جب اس ٹی وی کے منحوس قدم ہمارے گھر پڑے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے اور یقیناً آپ کو بھی یاد ہوگا کہ اس کے گھر تشریف لاتے ہی آپ نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ خبرنامہ اور زیادہ سے زیادہ پاکستانی ڈرامہ، اس سے زیادہ دیکھنے کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔ رہا انڈین ٹی وی، وہ آپ کے ہوتے ہوئے دیکھنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ اگر کسی بچے سے اچانک کوئی دوسرا بٹن دب جاتا تو سارے گھر میں شور برپا ہو جاتا کہ بند کرو بند کرو، کہیں ابو نہ آ جائیں۔ مجھے یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ شام ہوتے ہی پورا محلّہ ہمارے گھر جمع ہوتا اس لئے کہ اس کام کی ابتداء ہمارے گھر سے ہوئی اور اب پورے محلے میں پھیلے ہوئے اس گناہ میں ہمارا اچھا خاصہ حصہ بنتا ہے۔

ابا جان! جب آپ گھر نہیں ہوتے تھے تو سب بیٹھ کر انڈین فلم دیکھتے تھے۔ جوں ہی آپ کی انگلی گھنٹی کے بٹن کو چھوتی، فوراً چینل تبدیل کر دیا جاتا۔ اتنا خوف اور دبدبہ تھا کہ کہیں آپ کو پتہ نہ چل جائے۔ مگر ابو! آج کیا ہو گیا ہے؟ اب تو ہماری چھت پر اتنی بڑی ڈش لگی ہوئی ہے اور گھر میں ہر روز نئی فلم آتی ہے۔ لیکن آج امی، بھابھی، بہنیں اور بھائی سب ہی آپ کی موجودگی میں پہلے سے ہزار گنا زیادہ گندی فلمیں دیکھتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اب کہاں گیا آپ کا وہ فرمان کہ صرف خبر نامہ اور پاکستانی ڈرامہ؟ کہاں گیا وہ رعب اور دبدبہ؟ ابو! ہم سب کدھر بہکائے جا

رہے ہیں اور یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابا جان! جب سب گھر والے رات کو بیٹھ کر انڈین فلم یا سٹیج ڈرامہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اور میں ساتھ والے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا ہوتا ہوں تو اکثر کڑھتا رہتا ہوں۔ اللہ کی قسم! گانے بجانے اور سب کے قہقہوں کی آوازیں سن کر کیفیت یہ ہوتی ہے، جیسے کوئی میرے دماغ پر ہتھوڑے سے شدید ضربیں لگا رہا ہو اور جب سونے لگتا ہوں تو مجھے نیند نہیں آتی اور ساری رات اسی سوچ و فکر میں گزار دیتا ہوں۔

ابا جان! پھر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت بہت سے مقدس رشتوں کی تذلیل کی جا رہی ہے۔ ایک فلم یا ڈرامے میں ایک عورت کسی کی ماں ہوتی ہے تو دوسری جگہ وہی عورت اس کی بیوی ہوتی ہے، کبھی بہن ہوتی ہے اور کبھی محبوب، کیا یہ انسانیت ہے؟ بہن اور بھائی ایک دوسرے کو "یار" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ابو! یقین کریں ان پاکیزہ رشتوں کے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے اور پھر نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس سارے لچرپن کو ثقافت کا نام دے کر فخر کیا جا رہا ہے۔ ابو! اگر یہی ثقافت ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ انتہائی مکروہ، غلیظ اور عذاب الٰہی کو دعوت دینے والی ثقافت ہے۔ لعنت ہو ایسی ثقافت پر، ایسی ثقافت پر کوئی بدکردار ہی فخر کر سکتا ہے۔ "اَلْحَمْدُلِلّٰہ" ہماری ثقافت وہ ہے، جو چودہ سو برس قبل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں رواج دی تھی۔ جس میں عورت کی عزت اور حرمت کی حفاظت تھی، بے حرمتی اور بدکاری نہ تھی۔ عورت کو شرم و حیا حاصل تھی، لیکن آج کسی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں، عصمت دری کے واقعات اتنے عام ہو چکے ہیں کہ اخبار پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔

ابو! رہی یہ بات کہ بچے دوسروں کے گھر دیکھنے جاتے تھے، اس لئے آپ ٹی وی خرید کر گھر لے آئے، کم از کم میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ تو بہت کمزور دلیل ہے۔ ابو! پورے ملک میں آپ کسی سے پوچھ لیں کہ بھائی! آپ اپنی اولاد کے

رویے سے اتنے تنگ ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ ان ڈراموں اور فلموں نے بچوں کے اخلاق کو تباہ کر دیا ہے، پھر اس ''ٹی بی'' کو گھر کیوں لائے؟ تو ہر ایک کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ بچے دوسروں کے گھر جاتے تھے، مجبوراً ٹی وی گھر پر لانا پڑا۔ ابو! ڈرتا ہوں کہیں مجھ سے کوئی گستاخی نہ ہو جائے، میری اس بات پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں، آپ فرماتے ہیں کہ بچے باہر دیکھنے جاتے تھے، اس لئے میں ٹی وی گھر لے آیا۔ ابو! شاید آپ کو معلوم ہو کہ بڑے بھیا گھر میں نہیں مگر باہر سگریٹ پیتے ہیں، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے سگریٹ کے پیکٹ الماری میں رکھ دیئے ہوں کہ لو بیٹا! تم باہر پیتے ہو، میں نے تمہارے لئے گھر میں ہی سگریٹوں کا بندوبست کر دیا ہے۔ کوئی باپ ایسا نہیں کرتا، صرف اس لئے کہ سگریٹ سے اولاد کی صحت کا نقصان ہوتا ہے۔ کتنا فکر ہے اولاد کی صحت کا اور جس چیز سے اولاد کا ایمان خراب ہو جائے، اس کے اخلاق تباہ ہو جائیں، اس کی ہمیں پرواہ تک نہیں۔ الٹا ایسی خطرناک چیز کو محنت سے کمائی ہوئی دولت سے خرید کر اپنے اپنے گھروں کو جہنم بنایا ہوا ہے۔ بلکہ عبداللہ صاحب فرما رہے تھے کہ عنقریب ڈش سے زیادہ خطرناک ایک بیماری عام ہونے والی ہے۔ جس کا نام ''کیبل'' ہوگا اور جس کے عام ہونے سے معاشرے میں غیرت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ ابو! جب یہ سوچتا ہوں تو اللہ کے خوف سے کانپ اٹھتا ہوں کہ کل اللہ پوچھے گا اور ضرور پوچھے گا کہ بتاؤ میری دی ہوئی دولت کہاں کہاں خرچ کی تو ہم میں سے کس کو جرأت ہوگی کہ اللہ کے سامنے بتائے کہ اتنی مالیت کا ٹی وی، اتنی مالیت کا وی سی آر اور ڈش وغیرہ خریدے۔ کتنی ذلت اٹھانی پڑے گی اس وقت؟ افسوس! نیکیاں مفت ملتی ہیں، کوئی لینے کو تیار نہیں اور برائی کے لئے کتنی بھاری رقم ادا کر رہے ہیں۔

ابو: منے! یار تمہاری باتیں کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ کہتے تو تم ٹھیک ہو، مگر تمہارے دوسرے بہن بھائیوں کا کیا کروں؟ ٹی وی تو جیسے ان کی رگوں میں

رچ بس گیا ہے۔

منا: ابو! اب تو واقعی کچھ مشکل پیش آئے گی، مگر ایک وقت تھا کہ اگر اس وقت بچوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی جاتی کہ یہ بہت خطرناک چیز ہے اور اس کے قریب نہ جانا تو مجھے سو فیصد امید ہے کہ کوئی بچہ اس کے قریب نہ پھٹکتا۔ ابو! دیکھیں ناں ایک سمجھدار بچہ بجلی کی تار یا سوئچ بورڈ کے قریب جانے سے ڈرتا ہے، حالانکہ اسے کبھی کرنٹ لگنے کا تجربہ نہیں ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ شروع دن سے جب بھی ادھر جانے لگا، ماں باپ نے چیخ کر کہا: بیٹا! ادھر نہ جانا، اس میں کرنٹ ہے۔ اس سے آدمی مر جاتا ہے۔ نتیجتاً آج بھی بچہ اس کے قریب جانے سے ڈرتا ہے۔ اسی طرح اگر والدین ٹی وی کو اپنے بچے کے لئے نقصان دہ سمجھتے اور شروع دن سے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتے کہ بیٹا! اس کے قریب نہ جانا تو بچہ بجلی کی تار اور سوئچ بورڈ کی طرح ٹی وی سے بھی ویسا ہی خطرہ محسوس کرتا اور آج والدین کو پچھتانا نہ پڑتا۔

ابو: اچھا! تو تم سارا قصور والدین کا ثابت کرنا چاہتے ہو؟

منا: اللہ کی پناہ! ابو میں کون ہوتا ہوں ماں باپ کو قصور وار ٹھہرانے والا؟ لیکن دیکھیں ناں! ایک بچہ پیدا ہوا مسلمان گھرانے میں، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ پورے گھر میں کسی کو اذان کہنا نہیں آتی۔ امام صاحب کو مسجد سے بلا کر بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت دہرائی جاتی ہے۔ اس کے دائیں اور بائیں کان میں پکارا جاتا ہے کہ آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف۔ ابو! آواز تو یہ محلے کے امام صاحب کی تھی، لیکن درحقیقت یہ اللہ کی پکار تھی، جو اس بچے کے دنیا میں آنے کے چند لمحے بعد اس کے کانوں تک پہنچائی گئی۔ ابو! بچے نے خود تو نہیں کہا کہ میرے کانوں میں اذان کہو، یہ تو اس کے والدین نے اس پر احسان کیا۔ لیکن اس دن سے لے کر مرتے دم تک اس کے کان جو سنتے ہیں، وہ اسی فانی دنیا کے

بارے میں ہوتا ہے۔ ہمارے گھروں میں آخرت کے تذکرے ہوتے ہی نہیں ہیں۔

ابو! ماں باپ نے یہ تو بڑا احسان کیا کہ بچے کے کہے بغیر ہی اذان دینے والے کا بندوبست کر دیا، مگر بعد میں یہ ڈیک، ٹی وی، وی سی آر اور ڈش، یہ کس کا احسان ہے؟ ابو! یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابو! شاید میں اپنی بات صحیح طریقے سے واضح نہ کرسکوں، لہٰذا دیکھتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[1]

ابو ایک اور بات! آپ اکثر بڑی باجی کے کمرے میں جاتے رہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ باجی کے کمرے میں اداکاروں کی کتنی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ آپ نے کبھی پوچھا کہ یہ سب کیا بے ہودگی ہے؟ ابو! میں اکثر سوچتا ہوں کہ آج اگر کسی کی بہن یا بیٹی کے اسکول بیگ یا ہینڈ پرس سے محلے کے کسی لڑکے کی تصویر نکل آئے تو فساد برپا ہو جاتا ہے، قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لیکن ابو! حیرانی ہوتی ہے کہ آج تقریباً ہر کسی کی بہن یا بیٹی کے کمروں میں، بلکہ ان کی کتابوں اور کاپیوں میں، اخباری میگزین میں، ہندو ایکٹروں اور کھلاڑیوں کی تصویریں ہوتی ہیں، اس پر کسی کی غیرت نہیں جاگتی کیا ہو گیا ہے ہماری عقلوں کو؟ ابو! یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابو! درحقیقت ہم لوگ اپنا مرنا بھول چکے ہیں۔ رب کعبہ کی قسم! اگر ہمیں اللہ کے سامنے پیش ہونے کا خوف ہوتا اور جنت کے حصول کی تڑپ ہوتی تو آج اپنی بچیوں کی ایسی تربیت نہ کرتے۔ ابو! ایک دن درس کے دوران حدیث پاک سنی کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ترمذی: ج ۲ ص ۴۸۱

نے ارشاد فرمایا: ”میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اسے جہنم میں جانے کا حکم دے دیا گیا۔ اس شخص کی نیک بچیاں اس سے چمٹ گئیں، رونے اور شور کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی: اے اللہ! ہمارے باپ نے دنیا میں ہم پر بڑا احسان کیا اور ہماری تربیت میں بہت مشقت اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر رحم فرما کر بخش دیا۔“ [1]

ابو! کاش یہ بات پوری دنیا کے والدین تک پہنچا سکوں۔ میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی کے باپ کو چیخ چیخ کر کہتا ہوں کہ اللہ کے واسطے! آج وقت ہے، آج میری بات پر تھوڑا سا غور کرلو، ورنہ پچھتاؤ گے، بہت پچھتاؤ گے۔ سنو! اس شخص کو جہنم میں جانے کا حکم ہوا اور اس کی نیک بچیاں اس کو جنت میں لے گئیں۔ پھر سنو! یہ نہ ہو کہ ہمیں جنت میں جانے کا حکم ہو اور اللہ نہ کرے کہ ہماری بچیاں بھی ہمارے پاؤں سے چمٹ جائیں اور جھگڑا کریں کہ پروردگار! اس باپ کے خریدے ہوئے شیطانی آلات سے ہم نے بے پردگی سیکھی، آوارگی سیکھی، ہمارے باپ کو ہماری بے راہ روی کا علم تھا، مگر اس نے ساری عمر ہمیں کبھی کسی بری حرکت سے منع نہیں کیا اور نہ ہی اس گھر کو ان نحوستوں سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ اے اللہ! یہ ہمارا باپ شادی بیاہ کے موقع پر ہم سے نئے کپڑوں اور جوتوں کے متعلق تو پوچھا کرتا تھا، مگر ہم نماز نہیں پڑھتی تھیں، کبھی نہیں پوچھا۔ ہم قرآن نہیں پڑھتی تھیں، کبھی نہیں کہا۔ ہم پردہ نہیں کرتی تھیں، کبھی نہیں روکا۔ اے اللہ! آج ہم نے اپنے باپ کو جنت میں نہیں جانے دینا۔ ابو! کیا حشر ہوگا اس باپ کا؟ آج ہے کوئی باپ، جو اس انجام سے ڈر جائے؟ آج ہے کوئی جنت میں جانے کا خواہش مند باپ، جو میری اس بات پر غور کرے؟ اگر نہیں تو یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا فریب ہے۔

ابو: منے! دیکھ لو اللہ کی قدرت! کہ کیسی ہے وہ ذات، دعاؤں کو سننے والی؟ تم

---

[1] ماخذہ مشکوٰۃ: ج ۲ ص ۴۲۱

نماز میں میرے لئے دعا کرتے تھے اور میرے اللہ نے جلد ہی تمہاری دعا قبول فرما لی۔ بیٹا! اللہ کو گواہ بنا کر تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ یہ ڈیک، ٹی وی، وی سی آر اور ڈش، بہت جلد اس گھر کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ان بڑے بڑے شیطانی آلات سے پاک کر دوں گا اور اللہ نے چاہا تو تمہارا یہ پیغام ملک کے کونے کونے تک پہنچانے کی کوشش کروں گا اور ان شاء اللہ ہر نماز کے بعد یہ دعا بھی کروں گا کہ پروردگارا! ہر مسلمان مرد اور عورت کو اس عریانی، فحاشی، بے حیائی اور بدکاری کے سیلاب سے محفوظ فرما اور اس شیطانی ثقافت کی یلغار سے بچا کر صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

منا: ابو! میں بھی دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرح ہر مسلمان کو توفیق دے کہ وہ اپنے گھروں کو ان نحوستوں سے پاک رکھیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، آخر میں وہی بات کہتا ہوں، جو شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہی:

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾[1]

ترجمہ: ”میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک مجھ میں استطاعت ہے اور میری توفیق (کا انحصار) اللہ پر ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“[2]

آوارگی

شیخ سراج الدین ندوی لکھتے ہیں کہ بعض بچوں میں آوارہ گردی کی لت ہوتی ہے۔ اگرچہ کچھ بچوں کو آوارہ گردی وراثت میں ملتی ہے۔ خانہ بدوش، تارک الوطن

---

[1] سورۂ ہود آیت ۸۸
[2] بشکریہ از ننھا مبلغ

اور سیلانی والدین کے بچوں میں آوارہ گردی ان کی فطری جبلت محسوس ہوتی ہے، وہ دن کا بیشتر حصہ بیابان، جنگل، دریا کے کنارے، باغ کے سائے میں یا بازاروں کی چہل پہل میں گزار کر اپنی زندگی میں محسوس ہونے والے خلا کو پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے بچوں کی آوارہ گردی پر قابو پانے کے لئے انہیں قید و بند کی سزائیں دینا، ان کے جذبات کو مزید آوارہ گردی کے لئے بھڑکانے کے مترادف ہے۔

گھر اور اسکول سے بھاگ جانا بھی بعض بچوں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ مدرسے اور اسکول سے فرار ہو جانے کی یہ عادت، مستقبل میں جرائم پیشگی کی راہ ہموار کرتی ہے۔ آوارہ گرد بچے کی نفسیات کا مطالعہ کر کے اصل محرکات کا پتا لگانا چاہئے۔ کوئی بھی تعزیری کارروائی، آوارہ گردی کو ختم کرنے کے بجائے اس میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے۔ آوارہ گردی کے محرکات متعدد اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ بہت سے داخلی اور خارجی عناصر طرح طرح سے مل کر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایسے بچے کے محرکات واسباب کا تدارک کیا جائے۔

بچہ فطری طور پر گھومنے پھرنے کا شیدائی ہوتا ہے۔ یہ ولولہ اس کے دل میں بار بار جوش مارتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص ماحول اور گرد و پیش سے نکل کر باہر کی دنیا کو دیکھے کہ آخر وہ کیسی ہے؟ بچے میں ایک مبہم سی امنگ، خطرناک مہموں کو سر کرنے کے لئے اسے ہر وقت آمادہ رکھتی ہے۔ وہ بچہ اپنے مانوس ماحول سے ہٹ کر غیر مانوس ماحول کی طرف بے مقصد سفر کے لئے عجیب و غریب تصورات کے ساتھ بے چین رہتا ہے۔ یہی اضطراب اور بے چینی، بچے کے بھگوڑا پن اور آوارہ گردی کا سبب بنتی ہے۔

اچھے اور کامیاب والدین وہ ہیں، جو بچے میں بھگوڑے پن کی عادت ہی سے پہلے اس کے ذوق کی تکمیل کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ چہل قدمی کے لئے اپنے

ساتھ لے جاتے ہیں۔ قدرتی مناظر اور تاریخی مقامات کی سیر و تفریح کا بندوبست کرتے ہیں۔ سامان کی خرید و فروخت کے لئے اس کو اپنے ہمراہ بازار لے جاتے ہیں۔ بے پناہ مصروفیت کے باوجود اپنے بچوں کے فطری شوق کی تکمیل کے لئے وقت اور پیسے کی قربانی دیتے ہیں۔ ان کے کاموں میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرتے، اس کے ساتھ بلاوجہ روک ٹوک روا نہیں رکھتے، گھریلو ماحول کو نہایت فرحت انگیز بنائے رکھتے ہیں۔ اس کے لئے مختلف دلچسپ مشاغل فراہم کرتے ہیں۔ بیت بازی، چٹکلے، پہیلیاں، قصے کہانیاں اور تعلیمی کھیل وغیرہ سے بچے کی دلچسپیوں کو برقرار رکھتے ہیں۔ کبھی بھی اکتا دینے والا ماحول پیدا نہیں ہونے دیتے۔

گھر سے بھاگ نکلنے کی عادت کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ گھر کی بے کیف اور سخت تر زندگی، گھریلو جھگڑوں سے پیدا شدہ باہمی رنجش و کدورت، دکانوں سے طرح طرح کی چیزیں خرید کر کھانے کی چاٹ، کھیل کے میدانوں، دریا کے کناروں، پر رونق بازاروں، سرسبز کھیتوں اور پھل سے لدے ہوئے باغوں میں گھومنے کی امنگ بچے کو گھر سے بھاگنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر ابتدا ہی میں اس خطرناک رجحان پر بند نہ لگایا جائے تو بچے کے آوارہ گرد اور مجرم بن جانے کا سخت اندیشہ رہتا ہے۔

ایک بچہ جبلی تقاضے کے تحت سیر و تفریح کے لئے گھر سے بھاگتا ہے۔ ایک بچہ گھریلو الجھن یا ذہنی اضطراب سے تنگ آ کر گھر سے بھاگتا ہے۔ اگرچہ دونوں کا عمل بالکل ایک ہی ہے، مگر نوعیت میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے بھاگنے کے حقیقی رجحانات اور باطنی و ظاہری محرکات کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

مفلس گھرانے کا بچہ خوش حال اور مسرت انگیز ماحول کی تلاش میں اپنے گھر سے بھاگ نکلتا ہے۔ اسی طرح دیہات کی بے رنگ و کیف زندگی سے اکتایا ہوا بچہ شہر کے پر لطف ہنگاموں کی طرف بھاگتا ہے۔ اس طرح کے بچے دلچسپ ماحول کی

تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ متنوع ماحول کی رنگینیوں سے محظوظ ہونے کے لئے ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو محض مفلس گھرانے کا مغموم ماحول اور دیہات کی بے کیف زندگی بھاگنے کا سبب نہیں، بلکہ اصل سبب بچے کا یہ احساس ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ ایک بے وقعت انسان ہے اور دنیا کی چہل پہل میں اس کا کوئی حصہ نہیں، اگر والدین گھریلو زندگی کے رویہ سے بچے میں یہ احساس پیدا نہ ہونے دیں تو وہ بھاگنے پر مجبور نہ ہوں۔ میں (یعنی شیخ سراج الدین) ایسے کئی نوجوانوں کو قریب سے جانتا ہوں، جو صرف اس لئے اپنے گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوئے کہ ان کے والدین نے انہیں وہ باعزت ذریعہ معاش اختیار نہیں کرنے دیا، جسے وہ اختیار کر کے معاشرہ میں "اچھے انسان" کی طرح رہنا چاہتے تھے۔

بعض بچوں میں بھاگنے کی یہ عادت اسکول سے شروع ہوتی ہے۔ اسکول سے وہ کوئی بھی بہانہ کر کے اور چھٹی لے کر گھر پر آجاتے ہیں۔ گھر والوں کے پوچھنے پر کہہ دیتے ہیں کہ آج جلدی چھٹی ہوگئی کیونکہ اسکول میں میچ ہو رہا ہے۔ یا فلاں ماسٹر صاحب کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ بعض بچے گھر سے بستہ لے کر کسی تفریح کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور جب چھٹی کا وقت ہوتا ہے تو بستہ لے کر نہایت معصومانہ انداز سے گھر واپس آجاتے ہیں اور گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا لاڈلا پڑھ کر آگیا ہے۔

مدرسے سے بھاگنے کے بھی متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ نصاب کا عمر یا ذہنی استعداد سے اونچا ہونا، ایسی صورت میں بچے کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور وہ تعلیم سے اُکتا کر راہ فرار اختیار کرنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ ناتجربہ کار معلم کی سخت گیری بھی اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ کسی وجہ سے استاد کا غیر مشفقانہ رویہ اور ہم جولیوں کا مذاق اور لعن طعن بھی بھاگنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے اسے فوری راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ بچے کو عمر اور ذہنی استعداد سے بالا درجے

میں کبھی نہ داخل کرائیے۔ اپنے بچے کے لئے بہترین تعلیم گاہ کا انتخاب کیجیے، جہاں کا نصاب تعلیم بھی موزوں ہو اور ماحول بھی دلچسپ، جہاں اساتذہ شفقت سے تعلیم دیتے ہوں اور کمزور بچوں کو مختلف دلچسپ طریقوں سے دوسرے طلبہ کے معیار پر لانے کے لئے مسلسل کوشش کرتے ہوں، جن بچوں کے گھریلو ماحول کی بے کیفی یا جسمانی نقص کی وجہ سے احساس کمتری کا اندازہ ہو، ان کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہوں۔ انہیں احساس کمتری کی دلدل سے نکالنے کے لئے حکیمانہ طریقے اختیار کرتے ہوں۔ اس طرح کی تعلیم گاہوں سے آپ کا بچہ کبھی راہ فرار اختیار نہ کر سکے گا۔

بسا اوقات اسکول سے بھاگ نکلنے کی پہلی حرکت محض اتفاق سے ہوتی ہے۔ بچہ جب اسکول پہنچا تو دیر ہو چکی تھی اور اسے استاد کی سزا کا خوف لاحق تھا کہ راستے میں ایک منچلا ساتھی مل گیا۔ اب یہ دونوں کسی پر کشش مقام کی طرف چل دیے، وہاں مٹر گشتی میں اس قدر لطف آیا کہ بار بار یہ حرکت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے، ایسے بچوں کو ابتدا ہی میں سمجھا بجھا کر درست کر دیا جائے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسکول سے بچے کی رپورٹ لے کر اس کا بغور مطالعہ ضرور کرتے رہیں۔

آج کل بچے بازاروں پر یا پھر بازاروں پر قائم منی سینما گھروں اور ویڈیو سینٹروں میں وقت گزار کر چھٹی کے وقت گھر واپس آ جاتے ہیں۔ لاہور، قصور، پتوکی، فیصل آباد، کراچی، حیدر آباد، راولپنڈی اور اسلام آباد اس وبا کے خاص طور پر شکار ہو چکے ہیں۔ ایسی جگہیں خاص طور پر مجرم ساز فیکٹریوں کا روپ دھار چکی ہیں۔

ایسے بچے بھی پائے جاتے ہیں، جو مدرسہ میں داخل ہونے ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔ یا تو اس لئے کہ بچہ گھر میں من پسند زندگی کو چھوڑ کر مدرسے کے اجنبی ماحول میں جانا پسند نہیں کرتا یا اس لئے کہ اس کے ذہن میں مدرسہ کے بارے

میں غلط تصور بٹھا دیا گیا ہے۔ ایسے بچوں کو ان کی مرضی کے خلاف مدرسے میں داخل نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ یا تو پڑھنے میں دلچسپی نہیں لے گا یا مدرسے سے بھاگنا شروع کردے گا اور اگر آپ گھر پر سختی کریں گے تو وہ گھر سے بھی بھاگنا شروع کردے گا اور اسے آوارہ گردی کی عادت ہو جائے گی۔ ایسے بچوں کو آپ کبھی کبھی اپنے ہمراہ مدرسے لے جائیں تا کہ وہ مدرسے کے ماحول سے مانوس ہو جائے اور اسے یہ محسوس ہو کہ مدرسے کا ماحول گھر کے ماحول سے کم دلچسپ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ بھگوڑے پن اور آوارہ گردی پر بغیر سوچے سمجھے سزا نہ دیں۔ اس طرح آوارہ گردی کی جڑیں کمزور ہونے کے بجائے مزید مضبوط ہو جائیں گی۔ آوارہ گرد بچوں کی اصلاح کے لئے ان کے جذبات واحساسات، رجحانات ومیلانات، ذہانت واستعداد، صحبت واخلاق، محلہ واسکول کے ماحول، اس کے ہم جولیوں کے اخلاقی معیار، گھر اور مدرسے کے نظم ونسق کی نوعیت کی تہہ تک پہنچنا ضروری ہے۔ انہیں دل کش ماحول فراہم کیجیے۔ حتی الوسع اختیار و آزادی دیجیے تا کہ وہ اپنی اختراعی قوتوں کو روبہ عمل لاسکیں۔ مختلف کھیلوں، تفریحی پروگراموں، اور بامقصد سیر وتفریح سے ان کے لذت پسند تقاضوں کی تشنگی دور کیجیے، تا کہ وہ آوارہ گردی کی طرف رخ ہی نہ کرسکیں۔

نکما پن

درجے میں پیچھے رہ جانے والے بچے کو عموماً ''نکما بچہ'' کہا جاتا ہے۔ ہر کلاس میں کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں، جو وقتی طور پر ایک دو مضمون میں سست روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت حال فطری ہے، اس پر زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں۔ معمولی توجہ سے یہ کمی جلد یا بدیر دور ہو سکتی ہے۔ البتہ وہ طلبہ جو مستقل، اکثر یا تمام ہی مضامین میں درجے کے ساتھیوں سے پیچھے رہتے ہیں، خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

نکما پن کے اسباب بے شمار اور مختلف ہوتے ہیں۔ اسباب کا گہرائی سے مطالعہ کر کے نکمے بچوں کی طرف غیر معمولی توجہ دینا چاہیے، ورنہ ان کا مستقبل تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

بعض بچے غبی اور کند ذہن ہونے کی وجہ سے نکمے رہ جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کو ان کی اپنی رفتار سے چلانا چاہیے اور گھریلو زندگی اور مدرسے کے تعلیمی نظام میں رعایت دینا چاہیے۔ اسکول میں ان پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ اگر مناسب ہو تو کمزور ذہن کے طلبہ کے لئے الگ سے کلاس کا اہتمام کیا جائے، ان سے ان کی استعداد و صلاحیت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔

نکما پن کا ایک بڑا سبب، پابندی سے اسکول نہ جانا یا اکثر و بیشتر دیر سے جانا ہے۔ درجے سے غیر حاضری بچوں کو لازمی طور پر نکما بنا دیتی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت اسباق چھوٹ جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اگلے اسباق سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اگر بچے میں نکما پن غیر حاضری کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے تو غیر حاضری کے اسباب کا پتا لگا کر بچے کو وقت پر پابندی سے اسکول بھیجنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اساتذہ کا ظالمانہ رویہ بھی نکمے پن کا محرک ہوتا ہے۔ بہت سے معلم نہایت خشک انداز سے پڑھاتے ہیں۔ بات بات پر ''کان پکڑی'' اور ڈنڈے کا استعمال کرتے ہیں۔ طلبہ کی نفسیات اور رجحانات کا مطالعہ کیئے بغیر سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ سبق کسی کے پلے پڑے یا نہ پڑے، یہ دقیانوسی معلم پڑھائے چلے جاتے ہیں۔ بولنے پر آمادہ ہوتے ہیں تو رکنے کا نام نہیں لیتے اور خاموش ہونے پر آتے ہیں تو کسی طالب علم کو اپنی الجھن پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ اپنے کو ''عقلِ کل'' سمجھتے ہیں اور کسی بھی نئے طریقے سے استفادے کو اپنے علم کی توہین تصور کرتے ہیں۔

اگر آپ کا بچہ اس قسم کے معلّمین کے حوالے ہوگیا ہے تو ان کے چنگل سے

نجات دے کر اپنے بچے کو ان مشفق اساتذہ کی آغوشِ تربیت میں منتقل کر دیجیے، جو تعلیم و تدریس کے فن سے دلچسپی رکھتے ہوں، بچوں کی نفسیات کی روشنی میں مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ جو ڈنڈے کی بجائے شفقت سے تعلیم و تدریس کے اصول پر عمل پیرا ہوں، جو گوناگوں دلچسپیوں سے اسکول کی زندگی کو اس قدر لطف اندوز کر دیتے ہوں کہ بچہ کسی بھی صورت تنفر و اکتاہٹ کا شکار نہ ہونے پائے اور نکما پن کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکے۔

اسکول اور مدرسے کا غیر موزوں ماحول بھی نکما پن کا سبب ہوتا ہے۔ اگر تعلیمی ادارے کا محلِ وقوع غیر مناسب ہے۔ اس کے کمرے تنگ و تاریک ہیں۔ اساتذہ و ذمہ دار غیر تجربہ کار ہیں، ادارے کی عمارت کے پاس گندگی کے ڈھیر پڑے رہتے ہیں۔ دیواروں پر گرد و غبار اور چھت پر مکڑی کے جالے تنے ہوئے ہیں تو بچے کی طبیعت پڑھنے سے خود بخود اکتا جائے گی۔ وہ ایسے گھٹے ہوئے ماحول سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اپنے بچے کے لئے ایسی تعلیم گاہ کا انتخاب کیجیے، جو جیل خانے کی بجائے تفریح گاہ معلوم ہو۔ جس کی عمارت سادہ ہی ہو، مگر صاف ستھری ہو۔ نشست کا بہتر نظام ہو۔ تعلیمی و توضیحی نقشے، چارٹ وغیرہ وافر مقدار میں ہوں۔ نصابی کتب کے علاوہ دوسرے دلچسپ مشاغل مثلاً آرٹ، کرافٹ، جائز کھیل کود کے سامان بھی موجود ہوں۔

نکما پن کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ بچے پر عمر اور ذہنی صلاحیت سے زیادہ بار لاد دیا جاتا ہے۔ آدمی اپنے اوپر قیاس کر کے بچے سے اپنی جیسی توقعات وابستہ کر لیتا ہے۔ بچے کی بساط اور استعداد سے اونچے درجے میں اسے داخل کرا دیا جاتا ہے۔ کسی مضمون کو وقت سے پہلے یا کافی دیر سے شروع کرنا اور ترقی دینے میں بہت جلدی یا بہت تاخیر کرنا بھی بچے کو نکما بنانے کا سبب ہو سکتا ہے۔

بچے کو اس کی عمر اور صلاحیت کے اعتبار سے موزوں درجے میں داخلہ دلائیے۔

فطری رفتار سے اسے آگے بڑھنے دیجئے۔ ایک سال میں دو درجے کا نصاب پڑھانے کی کوشش نہ کیجئے۔ بچے پر دوہرے کورس کا بار کبھی نہ ڈالیئے۔ عموماً والدین بچے سے ایک ساتھ دو دو امتحان دلانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر بچہ عربی مدرسے میں پڑھتا ہے تو والدین سرکاری مضامین پرائیویٹ طور سے پڑھا کر سرکاری امتحان بھی دلانا چاہتے ہیں اور اگر بچہ سرکاری اسکول پڑھتا ہے تو بہت سے والدین اسے ادیب، منشی اور مولوی وغیرہ کے امتحانات دلانے کے لئے الگ سے اس پر بار ڈالتے ہیں۔ اس سے بچہ مایوسی کا شکار ہوسکتا ہے۔ اگر بچہ غیر معمولی ذہانت یا قوت حافظہ کا مالک ہے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن متوسط ذہن رکھنے والے طلبہ کے ساتھ ایسا کرنا مناسب نہیں اور کند ذہن طلبہ کے ساتھ ایسا کرنا تو ظلم عظیم اور ان کی شخصیت کے قتل کے مترادف ہے۔

بچے کو نکما بنانے میں گھر کے ماحول کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ گھر کی زبوں حالی، والدین کی بیماری یا بے روزگاری کے سبب بچہ پابندی سے اسکول نہیں جا پاتا اور اچھا خاصا ذہین بچہ بھی نکما ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہماری معاشرتی ارتقاء میں غربت و افلاس ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ ملک کے سنجیدہ لوگوں کو ایسے نظام معیشت کے سلسلے میں گہرائی سے سوچنا چاہیے، جو غریبی و امیری کی روز بروز بڑھتی ہوئی خلیج کو پاٹ سکے۔ تقریباً نصف آبادی جو خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے، اسے خوش حال بنا سکے۔ مجموعی طور پر ملک کی معاشی حالت درست کر سکے اور ملک کا کوئی باشندہ بے روزگار نہ رہ سکے۔ اگر اسلامی اصول معیشت کی روشنی میں ملک کی خوشحالی کے لئے پروگرام بنایا جائے اور معاشرہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہو چکا ہو تو یقیناً ملک کا ہر باشندہ خوش حال ہو جائے۔ سود اور رشوت ستانی کے تمام بت ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ آنے والی نسلوں کی بھلائی کے لئے بہر حال ایک عظیم انقلاب کی ضرورت ہے۔

خوش حال گھرانوں میں بھی والدین کا سلوک، ان کی غیر ذمہ دارانہ روش، لیکن

دین میں بے اصولی اور ان کی خباثت و بددیانتی سے بچہ مجرمانہ حرکتوں کا شکار ہو کر اسکول کے کاموں میں دلچسپی کم لینے لگتا ہے۔ نتیجۃً وہ اپنے ساتھیوں سے کافی پیچھے رہ جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں والدین کو نہایت ایمان داری سے اپنا احتساب کرنا چاہیے اور بچے کے مستقبل کی خاطر اپنی روش میں نمایاں تبدیلی لانا چاہیے۔

گردوپیش اور محلے کا مخرب اخلاق ماحول بھی بچے کو نکما بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بچہ اسکول سے جو تھوڑا بہت سیکھ کر آتا ہے، وہ گلی کے آوارہ لڑکوں کی صحبت میں بھول بیٹھتا ہے، وہ آوارہ گردی اور بھگوڑے پن کے قصے سن کر گمان کرنے لگتا ہے کہ تعلیم مغزنی (مغزماری) کرنا محض فضول ہے۔ اگر اس کے والدین اس کو مدرسے بھیج بھی دیتے ہیں تو اس کا ذہن اپنے محلے کے ان دوستوں میں محو ہوتا ہے، جو نہایت آزادی و بے باکی سے اپنے حوصلے کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے گردوپیش ایسے آوارہ گرد بچوں کی تعداد میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے، جو شیطانی حرکتوں میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ جن کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ اپنے مستقبل کی کوئی فکر۔ ایسے ماحول کو بدلنے کی سنجیدگی سے کوشش کیجیے۔ طلبہ اور نوجوانوں کو اکٹھا کر کے انہیں دلسوزی سے سمجھائیے۔ ان کا حقیقی مقام انہیں یاد دلائیے۔ ان کے والدین کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کیجیے۔ ان کے فرائض و واجبات کی یاددہانی کرائیے۔ جب تک آپ ماحول کو نہ بدل سکیں، اس مخرب اخلاق اور فحش ماحول سے اپنے بچوں کو دور رکھیں۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ محلے کے اچھے بچوں کو منتخب کر کے ان کی ایک انجمن بنا دیجیے تاکہ وہ آپس میں شریک ہو کر مضر صحت مشاغل اور مخرب اخلاق ماحول سے محفوظ ہو سکیں۔ وہ اپنی انجمن میں بیت بازی، الفاظ سازی، تعلیمی تاش، (کسی بڑے کی نگرانی میں) نشانہ بازی، علمی لطائف اور نظم خوانی وغیرہ تعمیری مشاغل میں اپنی اضافی صلاحیتیں لگائیں۔ اگر نکمے بچوں کو بھی ایسا ماحول فراہم کر دیا جائے تو امید ہے کہ ان کا نکما پن

بھی دور ہو جائے۔

نکما پن کا ایک اہم سبب اسکول (مدرسے) اور گھر کے مابین ہم آہنگی اور تعاون کا فقدان ہے۔ اگر گھر اور مدرسہ باہمی تعاون سے بچے کی تربیت ونگہداشت کریں تو نکما پن کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ اگر والدین اور معلم کے مابین رابطہ قائم رہے۔ دونوں مل کر بچے کی خوبیوں کو پروان چڑھانے اور اس کے نقائص کو دور کرنے کی حکیمانہ تدبیر کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بچے کے بگاڑ کے امکانات تقریباً ختم ہو جائیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ اگر معلم نکمے بچے کی شکایت اس کے والدین سے کر دے تو والدین اصلاح کی بجائے یا تو بچے پر برس پڑتے ہیں یا معلم ہی سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ نتیجۃً یہ نکمے اور آوارہ بچے مستقبل میں ماں باپ اور ملک وسماج کے لئے مستقل دردسر بن جاتے ہیں۔

بہر حال نکمے بچے ہماری توجہ کے بہت زیادہ مستحق ہیں۔ انہیں نکمے پن اور مایوسی سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش ہمارا فرض ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بچہ یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ اس کے نکمے پن کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔

تربیت بھی، مشغولیت بھی

کبھی بچوں کے فارغ اوقات کو قیمتی بنانے کے لئے ان میں سوال و جواب کا مقابلہ کروائیں اور اس مقابلے کے لئے ایک خاص موضوع دے دیں۔ اگر ممکن ہو تو رشتہ دار بچوں اور اڑوس پڑوس کے بچوں کو بھی اس مقابلہ میں شریک کر لیں، مثلاً مقابلہ سے ایک ہفتہ پہلے بچوں میں فضائل نماز، نماز کی کتاب، میری نماز وغیرہ کتابیں تقسیم کر دیں اور تیاری کے لئے ایک ہفتہ دے دیں، پھر چھٹی والے دن بچوں کو اکٹھا کر کے اس ترتیب سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کریں کہ سب سے

پہلے ایک ایک بچے کو بلا کر نماز پڑھنے کے فضائل و فوائد بیان کروائیں اور خود انہیں ۳۳ میں سے نمبر دیں، پھر دوسرے دور میں نماز نہ پڑھنے، جماعت چھوڑنے، تکبیر اولیٰ ضائع کرنے کے نقصانات اور عذاب بیان کروائیں اور ۳۳ میں سے نمبر دیں، پھر آخری دور میں نماز کے مسائل، جماعت میں ملنے کا طریقہ، نماز فجر کی جماعت ضائع نہ ہو اس کی تدابیر بیان کروائیں اور ۳۳ میں سے نمبر دیں۔ اس کا مجموعہ ۹۹ ہوئے ایک نمبر صاف کپڑے اور ناخن و بال وغیرہ کی صفائی کا رکھیں۔ آخر میں جو بچہ اول آئے اس کو انعام میں کوئی دینی یا معلوماتی کتاب یا کوئی دوسری اچھی چیز بھی دیں تاکہ سب بچوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہو اور اس کے ذریعے سے ان کی دینی معلومات میں سے اضافہ ہو۔ یاد رکھیں! اس ترتیب سے آپ نے جس عمل کا مذاکرہ کروایا، بچے نہ صرف اس عمل کے متعلق معلومات کے حامل ہوں گے، بلکہ اس عمل کو عملی طور پر کرنے بھی لگ جائیں گے۔

اس طرح کے انعامی مقابلوں کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ جو وقت بچے ویڈیو گیم کھیلنے، گلی کوچوں میں کرکٹ کھیل کر شیشے توڑنے، آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے میں صرف کرتے ہیں، وہ وقت صحیح استعمال ہوگا اور تعمیری کاموں پر اور دینی کاموں پر لگے گا، ساتھ ہی ایسی معلومات حاصل ہوں گی جو ان کے معمولات میں آئیں گی اور ایک بھرپور اسلامی و عملی معاشرہ وجود میں آئے گا اور اس طرح ہر بچے کی اصلاح ہوگی، بھلائیاں اس کی زندگی میں زندہ ہوں گی، برائیاں اس کی زندگی سے ختم ہوں گی اور وہ اپنے علم کی تبلیغ بھی کرنے کے قابل ہو جائے گا جو اسلامی تربیت کا مزاج ہے۔

بچے سے غلطی پر صلوٰۃ التوبہ پڑھوائیے

اگر بچپن ہی سے یہ عادت پڑ جائے کہ جیسے ہی کوئی غلطی یا کوئی نافرمانی، کوئی

نقصان ہو، فوراً وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھے اور دعا مانگے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے نادم ہو تو اس صفت کا کیا کہنا۔ آج اگر یہ صفت ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ ذیل میں ہم اس کے فوائد لکھتے ہیں۔

پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ بچپن ہی سے اچھے اور برے کی، غلط اور صحیح کی، جائز اور ناجائز کی، حلال اور حرام کی تمیز ہو سکے گی یعنی دینی فہم پیدا ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر عمل کو کرنے کے بعد دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے اس عمل سے خوش ہوئے یا ناراض۔ اگر خوش ہوئے تو شکر ادا کروں اور ناراض ہوئے تو نماز پڑھ کر معافی مانگوں۔ یعنی روز مرہ کی زندگی میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رہے گا جو کہ غلط عمل میں لگنے سے رکاوٹ کا سبب ہوگا۔ ساتھ ہی توبہ کرنے کے بعد دوبارہ اس عمل میں لگنا بہت مشکل ہوگا، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے بچانے کی کوشش کرے گا۔

مثلاً آپ نے دیکھا کہ بڑے بیٹے نے چھوٹے بیٹے سے کھانے کی کوئی چیز چھین کر فوراً منہ میں ڈال لی اور پلک جھپکتے میں نگل گیا، اب آپ سب سے پہلے چھوٹے بچے کو جو منہ بسور رہا ہے یا رو رہا ہے، اس کو سنبھالیے اور دلاسہ دے کر کہیے کہ بیٹا کوئی بات نہیں، آپ کا بڑا بھائی ہی تو ہے، آج کچھ لے بھی لیا تو کیا ہوا اکثر تمہارا خیال بھی تو رکھتا ہے اور تمہیں چیزیں بھی تو دیتا ہے۔ تم اس چیز کا غم مت کرو اور یہ تو بھائی ہے، اگر کوئی تمہارا دوست کوئی چیز لے لے تو کیا تم خوشدلی سے نہیں دو گے؟ اس کا تو زیادہ حق ہے۔ جب یہ چپ اور مطمئن ہو جائے تو بڑے بیٹے کو علیحدگی میں پیار سے سمجھائیے کہ بیٹا یہ کیا حرکت ہے؟ اگر اتنی ہی طلب تھی تو مجھ سے مانگ لیتے، بازار سے جا کر خرید لاتے۔ لیکن چھیننے کی کیا ضرورت تھی اور چھینا جھپٹی کرنا کوئی اچھی بات تھوڑی ہے، یہ تو جانوروں کا کام ہے۔ بیٹے...... میں آپ کو پیسے دیتا ہوں، آپ وہی چیز خرید کر اپنے ہاتھوں سے چھوٹے بھائی کو دو اور اس سے معذرت

کرنے میں عار نہ سمجھو۔ اس طرح سمجھانے سے یہ بات بھی اس کے ذہن میں بیٹھے گی کہ حق والے کا حق ادا کیئے بغیر چارہ نہیں اور یہ بات آگے چل کر اسے عملی زندگی میں بہت امانت دار اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی کرنے والا بنائے گی۔ پھر آخر میں اس سے کہیئے کہ بیٹا! اب وضو کر کے دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے اپنے کیئے کی معافی مانگو، آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا پکا ارادہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں، ان شاء اللہ تمہارے بھائی کا دل بھی تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا۔

بچوں میں ایثار کا جذبہ پیدا کیجیے

گھر میں چھوٹے بڑے بچے ہوتے ہیں اور ان میں آپس میں چھوٹی موٹی جھڑپ ہو ہی جاتی ہے اور پھر صلح بھی ہو جاتی ہے لیکن اگر بچپن ہی سے بچوں میں آپس میں جوڑ، محبت و الفت کو پیدا کر دیا جائے تو یہ جوانی، بلکہ بڑھاپے تک انہیں جوڑے رکھتا ہے۔ آپس میں جوڑ کیسے رہے؟ اس کے لئے سب سے ضروری چیز جذبہ ایثار کا ہونا ہے۔ یعنی میرا پیٹ چاہے خالی رہے، بھائی کا پیٹ بھر جائے۔ مجھے چاہے پتلا کمبل ملے، بھائی موٹے کمبل میں آرام سے سوئے۔ یہ باتیں کیسے پیدا ہوں؟ اس کے لئے ہفتے میں ایک بار سارے بچوں کو بٹھا کر اس کا مذاکرہ کروائیں اور بچے کو یہ باتیں یاد کرا کر بلوائیں تاکہ ان کے دل میں ایثار کا جذبہ بیدار ہو۔

جب تک ہم میں جوڑ رہا، ہم عروج پر رہے۔ آج بھی اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ نفرتیں ختم ہوں اور محبت و الفت پیدا ہو، ابتدا گھر ہی سے کیجیے۔ اگر تمام گھروں میں اخوت و بھائی چارگی کی فضا ہو تو پورے معاشرے میں جوڑ پیدا ہوگا، جب سب کے لئے سب کے دلوں میں ایثار ہوگا تو سب کو سب

کی ہمدردی حاصل ہوگی۔ اسی طرح بڑے، چھوٹوں کے تمام حقوق ادا کریں اور چھوٹے، بڑوں سے ہر کام میں مشورہ کرکے چلیں۔ جب ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے پر راضی ہوجائے گا تو ہر ایک کو اس کا حق مل جائے گا، اور اس کے نتیجے میں ملنے والے ثمرات کا مشاہدہ دنیا ہی میں ہوگا۔

جذبہ ایثار سے مراد کسی شخص کے دل میں اس بات کا پیدا ہونا ہے کہ میری خواہشات تو درکنار، میری جائز ضرورتیں پوری ہوں یا نہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کی جائز خواہشات اور ضرورتیں پوری ہوجائیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لڑائیاں اس وجہ سے ہوتی ہے کہ کوئی چیز کسی ایک کی خواہش یا ضرورت کو پورا کرسکتی ہے اور وہ کسی دوسرے کو ملے تو جنہیں نہیں ملی، وہ حسد اور بغض جیسے امراض میں مبتلا ہوکر اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے جائز و ناجائز سارے راستے استعمال کرتے ہیں اور جسے چیز ملی ہوئی ہے، وہ بھی اپنی چیز سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا اور اس کی حفاظت کے لئے سارے غلط اور صحیح طریقے استعمال کرتا ہے۔ اگر حامل میں دینے کا اور غیر حامل میں نہ لینے کا جذبہ ہوتو آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ توڑ کی ابتدا بھی نہیں ہوسکتی۔

بچپن ہی سے اپنے بچوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی خاطر اپنا حق چھوڑنے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔ فرداً فرداً اپنے بچوں کو خوب سمجھائیے اور فضائل سنا سنا کر اس بات پر تیار کیجیے اور دعا بھی خوب مانگیے۔ ان شاء اللہ اگر یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھ گئی تو بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک ان میں خوب بھائی چارگی رہے گی اور شادیوں کے بعد بھی جائیداد اور وراثت وغیرہ جھگڑوں سے آپ کا خاندان محفوظ رہے گا۔ اس کے لئے ایثار کے واقعات بچوں کو بچپن ہی سے یاد کروائیے اور ان کو یہ واقعات کاپی میں لکھوائیے۔ ہم یہاں چند واقعات مثال کے لئے لکھتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے گھر رات کو کوئی مہمان آگیا۔ ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ وہ خود یا ان کے بچے کھا سکیں۔ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سلا دو، اور گھر کا چراغ گل کردو، پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر میں ہم بھی بیٹھ جائیں کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، مگر ہم نہ کھائیں تا کہ مہمان کھانا کھا سکے۔[۱]

(۲) امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک بزرگ کو کسی شخص نے ایک بکری کی سری بطور ہدیہ پیش کی۔ اس بزرگ نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں اور یہ سری ان کے پاس بھیج دی تو اسی طرح انہوں نے تیسرے اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دی۔ یہاں تک کہ سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے بزرگ کے پاس آئی۔[۲]

(۳) موطا امام مالک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مسکین نے ان سے سوال کیا۔ ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی اور ان کا اس دن روزہ تھا۔ آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ یہ روٹی اس کو دے دو، خادمہ نے کہا کہ اگر یہ دے دی گئی تو شام کو آپ کے افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ رہے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: پھر بھی دے دو۔[۳]

(۴) حذیفہ عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جنگ یرموک میں اپنے چچا زاد بھائی کو شہداء کی لاشوں میں تلاش کرنے کے لئے نکلا اور کچھ پانی ساتھ لیا کہ اگر ان میں کچھ جان ہوئی تو پانی پلادوں گا۔ ان کے پاس پہنچا تو کچھ رمق زندگی کی باقی

---

[۱] الترغیب والترہیب: ج ۳ص ۲۵۰

[۲] ماخذہ التفسیر القرطبی: ج ۱۸ص ۲۱

[۳] ماخذہ التفسیر القرطبی: ج ۱۸ص ۲۱

تھی۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کو پانی پلاؤں؟ اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ مگر فوراً ہی قریب سے ایک دوسرے شہید کی آواز ''آہ آہ'' کی آئی تو میرے بھائی نے کہا کہ یہ پانی ان کو دے دو۔ ان کے پاس پہنچا اور پانی دینا چاہا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی اور انہوں نے تیسرے کو دینے کے لئے کہہ دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سات شہیدوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔ جب ساتویں شہید کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے۔ یہاں سے اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ [1]

اپنی نسل کے لئے منصب امامت طلب کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب امامت دینے کی بشارت دی تو انہوں نے اس سعادت کو اپنی نسل کے لئے بھی طلب کیا۔

قرآن مجید میں اس بات کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ [2]

ترجمہ: ''اور جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی ایک باتوں سے آزمایا، اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ''میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا۔'' انہوں نے عرض کی: ''اور میری اولاد میں سے (بھی)۔'' فرمایا: ''میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔''

شیخ محمد عدوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

---

[1] التفسیر القرطبی: ج۱۸ ص۲۳، بتلخیص از معارف القرآن: ج۶ ص۳۷۵ تا ۳۷۷

[2] سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۴

لوگوں کے امام، اور ان کے لئے قدوۂ صالحہ بنائے جانے پر قناعت نہ کی، اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ ان کی نسل میں سے بھی لوگوں کے امام بنائے جائیں۔[1]

شیخ سید محمد رشید رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں لکھا ہے: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا (انسانی) فطرت کے عین مطابق ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کی اولاد کی بقا میں اس کی اپنی بقا ہے، اسی لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اسی بہترین حالت میں رہے، جس میں وہ خود ہے تاکہ جسمانی اور روحانی بقا میں اس کا حصہ رہے۔''[2]

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ قابل رشک مقام عطا کیا گیا تو انہوں نے اس (اعزاز) کو اپنی نسل کے لئے بھی طلب کیا تاکہ (اس طرح) ان کا درجہ اور ان کی نسل کا درجہ مزید بلند ہو جائے۔''[3]

دعائے خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی قبولیت

اللہ رب العالمین نے اپنے خلیل علیہ السلام کی اس دعا کو پورا فرمایا۔ ان کے بعد آنے والا ہر نبی ان کی نسل میں سے تھا، اور نازل ہونے والی ہر کتاب ان ہی کی اولاد پر نازل ہوئی۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾[4]

ترجمہ: ''اور ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کر دیا۔''

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے:

---

[1] دعوۃ الرسل: ص ۴۰، ۴۱

[2] تفسیر المنار: ج ۱ ص ۴۵۶

[3] تفسیر السعدی: ص ۵۰

[4] سورۃ العنکبوت آیت ۲۷

﴿فَلَمْ يَأْتِ بَعْدَهُ نَبِيٌّ إِلَّا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ، وَلَا نَزَلَ كِتَابٌ إِلَّا عَلَى ذُرِّيَّتِهِ، حَتَّى خُتِمُوا بِابْنِهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ.

وَهٰذَا مِنْ أَعْظَمِ الْمَنَاقِبِ وَالْمَفَاخِرِ أَنْ تَكُوْنَ مَوَادُّ الْهِدَايَةِ وَالرَّحْمَةِ وَالسَّعَادَةِ وَالْفَلَاحِ وَالْفَوْزِ فِيْ ذُرِّيَّتِهِ، وَعَلَى أَيْدِيْهِمْ اِهْتَدَى الْمُهْتَدُوْنَ، وَآمَنَ الْمُؤْمِنُوْنَ، وَصَلَحَ الصَّالِحُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ''ان کے بعد ہر آنے والا نبی ان کی نسل سے آیا تھا، اور ہر نازل ہونے والی کتاب انہی کی نسل (کے نبی) پر نازل ہوئی، یہاں تک کہ سلسلہ نبوت ان کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔

اور یہ انتہائی عظمت ومنقبت اور قابل فخر باتوں میں سے ہے کہ ہدایت و رحمت، سعادت وفلاح اور کامیابی وکامرانی کا منبع، ان کی نسل میں ہو، اور انہی کے ہاتھوں پر ہدایت پانے والے ہدایت حاصل کریں، اہل ایمان ایمان لائیں، اور نیک لوگ نیکی کی راہ پر آئیں۔''

علم وعمل اور دعوتِ دین میں بلند مقام رکھنے والے والدین کو چاہیے کہ وہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے اپنی اولادوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی مقام پر پہنچا دے، جس پر اس نے ان کو پہنچایا ہے۔ ''اِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.''

علامہ ابن فرس رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ بالا دعا سے استنباط کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

﴿يُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا إِبَاحَةُ السَّعْيِ فِيْ مَنَافِعِ الذُّرِّيَّةِ وَالْقَرَابَةِ، وَسُؤَالِ

[1] تفسیر السعدی: ص ۶۸۶، تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۴۵۳

ذَالِكَ مَنْ بِيَدِهٖ ذَالِكَ﴾[1]

تَرجَمۂ: ''اس سے اولاد اور اقارب کی منفعت کی خاطر کوشش کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے[2]۔''

بچوں کو فرشتوں کے اعلانات یاد کروائیے

کچی عمر میں جو تربیت کی جاسکتی ہے، وہ کسی اور عمر میں ممکن نہیں۔ بچپن میں جو باتیں بچے کے دماغ میں ڈال دی جائیں، وہ اس کی آئندہ شخصیت سازی میں معاون بنتی ہیں۔ یہاں فرشتوں کے چند اعلانات لکھے جاتے ہیں، جو بعض اسکولوں اور مدارس میں بچوں کو سکھائے گئے، جن سے بچوں کو بہت فائدہ ہوا۔

لہٰذا ہر والد کو چاہیے کہ وہ یہ اعلانات بچوں کو یاد کروائے۔

1 جو شخص فرض نماز جماعت سے پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں کہ ''اے اللہ! اس کو معاف فرما اور اس پر رحم فرما۔'' اکثر دیکھا گیا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد فوراً بچے اٹھ کر باہر صحن میں بھاگ جاتے ہیں اور اپنے ہم عمروں سے بات چیت کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پھر سنن ونوافل بھی بعض اوقات خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔

لہٰذا جب اپنے بچے کو مسجد میں لے کر جائیں تو بار بار یہ بات اس کے ذہن میں ڈالیں کہ دیکھو بیٹا! سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر تک اسی جگہ بیٹھے رہو اور کچھ اذکار وغیرہ بتادیں کہ یہ کرلو، پھر اطمینان سے اٹھ کر جگہ بدل کر سنن ونوافل پڑھو، پھر کسی دوسری چیز میں مشغول ہو اور دھیان کرو کہ جب تک میں صف میں بیٹھا رہوں گا، فرشتے میرے لئے دعائے مغفرت ورحمت کرتے رہیں گے۔

---

[1] الاکلیل فی استنباط التنزیل: ص ۳۱

[2] ماخذہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابا ابو الفضل الٰہی: ص ۸۰

۲ جب بیٹے کو کسی کام سے باہر بھیجنا ہو یا وہ اسکول یا مدرسہ جانے کے لئے گھر سے نکل رہا ہو تو منجملہ اور نصیحتوں کے جو والدین کرتے ہی ہیں، یہ بھی بتائیں کہ بیٹا! دروازے سے باہر جاؤ تو یہ دعا پڑھو:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ [1]

اور ایک روایت جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، اس میں دعا کے درج ذیل الفاظ ہیں، نیز اس روایت میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر یہ دعا پڑھنے کا بھی ذکر ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ﴾ [2]

پھر اس بات کا یقین رکھو کہ جیسے ہی تم نے یہ دعا پڑھی تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ "اس کو ہدایت دی گئی، اس کی کفایت کی گئی، اس کی حفاظت کی گئی، اور شیطان کو اس سے دور کر دیا گیا۔"

۳ اکثر ایسا کریں کہ بچے کے ہاتھ سے کوئی چیز صدقہ کروائیں۔ اس سے بچوں میں دوسروں کو دینے کا جذبہ پیدا ہوگا اور اس کے ساتھ یہ اعلان یاد کروائیں کہ جب کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے صدقہ دیتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے: "اے اللہ! اس عطا کرنے والے کو اس کا بہترین بدل عطا فرما۔" اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بچے کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوگی کہ دینے سے مال یا چیز کم نہیں ہوتی، بلکہ اس سے بہتر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ [3]

[1] ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما یقول إذا خرج من بیته: ج۲ ص۱۸۰
[2] ابوداؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول الرجل إذا خرج من بیته: ج۲ ص۳۳۹
[3] بخاری، باب الاستعفاف عن المسئلة: ج۱ ص۱۹۹

لہٰذا ہمیں ہمیشہ دینے والا بننا چاہیئے۔

۴ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! اٹھو اور جہنم کی اس آگ کو، جسے تم نے (گناہوں کی بدولت) اپنے اوپر جلانا شروع کردیا ہے، بجھاؤ۔ چنانچہ (دیندار لوگ) اٹھتے ہیں، وضو کرتے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے گناہوں کی (فجر سے ظہر تک) مغفرت کردی جاتی ہے۔ اسی طرح پھر عصر کے وقت، پھر مغرب کے وقت، پھر عشاء کے وقت (غرض ہر نماز کے وقت یہی صورت ہوتی ہے)۔" [۱]

یہ اعلان بچوں کو یاد کروائیں اور جب بھی اذان ہو تو فوراً بچوں کو یاد دلائیں اور پوچھیں کہ اس وقت فرشتہ کیا اعلان کررہا ہوگا؟ پھر بچے کے جواب دینے پر کہیئے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ تو بچہ ان شاء اللہ کہے گا کہ ابو جان اب ہمیں نماز پڑھنے کی تیاری کرنی چاہیئے اور اپنے تمام کاموں کو موخر کرنا چاہیئے۔

۵ اپنے بچوں کو اکثر اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ اپنے بھائیوں، بہنوں، ماں باپ، رشتہ داروں، پڑوسیوں، دوستوں، سہیلیوں کے لئے دعائیں کریں۔ جس اچھی چیز کی طلب خود کو ہو، وہ دوسروں کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی مانگیں۔ اسی کے ذیل میں فرشتہ کا یہ اعلان یاد کروائیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے کوئی دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کی ہر دعا پر "لکَ بِمثلٍ" [۲] کہتا ہے۔ یعنی "اے اللہ! اس کو بھی یہی عطا فرما" اور اللہ تعالیٰ وہ چیز اس شخص کو بھی ضرور عطا فرماتے ہیں، چاہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو عطا نہ کریں، جس کے لئے دعا مانگی گئی ہے۔

۶ جب صبح ہوتی ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ "اے ابن آدم! آج کا دن

---

[۱] طبرانی: ج ۱۰ ص ۱۷۴

[۲] ابوداؤد، باب الدعاء بظھر الغیب: ج ۱ ص ۲۱۳

تیری زندگی میں پھر دوبارہ نہیں آئے گا۔ جتنی نیکیاں کرسکتا ہے، کر لے۔"

اس اعلان کے ذریعے وقت کی اہمیت، وقت کی قدر و قیمت بچے کے ذہن میں ڈالیئے اور وقت کی حفاظت کے طریقے اس کو بتایئے۔

۷ کسی کا انتقال ہوتا ہے تو دنیا والے کہتے ہیں، کیا مال چھوڑ کر گیا ہے؟ اور فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اعمال لے کر آیا ہے؟

اس اعلان کے ذریعے اعمال کی حفاظت اور اعمال کی قدر و منزلت بچے کے دل و دماغ میں بٹھانے کی کوشش کیجیے۔

۸ جس وقت سورج نکلتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ "آج جو بھی گھر بنے گا، وہ ضرور گرے گا، اور جو بھی بچہ پیدا ہوگا، وہ ضرور مرے گا۔"

اس سے دنیا کا فانی ہونا، مٹی اور گارے سے بنے ہوئے گھروں کا ٹوٹنا، اور قیامت کا قائم ہونا، اور آخرت کا باقی رہنا، اولاد کے دل و دماغ میں بٹھانے کی کوشش کیجیے۔

۹ ہر صبح ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ "اے اللہ! نیکی کے کاموں پر خرچ کرنے والے کو اس کا بدل نصیب فرما، اور روک کر رکھنے والے کو برباد فرما۔"

اس سے بچوں میں خرچ کرنے کا جذبہ بڑھایئے، اگر دو کھلونے ہیں تو ایک کھلونا چچا زاد، پھوپھی زاد کو دلوایئے۔ اگر جوتے کے دو نئے جوڑے ہیں تو ایک ماسی / چوکیدار / ڈرائیور کے بچوں کو دلوایئے، اسی طرح اپنی ضرورت سے زائد چیزوں کو روک کر رکھنے سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کیجیے اور اپنی اولاد کو سخی بنانے کی کوشش بھی کیجیے۔

یہ اعلانات بچوں کو یاد بھی کروائیں اور ان سے گاہے بہ گاہے پوچھتے بھی رہیں اور کس اعلان سے کیا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے؟ وہ بتائیں۔ کس اعلان کی وجہ سے ہماری زندگی میں کیا تبدیلی ہونی چاہیے، یہ بھی سکھائیں۔ ان شاء اللہ اس طرح کرنے سے

بچوں کی ذہنی تربیت ہوگی اور یہ باتیں ان کے ذہن میں پختہ ہوتی چلی جائیں گی اور اپنی عمر کے آخری حصے تک وہ ان ہی باتوں کو بنیاد بنا کر زندگی گذاریں گے۔

سورۂ یٰسین حفظ کروایئے

گزشتہ مضامین میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ بچوں کو قرآن حکیم حفظ کرانے میں دنیوی اور اخروی فوائد ہیں۔ یہاں ان حضرات کے لئے چند گذارشات ہیں جو کسی وجہ سے اپنے بچے کو حفظ نہ کرا سکے اور اب شدید خواہش کے باوجود کسی بھی وجہ سے حفظ کرانے میں کسی قسم کی پریشانی یا دشواری محسوس کرتے ہیں۔

قرآن حکیم سارا ہی اللہ کا کلام ہے، تاہم بعض سورتیں فضائل کی وجہ سے ایک دوسرے پر فوقیت رکھتی ہیں۔ احادیث میں ان کی ترغیب اور فضائل وارد ہیں۔ مثلاً "سورۂ یٰسین، سورۂ ملک، سورۂ سجدہ اور سورۂ واقعہ" وغیرہ۔

لہٰذا مناسب ہوگا ایسی سورتیں کچھ تو بچوں کو یاد کرادی جائیں۔ ان سورتوں کے یاد کرنے میں کوئی خاص وقت استعمال ہوگا اور نہ ہی دوسرے کاموں کا حرج ہوگا اور آپ کے لئے بھی آخرت کا ذخیرہ بن جائے گا۔

تاہم ایک بات قابل لحاظ ہے اور وہ یہ ہے کہ بچوں کو یہ سورتیں حفظ کرانے سے پہلے ان میں شوق پیدا کرنا ضروری ہے، جس کے باعث وہ دلجمعی سے مسلسل یاد کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ وقتاً فوقتاً اس شوق کو ابھارتے بھی رہیئے۔ اس کے لئے بچوں کو قرآن پڑھنے اور ان سورتوں کے جو فوائد احادیث میں وارد ہوئے ہیں، سنائے جاسکتے ہیں۔ یہاں مختصراً سورۂ یٰسین کے فضائل کا ذکر کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔[1]

---

[1] مزید تفصیل کے لئے معارف الحدیث (مولانا منظور نعمانی) الترغیب والترہیب (جس کا ترجمہ "البشیر والنذیر" مولانا محمد عثمان مدنی دامت برکاتہم نے کیا ہے) کتابیں بھی دیکھی جاسکتی ہیں

فضائل یٰسین شریف

❶ جو شخص سورۂ یٰسین پڑھتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے دس قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتے ہیں۔[1]

❷ ایک روایت میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے سورۂ یٰسین کو آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے پڑھا۔ فرشتوں نے جب سنا تو عرض کیا کہ خوشحالی ہے اس امت کے لئے، جن پر یہ قرآن اتارا جائے گا اور خوشحالی ہے ان دلوں کے لئے، جو اس کو اٹھائیں گے۔[2]

❸ ایک حدیث میں آتا ہے جو شخص سورۂ یٰسین دن کے شروع میں پڑھے، اس کی دن کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ پوری فرما دیتے ہیں۔[3]

❹ جو شخص سورۂ یٰسین صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتا ہے، اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[4]

❺ سورۂ یٰسین اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہے اور دنیا و آخرت کی مصیبت کو دور کرتی ہے اور آخرت کے ہول کو دور کرتی ہے۔[5]

ان تمام فضائل کے علاوہ ایک اور زبردست فضیلت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرا دل چاہتا ہے کہ سورۂ یٰسین میرے ہر ہر امتی کے دل میں ہو۔''[6]

یعنی زبانی یاد ہو۔ آپ سوچیں کہ اگر آپ کا کوئی محبوب یہ کہہ دے کہ فلاں عمل

[1] مشکوۃ، باب فضائل القرآن: ج ۱ ص ۱۸۷
[2] مشکوۃ، باب فضائل القرآن: ج ۱ ص ۱۸۷
[3] مشکوۃ، باب فضائل القرآن: ج ۱ ص ۱۸۹
[4] مشکوۃ، باب فضائل القرآن: ج ۱ ص ۱۸۹
[5] روح المعانی: ج ۲۲ ص ۲۰۹
[6] فضائل اعمال: ص ۲۶۳

میرے دل کی چاہت ہے تو کیا وہ عمل کرنا، چاہے کتنا ہی مشکل ہو، سہل ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یہاں پر ہمارے آپ کے سب سے زیادہ محبوب، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی یہ چاہت ہے کہ سورۂ یٰسین سب کو حفظ ہو جائے تو کیا ان کی چاہت کا احترام کرتے ہوئے، ان کو قیامت میں خوشی پہنچانے کی نیت سے اگر سورۂ یٰسین یاد کرلی اور بچوں بچیوں اور پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں وغیرہ کو یاد کروادی تو کتنی اچھی بات ہوگی اور روزانہ صبح ہر بچے کی عادت بنائیں کہ فجر کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین پڑھ لیں۔ مغرب کے بعد سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں۔ عشاء کی نماز کے بعد سورۂ ملک اور کبھی سورہ سجدہ پڑھ لیں اور جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لیں۔

کوشش کریں آپ کے تمام بچے بچیاں سورۂ یٰسین، سورۂ ملک، سورۂ الم سجدہ، سورۃ الکہف، سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ یاد کرلیں۔

بچوں کو مسنون دعائیں یاد کروائیں

وہ مبارک دعائیہ کلمات، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں، ان کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کرنا اور انہیں اپنے موقع محل پر پڑھنا، ایک طرف تو روحانی تسکین، ذہنی سکون، اطمینان قلب کا باعث بنتا ہے تو دوسری طرف ان کے اثرات ہماری دنیوی زندگی اور اخروی زندگی پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ان دعاؤں کو سمجھ کر مطالب و معانی کے استحضار کے ساتھ پڑھنے سے اخلاق اور معاملات پر نہایت اچھے اثرات پڑتے ہیں۔ اسی طرح ان دعاؤں کو اپنی زندگی میں معمول بنانے سے انسان اسلامی مزاج میں ڈھلتا ہے۔ روز بروز اللہ سے قربت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ ہرگز اس کو معمولی نہ سمجھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت کی جو دعا بتلائی ہے، وہ دعا بچوں کی زبان پر آجائے تو یہ ہماری نسلوں کی

سعادت ہے۔ کہاں ہم اور کہاں یہ دعائیں؟ کرم ہے اس مالک کا کہ ہماری زبانوں پر یہ دعائیں جاری کروادیں۔

عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ حضرت سعد اپنے لڑکوں کو ان دعائیہ کلمات کی تعلیم دیتے تھے، جس طرح استاد لڑکوں کو لکھنے کی تعلیم دیتا ہے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ﴾ [1]

الحمدللہ! بیت العلم نے ایک سیریز مسنون دعائیں بچوں کے لئے تیار کی ہے، اس میں سے بچوں کو دعائیں یاد کروائیں۔

اس سیریز کے حصوں کے نام یہ ہیں:

1. اسماء الحسنٰی۔
2. السلام علیکم۔
3. ماشاء اللہ۔
4. سبحان اللہ۔

یہاں پر ہم چند مسنون دعائیں لکھتے ہیں۔ انہیں بچوں کو یاد کروایئے اور ان کا مطلب اور تشریح بھی انہیں سمجھایئے۔

صبح جاگنے کی دعا

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾ [2]

ترجمہ: ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، جس نے ہم کو زندہ

[1] بخاری، کتاب الجهاد والسیر باب ما یتعوّذ من الجبن: ج۱ص۳۹۶

[2] بخاری، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا اصبح: ج۲ص۹۳۶

کیا (جگایا) بعد مرنے کے (سونے کے) اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اس دعا کے تحت یہ سمجھائیں کہ دیکھو بیٹا! نیند بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، جب تم رات کو سونے کے بعد صبح اٹھتے ہو تو گزرے ہوئے دن کی ساری تھکن دور ہو جاتی ہے اور تم تازہ دم ہو جاتے ہو تو جس اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیند دی اور پھر ہمیں صحت مند اور تندرست کر کے اٹھایا (جگایا) اب اسی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فجر کی نماز پڑھو۔

لہٰذا سب سے پہلے مسواک اور وضو سے فارغ ہو کر نماز پڑھنے کی فکر کرنی چاہیئے اور مسجد میں جا کر تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر صحیح معنوں میں ادا ہو سکے، ساتھ ہی اس نئے دن کو نیک کام کرتے ہوئے گزارنے کا عزم کرنا چاہیئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اچھے کام کرنے کا مزید موقع مل گیا۔

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا

﴿غُفْرَانَكَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذٰى وَ عَافَانِيْ﴾[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں۔ تمام کی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی۔''

کیسی عجیب اور زبردست دعا ہے۔ اگر بچوں کو اس کے مطالب و معانی سمجھائے جائیں تو عمر بھر ان کے کردار کو سنوارے رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اس دعا میں یہ سکھلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کی تعریف کرو کہ کیسا بہترین نظام بنایا کہ کیا کچھ کھایا، کیسے پیٹ میں گیا، کس طرح ہضم ہوا، کیسے جزو بدن بنا، کیسے

[1] ابن ماجہ، باب مایقول اذا خرج من الخلاء: ص ۲۶

طاقت ملی، اور کیسی حالت میں خارج ہوا۔ اگر کچھ دیر تک یہ فاضل مادہ باہر نہ نکلے تو کتنی تکلیف ہوگی، پھر لفظ "غُفْرَانَكَ" یعنی بخشش چاہنا، اس بات کا سبق دیتا ہے کہ جس طرح یہ گندگی ظاہری ہوتی ہے اور اس سے چھٹکارا کتنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح باطنی گندگی یعنی حسد...... جھوٹ...... غیبت...... بے ادبی وغیرہ سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی نہایت ضروری ہے اور اس میں دیر نہ کرنا چاہیے خدانخواستہ اگر کوئی گناہ ہو ہی جائے تو فوراً توبہ واستغفار کر کے اسے معاف کرالینا چاہیے اور گناہوں کے بارے میں بے چین رہنا چاہیے کہ اللہ نہ کرے کہ کوئی ایسا عمل ہو جائے جس کے باعث ہمیں دنیا اور آخرت میں کوئی تکلیف پہنچے۔ جس طرح بیت الخلا سے فارغ ہو کر اطمینان کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح نیک لوگوں کو گناہوں سے معافی مانگ کر اطمینان کا احساس ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اسی جماعت میں شامل ہوں۔

جب رات کو سونے کے لئے لیٹے تو یہ دعا پڑھے

﴿اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا﴾[1]

ترجمہ: "اے میرے اللہ! آپ کے نام سے مرتا (سوتا) اور جیتا (جاگتا) ہوں۔"

بچے کو یہ سمجھائیں کہ بیٹا! جب سونے کے لئے لیٹو تو یہ دعا پڑھو اور اس کے معانی پر غور کرو۔ پھر یہ سمجھائیں کہ سوچو آج کا دن کیسا گزرا، اس پر نظر ڈالو کہ کیا کیا نیک کام کیے، کتنے اچھے کاموں کو کل پر ٹالا، کتنے غلط کام کیے، کتنوں کو تکلیف پہنچائی، کسی کا دل دکھایا، کس کی بے ادبی کی وغیرہ۔

پہلے تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے اچھے کاموں کی توفیق دی اور پھر

[1] بخاری، کتاب الدعوات، باب ما یقول إذا نام: ج ۲ ص ۹۳۴

جو غلط کام ہوئے ان ان پر معافی مانگو، مثلاً ماں باپ، بھائی بہن، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ کو کس طرح تنگ کیا تو ان سے جا کر معافی مانگو، اب یہ سوچو کہ عشاء کی نماز پڑھ لی کہ نہیں پڑھی کیونکہ جس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ سو رہا ہو، اس کا ہر ایک حکم پورا کرنا ضروری ہے، اگر نہیں پڑھی تو فوراً اٹھ کر وضو کرو پھر نماز پڑھ کر لیٹو۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھے رات کو سونے سے پہلے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ﴾

اور اسی رات میں مر جائے تو وہ دین اسلام پر مرا۔[۱]

ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا بتلایئے جب میں اپنے بستر پر آؤں تو اسے پڑھ لیا کروں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورہ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھا کرو اس لئے کہ یہ سورہ شرک سے براءۃ کا اعلان ہے۔[۲]

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ تینوں سورتیں ایک ایک مرتبہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کیا جائے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ سر، چہرے، سامنے کے جسم اور جسم کے جتنے حصے تک ہاتھ پہنچیں پھیر لیئے جائیں۔ یہ عمل تین مرتبہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[۳]

---

[۱] بخاری، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا نام: ج۲ص۹۳۴

[۲] سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء اذا أوی إلی فراشه: ج۲ص۱۷۷

[۳] ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء اذا أوی إلی فراشه: ج۲ص۱۷۷

ہم نے مختصراً چند دعائیں اور تشریحات لکھی ہیں، آپ اس سلسلے میں ''مستند مجموعہ وظائف'' تالیف اساتذہ مدرسہ بیت العلم، ''مسنون دعائیں'' حصہ دوم اور حصہ سوم مرتبہ بیت العلم ٹرسٹ سے بچوں کو دعائیں یاد کروائیں اور مطلب و معانی سمجھائیں۔

سونے سے پہلے دانتوں کی صفائی

بعض بچے والدہ کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، اس لئے والد کو چاہیئے کہ وہ بچپن ہی سے بچوں کو دانتوں کی صفائی کی اہمیت سمجھائیں۔

دانت نکل آنے کے بعد ان کی صفائی کا بھرپور خیال رکھا جائے۔ کچے دانتوں کی صفائی کا اہتمام بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ پکے دانتوں کی صفائی کا۔ اگر کچے دانتوں میں کوئی بیماری ہو تو اس کا عین امکان ہے کہ پکے دانتوں میں بھی وہی بیماری لگ جائے۔ اس لئے کچے دانتوں کی حفاظت اور صفائی بہت ضروری ہے۔

گھر کے استعمالی منجن کے ذریعے روزانہ منہ دھلاتے وقت بچے کے دانت بھی صاف کیجئے اور جب وہ خود اس قابل بن جائے تو اپنے عمل سے ترغیب دے کر اس کا عادی بنایا جائے۔ کھانا کھانے سے پہلے بھی دانتوں کو صاف کر لینا چاہیئے تاکہ منہ کی رطوبت میں ملوث دانت صاف ہو جائیں۔ اس طرح کھانا کھانے کے بعد بھی دانتوں کی صفائی کا اہتمام ضروری ہے، کیونکہ غذا کے اجزا کا دانتوں کی جڑوں میں رک جانا اور اس کے ریشوں کا ان کی جڑوں میں سڑ جانا نہایت خطرناک ہے۔

اس کے لئے اگر مسنون طریقہ پر عمل کرتے ہوئے بچوں کو مسواک کا عادی بنایا جائے تو یہ ان کی صحت اور دانتوں کی مضبوطی کے لئے بہت بہتر ہوگا۔

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ﴾[1]

[1] مشکوۃ، باب السواک: ج ۱ ص ۴۴

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسواک منہ کی پاکیزگی کا سبب ہے اور پروردگار کی خوشنودگی (رضامندی) کا باعث بھی۔

﴿عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِي قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَءُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ: بِالسِّوَاكِ﴾[1]

اسی طرح سیدنا شریح بن ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''مسواک۔''

یاد رکھیں! کہ ایک تو مسواک سنت ہے اور سنت میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ مسواک میں یہ خاصیت بھی ہے کہ اس میں موجود کیمیکلز اور فلورائیڈ جراثیم کو ختم کر دیتے ہیں اور روزانہ جب تازہ مسواک صاف کر کے کی جائے تو دانت ہر قسم کی بیماری سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دوسرا اچھی صحت کا تقاضا بھی مسواک ہے۔

بعض والدین یہ تصور کرتے ہیں کہ بچپن کے کچھ دانت جنہیں ''دودھ کے دانت'' کہا جاتا ہے، چونکہ آٹھ دس سال کی عمر تک ایک ایک کر کے سب ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کی جگہ پکے دانت نکل آتے ہیں، اس لئے ان کچے دانتوں کی صفائی ضروری نہیں ہے، جب پکے دانت نکل آئیں گے تو بچوں کے دانتوں کی صفائی کا اہتمام کرایا جائے گا۔ اسی فرضی خیال سے دو نقصان ہیں، ایک تو یہ کہ گندگی جمع ہوتے رہنے سے مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مسوڑھے کمزور ہو جاتے ہیں اور پکے دانت بھی ماقبل کی گندگی سے متاثر ہو کر جلدی ہی خراب ہو جاتے ہیں۔

[1] مشکوۃ، ج ا ص ۴۴

دوسرے یہ کہ آٹھ دس سال کا ہو جانے کے بعد بہت مشکل سے بچہ دانتوں کی صفائی کا عادی ہو پاتا ہے۔ دانتوں کی صفائی کی عادت بچپن میں پڑ جائے تو یہ عادت بہت پختہ اور پائیدار ہوتی ہے۔

ناخن کی صفائی

دانتوں کی صفائی کی طرح ناخنوں کی صفائی بھی بہت ضروری ہے۔ اگر ناخن کاٹے نہ جائیں تو ناخنوں کی جڑ میں میل جمع ہوتا رہتا ہے اور یہ میل زہریلے مادے سے کم نہیں ہوتا۔ غذا میں شامل ہو کر معدے میں پہنچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتا ہے۔ زہر کی آمیزش سے حفاظت کے لئے ناخنوں کی صفائی از حد ضروری ہے۔ ناخن جیسے ہی کچھ بڑھیں انہیں کاٹ دیا جائے اور ان کی جڑوں کو میل سے بالکل صاف رکھا جائے۔ بچے کی شیر خوارگی کی عمر ہی سے اس کا اہتمام کیا جائے تاکہ بچہ اس کا عادی بن جائے۔ شیر خوارگی میں بھی بچے کے ناخن نہ بڑھنے دیئے جائیں، کیونکہ بچے ان بڑھے ہوئے ناخن سے اپنے یا دوسروں کے جسم کے کسی بھی حصے کو مخدوش کر سکتے ہیں۔ دانتوں کی طرح ناخن صاف نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے بھی بچے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

لباس کی صفائی

جسم کی صفائی کے ساتھ لباس کی صفائی کے بغیر جسم کی صفائی کا تصور ناممکن ہے۔ اگر انسان نہا دھو کر گندے کپڑے پہن لے تو اس کا نہانا نہ نہانے کے برابر ہے، کیونکہ میلے کپڑوں کے جراثیم اس کے جسم کو اسی وقت متاثر کر دیں گے اور کپڑوں کے میل سے اس کے جسم کے وہ مسامات پھر بند ہو جائیں گے، جو نہانے کے بعد کھلے تھے اور جن کا کھلے رہنا ضروری ہے تاکہ جسم کے اندر کی گندگی ان کے ذریعے باہر آ سکے، اس لئے لباس کی صفائی کا بھرپور اہتمام کرنا چاہیئے، چونکہ بچے

عموماً اپنے کپڑے جلد گندے کر لیتے ہیں، اس لئے ان کے لباس بدلنے اور ان کو دھونے دھلانے کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ بچے جب اسکول جانا شروع کردیں تو بچوں کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ اسکول سے واپسی پر سب سے پہلے اسکول کا لباس (یونیفارم) اتار لیں۔ صاف ستھرا یونیفارم پہنانے کا اہتمام کروائیں، اسکول، مدرسہ جانے سے پہلے روزانہ غسل کروانے کا عادی بنائیں، کہ بچہ اس سے چاق وچوبند چوکنا ہوتا ہے، تازگی اور خوشی کے ساتھ وہ تعلیمی ادارہ میں قدم رکھتا ہے، مرجھائے ہوئے چہرے، سستی اور نیم نیندنی حالت میں مدرسہ جانے سے بہتر ہے کہ تازہ دم ہو کر غسل کر کے جائے، تاکہ دھیان و استحضار کے ساتھ علم حاصل کر سکے۔

تعلیم و تعلّم کے اسلامی آداب

باپ کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی کہ اپنی اولاد کو ضرور دینی مسائل سے روشناس کرائے اور کم از کم اتنا علم ضرور دلائے کہ وہ حلال اور حرام کی تمیز کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، ان کو صحیح طریقے سے ادا کر سکے۔

اسلام کی نظر میں علم کی جو غیر معمولی اہمیت اور اعلیٰ قدر و منزلت ہے، اس کا کچھ اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو جس وصف کی بنا پر ملائکہ وغیرہ کے مقابلہ میں خلافت ارضی کا اہل اور مستحق ٹھہرایا گیا اور نوع انسان کو زمین میں موجود دیگر انواع مخلوقات پر جو برتری اور شانِ حکمرانی دی گئی، وہ وصف، علم کا وصف تھا۔ جس سے خود اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آراستہ فرمایا۔

سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے پڑھنے اور قلم کے ذریعے تعلیم کا ایسے اسلوب سے ذکر اور بیان ہے کہ گویا انسان

کو لوتھڑے سے پیدا کرنے اور پڑھنے اور پڑھانے کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور رب کریم کا یہ منشا ہے کہ انسان پڑھے اور علم حاصل کرے۔

غرض یہ کہ قرآن و حدیث میں بکثرت ایسی نصوص ہیں، جن میں حصول علم کے لئے تعلیم و تعلم کی ضرورت، اہمیت اور فضیلت کا بیان اور مسلمانوں کے لئے یہ ہدایت اور تاکید ہے کہ وہ تعلیم و تعلم کے ذریعے دینی و دنیوی ہر قسم کے علوم حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور ان میں کوئی غفلت و کوتاہی نہ برتیں کیونکہ ایسا کرنا ان کی دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود کے لئے نہایت ضروری ہے۔

لہٰذا اپنے بچوں کو بھی دینی تعلیم ضرور دلوایئے، تعلیم کی پوری نگرانی رکھیئے۔ اسی طرح دوسرے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے بھی فکر مند رہیئے، جو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو صلاحیت عطا فرمائی ہے، نئی نسل کی کامیابی کے لئے اس کو خرچ کیجیے، اپنے غریب دوستوں، رشتہ داروں کے وہ بچے جو پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے ان کی مدد کیجیے، اسی طرح بچوں کو تعلیم کے آداب سکھاتے رہیئے تاکہ وہ علم میں ترقی کرتے رہیں کہ باادب بانصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے لڑکوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دیں، صرف یہ نہیں کہ معمولی تعلیم کے بعد اپنے ساتھ دکان پر بٹھا دیا یا ملازمت پر لگا دیا، نہیں بلکہ کوشش کریں کہ تعلیم کے میدان میں جہاں تک پہنچ سکے پہنچنے دیں۔

اسی طرح اگر بچے کی مسلسل کوتاہی سامنے آرہی ہو تو ہرگز مایوس ہو کر، اس کو اسکول، مدرسہ سے نکال نہ دیں کہ اس کا دماغ پڑھائی کی طرف چلتا نہیں بلکہ ماہرین تعلیم مدرسہ اور اسکول کے پرنسپل سے مشورہ کر کے پوری کوشش کریں۔

بالغ لڑکوں کو اس طرح سمجھائیں کہ بیٹا! جب لڑکے کا رشتہ کہیں جاتا ہے تو لڑکی کا والد ضرور معلوم کرتا ہے کہ کتنا پڑھا ہوا ہے؟

اسی طرح آپ کہیں بھی ملازمت کے لئے جاؤ گے یا تاجر ہونے کی صورت

میں بھی بیرون ممالک ویزہ وغیرہ کے لئے مارک شیٹ، سرٹیفکیٹ دکھانی ہوگی، لہٰذا کوشش کرو کہ مارک شیٹ میں کم نمبروں کا یا فیل ہونے کا دھبہ نہ رہ جائے۔

بیٹا! تم تعلیم میں اعلیٰ معیار حاصل کرنے کی کوشش کرو گے تو مزاج اعلیٰ معیار کا ہو جائے گا، پھر ہر کام اعلیٰ معیار والا ہوگا، اس وقت مسلمانوں کو ماہرینِ تعلیم کی ضرورت ہے، دینی تعلیم ہو یا دنیوی لیکن اپنی تعلیم میں ماہر ہو، کچے علم والے کم استعداد والے لوگ تو بہت ہیں، تمہیں اپنی استعداد اونچی بنانی ہے۔

دیکھو بیٹا! اصول ہے "مَنْ جَدَّ وَجَدَ" جو محنت کرتا ہے ضرور پاتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتے، آج تم تعلیم پر محنت کرو گے، اور نیت یہ رکھو گے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور میرے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے ضرور کام لیں گے۔

کوشش کرو عربی آپ کو بولنی آجائے، لکھنی آجائے، اسی طرح انگریزی پر محنت کرو کہ دنیا میں تمہارا کہیں بھی جانا ہو تو انگریزی یا فرنچ یا رشین زبان میں ان کو اسلام کی دعوت دے سکو۔

لہٰذا کوشش اور دعاؤں سے اپنے اور تمام مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم کے اعلیٰ معیار تک پہنچانے کی کوشش فرمائیں، مسلمان بچوں کے لئے تعلیم وتربیت کے میدان میں آپ جو کچھ کر سکتے ہیں، ضرور کیجیے، یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ میں شمار ہوگا۔ آپ بچوں کے لئے اچھا اسکول، اچھا مدرسہ بنا سکتے ہیں تو ضرور بنایئے۔ یہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔ جب تک اس اسکول، مدرسہ میں تعلیم وتربیت جاری رہے گی، آپ کو ثواب ملتا رہے گا۔

آپ اچھے استاد کا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمان بچوں میں علم کا شوق اور مطالعہ کا ذوق پیدا کر سکتے ہیں تو اس کے لئے کوشش کیجیے۔ آپ کی محنت سے کچھ علماء ماہرین وراسخین فی العلم پیدا ہوئے تو یہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

اسی طرح والد کو چاہیئے کہ تعلیم کے آداب بچوں کو یاد کرائے اور وقتاً فوقتاً ان سے پوچھے۔ مدرسہ اور اسکول جاتے وقت ان آداب کی یاددہانی کرائے۔

۱ شاگرد کے دل میں اپنے معلم اور استاد کا بے حد احترام ہونا چاہیئے۔ ہمیشہ خلوص و محبت سے پیش آئے اور تعظیم و تکریم میں کبھی کوئی کوتاہی نہ کرے۔

۲ پڑھتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھے اور اپنی پوری توجہ استاد کی طرف مبذول رکھے اور خوب غور کے ساتھ استاد کے ارشادات سنے اور سمجھے اور پھر برابر یاد رکھے۔

۳ استاد کے سامنے ادب کے ساتھ بیٹھے اٹھے اور نظر جھکا کر نرم و دھیمے لہجے میں بات کرے۔ کوئی بات پوچھنی ہو تو شائستگی کے ساتھ پوچھے اور اس کا پورا خیال رکھے کہ اس کی کوئی بات اور حرکت استاد کی ناراضگی کا باعث نہ بنے۔

۴ پوچھنے میں ہرگز نہ شرمائے، نہ جھجکے۔

۵ کبھی کوئی ایسا سوال اور اعتراض نہ کرے، جو استاد کے لئے پریشانی کا سبب بن سکتا ہو۔

۶ استاد کو اگر کسی جائز مالی خدمت کی ضرورت ہو تو اخلاص کے ساتھ والد/سرپرست کے مشورہ سے بجالائے اور اس کو استاد پر احسان کے بجائے خود پر احسان سمجھے کہ اس نے خدمت کا موقع فراہم کیا ہے، جو میرے لئے باعث سعادت ہے۔ طالب علم کا اپنے استاد سے جتنا اچھا قلبی تعلق ہوتا ہے، اتنا ہی اس کو تعلیم سے فائدہ و نفع پہنچتا ہے اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

۷ استاد کے ساتھ بے تکلفی ہرگز نہ ہو۔

۸ قرآن و حدیث اور فقہ کی دینی تعلیم حاصل کرنے کے دوران اسے ہمیشہ باوضو رہنا چاہیئے۔

۹ جھوٹ، غیبت اور بدگوئی سے بچنا چاہیئے، کیونکہ ان سے حافظہ خراب ہوتا ہے اور علم ضائع ہو جاتا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کا مقصد صرف اللہ کی

رضا جوئی اور خوشنودی کا حصول ہونا چاہیے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سارے عالم کے انسانوں کو دین پر لانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں خرچ کرنے کی نیت ہو۔

والد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ایسے تجربہ کار استاد کا انتخاب کرے، جو پیغمبرانہ اسلوب تعلیم کو جانتا ہو اور اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہو، تاکہ تعلیم کے اثرات اور برکات صحیح طور پر سامنے آئیں۔ جو پڑھا رہا ہے، اس میں اس کو کامل دسترس حاصل ہو۔ وہ تعلیم و تدریس کے مختلف اسلوبوں اور طریقوں سے واقف اور باخبر ہو۔

وہ اپنے دل میں اپنے شاگردوں کی سچی بھلائی و خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو، اس کا اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسا سلوک و برتاؤ ہو، جیسا ایک شفیق باپ کا اپنے بچوں سے ہوتا ہے۔ وہ بہت زیادہ حلیم الطبع اور متحمل مزاج ہو۔ طلباء کے ساتھ اس کا رویہ خصوصاً بچوں کے ساتھ نرمی اور پیار و محبت کا ہو، سختی اور دشمنی کا نہ ہو۔ معمولی اور چھوٹی غلطیوں، کوتاہیوں اور شرارتوں پر طلباء خصوصاً چھوٹے طلباء کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتا اور مارتا پیٹتا نہ ہو، بلکہ ان کو نرمی اور وقار کے ساتھ اچھے الفاظ سے سمجھاتا ہو، غلطی اور کوتاہی پر طالب علم کو سختی کے ساتھ جھڑکنے، برا بھلا کہنے اور مارنے سے گو وقتی اور فوری پر کچھ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن ردعمل کے طور پر اس کے دل و دماغ پر جو منفی اثرات پڑتے ہیں، وہ اس کی شخصیت اور آئندہ کی زندگی کو بری طرح متاثر کرتے اور بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ناتجربہ کار استاد محترم کے ایسے رویئے اور طرز عمل سے بعض مرتبہ بعض افراد علم سے ہی محروم ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی اس محرومی کا سبب استاد کے سخت رویئے کو گردانتے اور لوگوں کے سامنے دکھ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا خصوصاً دینی تعلیم کے ایک معلم کو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اس کے سخت رویئے سے یہ برائی پیدا نہ ہو۔ والد کو چاہیئے کہ اپنے حلقہ احباب و جاننے والے اساتذہ و معلمات کو کتاب ''مثالی استاذ'' (مکتبہ بیت العلم کراچی) کا تعارف

کروائے اور ان کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دے۔ اس کتاب میں قرآن کریم و احادیث نبویہ اور بزرگوں کے واقعات و ارشادات سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ استاد کی صفات کیا ہونی چاہیئے۔

سورۃ الضحیٰ کے آخر سے پہلے کی دو آیات میں بعض مفسرین کی تفسیر کے مطابق ان کے اندر بیان شدہ قہر کی ممانعت کا تعلق معلم کے سخت رویئے سے بھی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عربی کے ایک شعر کی رو سے وہ طالب علم بھی یتیم ہے، جو علم و ادب سے محروم ہو۔ لہٰذا آیت "فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ" میں یتیم پر سختی اور جبر کرنے کی جو ممانعت ہے، وہ جس طرح اس یتیم سے متعلق ہے جس کا باپ مرگیا ہو، اس طرح علم سے محروم طالب علم کے متعلق بھی ہے، اسی طرح دوسری آیت "وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" میں مانگنے والے کو جھڑکنے کی جو ممانعت ہے، اس کا تعلق طالب علم سے بھی ہے جو علم مانگتا ہے۔ تو گویا ان آیات میں معلم کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنے شاگرد پر بے جا سختی اور جبر نہ کرے اور نہ اس کو جھڑکے، نہ برا بھلا کہے۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تعلیم دو اور اس میں سختی نہ برتو، یاد رکھو کہ نرمی کے ساتھ تعلیم دینے والا بہتر ہے سختی کرنے والے سے۔[2]

اسی طرح متعلم اور معلم دونوں کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

﴿تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَعَلَّمْتُمْ مِنْهُ الْعِلْمَ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ عَلَّمْتُمُوْهُ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ جَبَابِرَةِ الْعُلَمَاءِ﴾[3]

---

[1] ماخذ و روح المعانی: ج ۳۰ ص ۲۹۳ تا ۲۹۵

[2] کنز العمال: ج ۱۰ ص ۱۰۹ [3] کنز العمال: ج ۱۰ ص ۱۱۱، رقم: ۲۹۳۳۲

"تواضع یعنی انکساری کا اظہار کرو اس کے لئے جس نے تمہیں تعلیم دی اور اس کے لئے جس کو تم تعلیم دے رہے ہو اور نہ ہو جاؤ تم جبر کرنے والے سخت گیر علماء میں سے۔" مطلب یہ کہ بہر حال ضروری ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا ہو۔[1]

بچوں کے اساتذہ کی خدمت کیجیے

بچے جب قرآن پڑھنے میں ماہر ہو جاتے اور اس کا معتد بہ حصہ صحیح تلفظ و مخرج کے ساتھ پڑھ لیتے تو اس وقت اسلاف کے زمانے میں حذاقت و مہارت پر خوشی منائی جاتی تھی۔ اہل ثروت اس موقع پر بچوں کی ہمت افزائی کرتے تھے اور ان کے معلموں اور موذنوں کو انعام واکرام سے نوازتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حماد جب سورۂ فاتحہ پڑھنے لگے تو امام صاحب نے ان کے معلم کو پانچ سو درہم بطور انعام دیا۔

حضرت حسن بصری کے بھتیجے یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ جب میں قرآن پڑھنے میں حاذق و ماہر ہو گیا تو چچا سے کہا کہ معلم کچھ چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کے معلم ایسا نہیں کرتے تھے، پھر کہا کہ اس کو پانچ درہم دے دو، اور میرے اصرار پر کہا کہ اچھا دس درہم دے دو۔

خلفاء و امراء اور اعیان اس موقع پر بڑا اہتمام کرتے تھے، خلیفہ مہدی کے بچے ابراہیم نے پانچ سال کی عمر میں "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ" پڑھنا شروع کیا تو اس کی طرف سے خلیفہ مہدی نے ایک لاکھ درہم صدقہ کیا اور پانچ سو غلام آزاد کیے۔ موسیٰ الہادی نے اپنے بھائی کی حذاقت کے وقت، جب کہ اس کی عمر سات سال کی تھی، اس کو ایک لاکھ درہم انعام دیے۔

---

[1] ماخذہ خیر القرون کی درسگاہیں: ص ۱۳۹

عبیدہ بن حمید حذاء نحوی خلیفہ ہارون رشید کے صاحبزادے محمد کے معلم و مؤدّب تھے۔ محمد نے "سورۃ الحدید" پڑھی تو ہارون رشید نے عبیدہ بن حمید کو ستر ہزار درہم انعام دینے کا حکم دیا، اس کے چند دن بعد عبیدہ بن حمید انتقال کر گئے۔

خلیفہ معتز نے اپنے لڑکے کی حذاقت میں عظیم الشان شاہی جشن منایا اور بے پناہ دولت خرچ کی۔ اس کی تفصیل "الذخائر والتحف" میں موجود ہے۔[1]

لہٰذا والد کو چاہئے کہ اپنی حیثیت واستعداد کے موافق اپنے بچے کے اساتذہ کرام، معلّمات وپرنسپل، مہتمم، کی خدمت کرتا رہے۔

بچوں کی تعلیم کب سے شروع کی جائے

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی باپ نے اپنی اولاد کو جو کچھ دیا ہے، اس میں کوئی تحفہ یا عطیہ، اس کی اچھی سیرت اور حسن ادب سے بہتر نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کے تمام برگزیدہ انبیاء کی اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم وہدایت ہے کہ صاحب اولاد پر اولاد کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے بچوں کے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دینی تعلیم وتربیت کی فکر کریں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی اور غفلت نہ کریں۔ اسی لئے ارشاد ہے:

﴿حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى وَالِدِهٖ أَنْ يُّعَلِّمَهُ الْكِتَابَةَ وَالسِّبَاحَةَ وَالرِّمَايَةَ وَأَنْ لَّا يَرْزُقَهٗ إِلَّا طَيِّبًا﴾[3]

تَرْجَمَۃ: "بچے کا باپ پر حق ہے کہ وہ اسے خط، تیراکی اور تیر اندازی سکھائے اور اسے حلال ہی کھلائے۔"

---

[1] مأخذہ خیر القرون کی درسگاہیں: ص ۳۲۹

[2] ترمذی: ج ۲ ص ۱۶

[3] کنز العمال: ج ۱۶ ص ۱۸۲، رقم: ۴۵۳۴۰

اب رہا یہ مسئلہ کہ بچوں کی باقاعدہ تعلیم کب سے شروع کرائی جائے؟ تو اس مسئلہ میں اگرچہ ماحول، علاقہ اور خاندان اور صحت کے اعتبار سے بچے مختلف عمر میں جا کر تعلیم شروع کرنے کے قابل ہوتے ہیں، لیکن کوشش کی جائے کہ سات سال سے پہلے کھیلتے کھیلتے ہی تعلیم شروع کرا دی جائے کہ اس عمر سے پہلے زبردستی تعلیم کا بوجھ ڈالنے سے بچے کی صحت اور جسمانی نشو ونما پر برا اثر پڑتا ہے۔

بچوں کو کم از کم ابتدا میں اتنی دینی تعلیم ضرور دیں کہ جب بچہ آٹھ نو سال کا ہو تو اسے مشہور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام اور ان کے مختصر حالات اور بڑے فرشتوں کے نام، آسمانی کتابوں کے نام اور جن پیغمبروں پر یہ کتابیں نازل ہوئیں، ان پیغمبروں کے نام، زندگی اور موت، قبر میں جانا، عذاب قبر، آخرت، قیامت، حساب کتاب، جنت و دوزخ کے بارے میں ضروری اور اجمالی معلومات حاصل ہوں۔ اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت بھی کریں، اس کے لئے ''حیاۃ الصحابہ'' تالیف حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ''صحابہ کے واقعات''، ''تابعین کے واقعات''[1] ان تینوں کتابوں سے مطالعہ کر کے اس سے بچوں کو اپنے الفاظ میں واقعات سنایئے اور کبھی ان کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ کتابیں پڑھیے اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیجیے۔

بچے کو حافظ بنانے کا ارادہ ہو تو کوشش کریں کہ پہلے ناظرہ قرآن کریم اچھی طرح پڑھ لے، کم از کم پانچ پارے اچھی طرح تجوید کے ساتھ ناظرہ پڑھ لے پھر حفظ شروع کروائیں، ناظرہ کے ساتھ ساتھ ضرورت ہو تو اسکول پڑھواتے رہیں، ایسے اسکول کا انتخاب کریں جہاں اسلامی ماحول ہو اور جب پہلی یا دوسری جماعت پڑھ لے پھر حفظ شروع کروا دیں، تاکہ لکھنے اور قلم استعمال کرنے کی بنیاد پہلے سے بیٹھ چکی ہو، پھر حفظ کے بعد کسی اسلامی اسکول میں (ضرورت ہو تو) میٹرک کروانے

---

[1] مکتبہ دار الہدیٰ کراچی

کے بعد کوشش و دعا کریں کہ عالم دین بنے، لیکن عالم دین بننے پر راضی نہیں تو زبردستی نہ کیجیے، راضی کرنے کی پوری کوشش کرے، کم از کم ایک سال کے لئے راضی کرلے، کہ ایک سال کر کے دیکھو اور اس دوران دعا کرتا رہے۔ ہاں کوشش کیجیے کہ جس شعبہ میں بھی جائے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے جائے، ان کو راضی رکھنے کی فکر رکھے۔

اسی طرح موقع محل کی مسنون دعائیں بچوں کو یاد کروایئے اور پھر اس حال اور عمل کے وقت، جس کی یہ دعا ہے، ان سے پڑھوائیں۔ یعنی پوچھا کرے: بیٹا! آج باتھ روم میں دعا پڑھ کر گئے تھے؟ ناشتہ کے وقت پوچھ لے کہ آج رات کو سونے سے پہلے کس نے دعائیں پڑھی تھیں؟ تاکہ ان کی عادت بھی بن جائے اور یاد بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اولاد کو دین کا داعی اور سچا مسلمان بنائے آمین۔

اپنے بچوں کے لئے گھر میں تعلیمی نظام بنایئے

اولاد کی دینی تعلیم و تربیت والدین کی ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے۔ اسے کماحقہ ادا کرنے میں دوسرے افراد اور ادارے اچھے معاون تو بن سکتے ہیں، لیکن نہ وہ والدین کا نعم البدل بن سکتے ہیں اور نہ ہی بچے والدین سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک کامیاب مربی میں ہمدردی، بے غرضی، محبت و شفقت اور صبر و تحمل وغیرہ جیسے اوصاف حمیدہ کا پایا جانا ناگزیر ہے اور یہ صفات والدین میں ہی کامل طریقے سے پائی جاتی ہیں۔

آپ کے ذمہ لازم ہے کہ آپ اپنے بچوں کے لئے گھر کے اندر بھی ایک ایسا نظام تعلیم ترتیب دیں، جس سے ان کے اسکول و مدرسہ کی تعلیم میں بھی ترقی ہو اور ان کے دل میں علم سیکھنے کا شوق اور وقت کی حفاظت کرنے کی اہمیت پیدا ہو۔ اسی احساس اور جذبہ کے تحت ہم آپ کی آسانی کے لئے یہاں ایک طریقہ تعلیم لکھتے

ہیں۔ آپ اسے اپنے گھر میں اپنے بچوں کے لئے جاری فرمائیں اور اگر اس سے کوئی بہتر صورت آپ کے ذہن میں ہو تو ہمیں بھی مطلع فرمائیں۔ اس نظام کو ہم پانچ عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔

❶ نظم

یعنی اپنے بچوں کے لئے گھر میں بھی ایسا ہی ایک نظم قائم کیجیے، جیسا کہ کسی اچھے اسکول اور مدرسہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً عمر کی مناسبت سے درجہ بندی، حاضری اور اوقات کی پابندی، متعین نصاب، ماہانہ اور سالانہ امتحانات وغیرہ۔ اس کے لئے ان بچوں کی والدہ کو پیار و محبت کے ساتھ ان پر نگراں مقرر کر دیجیے اور خود بھی ان پر نگاہ رکھیے۔ تعلیم کے لئے دو گھنٹے مخصوص کر لیجیے، پھر اس اوقات درس میں آپ دونوں یعنی آپ اور آپ کی بیوی، معلم و معلمہ کے فرائض ادا کیجیے۔ اگر آپ کو کسی دینی یا ذریعہ معاش کے لئے سفر پر جانا پڑ جائے تو بیوی کو تاکید کیجیے کہ وہ آپ کی عدم موجودگی میں بحیثیت ایک نائب کے آپ کے فرائض بھی انجام دے۔

ایک اہم بات تاکید کے ساتھ

کہ بچہ کوئی کام ادھورا نہ چھوڑ دے۔ کاموں کی تکمیل لازمی ہے اور محنت طلب کام ہے۔ افواج کے لئے جیسے کوئی علاقہ فتح کرنا مشکل ہے، ویسے ہی کسی علاقہ کو خالی کرنا بھی مشکل ہے۔ افواج کو واپس بلانے یا کسی محصور علاقے سے نکالنے کے لئے عرق ریزی سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

اچھے اسکولوں اور مدارس میں کھیلوں میں حصہ لینے والوں کو تربیت دی جاتی ہے کہ کھیل کے اختتام تک ہمت اور کوشش سے کام لیتے رہیں۔ ۱۰۰ میٹر دوڑنے والے کو یہی تربیت دی جاتی ہے کہ ۱۰۰ میٹر نہیں، بلکہ ۱۱۰ میٹر دوڑنا ہے۔

تربیت یافتہ مزدور چھٹی کے وقت کم از کم دس منٹ دن بھر کے کام کو سمیٹنے میں

لگاتے ہیں، اوزاروں کو صاف کرتے ہیں، انہیں ٹھکانے پر رکھتے ہیں، اپنے آپ کو صاف کرتے ہیں، پھر تسلی سے چھٹی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر تربیت یافتہ مزدور، کاریگر چھٹی ہوتے ہی گیلا سیمنٹ، سڑک پر چھوڑ جاتے ہیں۔ اوزار جہاں چاہیں پھینک دیتے ہیں۔ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ہمارا بچہ کرکٹ کھیلتا ہے اور جب دل بھر جاتا ہے تو عدم تربیت کی وجہ سے گیند، بلا وہیں پھینک آتا ہے، جو دھوپ بارش وغیرہ میں خراب ہوتا رہتا ہے۔ دوبارہ جب کھیلنے کو دل کرتا ہے تو کھیل کے سامان کی تلاش شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کھلونے ملتے ہیں تو فوراً ہی ناکارہ کر کے پھینک دیتا ہے۔ اسکول جاتے وقت جوتے ڈھونڈتا ہے۔ اس وقت واجب المنزل (ہوم ورک) کی بھی فکر ہوتی ہے۔ ایسی نقصان دہ عادات بچپن میں ہی بچے میں راسخ ہوتی ہیں۔

والد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو مناسب طریقے سے حکمت سے کام لیتے ہوئے سمجھائے۔ بچے کو بتائے کہ:

"بیٹا! اگر کھیلنے کے بعد کھیل کے سامان کو اس کی مقررہ جگہ پر رکھو گے تو جب دوبارہ تمہیں کھیلنے کی ضرورت پڑے گی تو تلاش نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ فوراً ہی مل جائے گا، ورنہ پھر تلاش کرتے رہو گے۔

اسی طرح اپنے استعمال کی دوسری چیزیں مثلاً جوتے، اسکول کا سامان، وغیرہ سنبھال کر رکھو گے تو اسکول جاتے وقت پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر رات کو ہی ہوم ورک مکمل کر لیا تو اگلے دن جب اسکول جاؤ گے تو استادوں سے ڈانٹ نہیں پڑے گی اور استاد اور دوست سب تم سے خوش ہوں گے۔ اگر ہوم ورک کیئے بغیر جاؤ گے یا بغیر مطالعہ و تکرار کے جاؤ گے تو سب کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ پڑے گی اور خوب شرمندگی ہوگی۔"

اس طریقے سے بچے کو سمجھایا جائے۔ اگر والد خود بھی اپنی تمام ضروری چیزوں کو

ترتیب سے ان کی مقرر جگہوں پر رکھے گا تو یہ بچوں کے لئے ایک عمدہ مثال ہوگی اور ان کے لئے ترغیب کا باعث ہوگی۔ ہر والد کو چاہیے کہ اپنے استعمال کی چیزیں، قلم، ڈائری، چابیاں اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو ان کی طے شدہ جگہ پر رکھے تاکہ ضرورت پڑتے ہی فوراً مل جائیں۔

بچوں کی بری عادات کو معمولی نہ سمجھا جائے اور ان سے صرف نظر نہ کیا جائے۔ اگر بچوں کی بری عادات کو نظر انداز کر دیا گیا اور ان کی صحیح تربیت پر توجہ نہ دی گئی تو مستقبل میں بچے کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے۔

۲ نصاب

ہر بچے کے لئے اس کی عمر اور استعداد کے لحاظ سے الگ ماہانہ تعلیمی نصاب تیار کیجیے، یعنی اعتدال کے ساتھ مختلف کتابوں کے کچھ صفحات یا اسباق متعین کر لیجیے کہ اس ایک ماہ میں ان کو یہ پڑھانے ہیں، پھر آپ دونوں مل کر پوری کوشش کریں کہ مہینہ ختم ہونے تک کسی طرح یہ نصاب مکمل ہو جائے۔ اس کے لئے رفتار تعلیم کا اندازہ کیجیے اور اسی حساب سے نصاب مقرر کیجیے۔ ہر ماہ اسی طرح کیجیے۔

۳ تعلیم کے طریقے

تعلیم کے لئے تین طریقوں کو اختیار کیجیے، (۱) کتابی (۲) زبانی (۳) عملی۔ قرآن کریم اور اردو وغیرہ تو بچوں کو کتاب ہی میں پڑھایئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، مسنون دعائیں اور اخلاقی کہانیاں زبانی سنایئے اور یاد کرایئے اور وضو، نماز وغیرہ کی عملی تربیت دیجیے۔ اسی طرح نماز کے مسائل سیکھنے کے جب وہ لائق ہو جائیں تو بچیوں کو ''بہشتی زیور'' اور بچوں کو ''تعلیم الاسلام'' پڑھایئے، لیکن کتابی تعلیم میں زیادہ پڑھانے کے بجائے تھوڑا تھوڑا پڑھا کر سب ذہن نشین کرایئے۔ اسی طرح زبانی تعلیم میں دعاؤں کے ایک ایک دو دو لفظ یاد کرایئے اور جب وہ پوری یاد ہو

جائیں تو اسے روزانہ اوقات مقررہ میں پڑھنے کی عادت ڈلوایئے اور اس کے لئے ان کو یاد بھی دلائیں اور خود ان کے سامنے عمل کریں، مثلاً رات سوتے وقت جب بچے بستر پر چلے جائیں تو ان کے سامنے بلند آواز سے صرف "اَللّٰھُمَّ" کہہ دیجیے، ان شاء اللہ تعالیٰ بچے خود پوری دعا پڑھ لیں گے اور عملی طور سے سورہ فاتحہ، چار قل پڑھ کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیریئے تو یہ بچوں کے لئے عملی تعلیم ہوگی، اسی طرح سونے سے پہلے خود دانت صاف کیجیے تو وہ بھی اس عمل میں شریک ہوں گے، اسی طرح صبح بیدار کرتے وقت پہلے انہیں سلام کیجیے، پھر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کہیے تو بچے خود پوری دعا پڑھ لیں گے۔ تمام مواقع پر اس طرح کیجیے۔

④ کتابت (لکھوانا)

جب بچے تھوڑا بہت لکھنے لگیں تو پہلے نورانی قاعدہ لکھوائیں۔ جو سبق مدرسہ میں ملے، اس کو گھر پر اپنی کاپی میں لکھیں۔ پھر ذرا سا بڑے ہو جائیں تو روزانہ قرآن کریم کی ایک آیت بمعہ ترجمہ کے معارف القرآن سے خوش خط لکھوایئے۔ اس طرح ایک طرف تو قرآن کریم سے ان کو وابستگی حاصل ہوگی اور دوسری طرف حفظ کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے گا اور عربی، اردو لکھنا بھی آئے گا اور پھر حسب استعداد دو آیتیں، تین آیتیں لکھوایئے اور اس کے لئے بچوں کے کمرہ میں بورڈ ضرور لگوایئے۔

⑤ کارگزاری

بچوں پر لازم کریں کہ جو لکھ سکتے ہیں، وہ روزانہ اپنی تعلیمی کارگزاری لکھیں اور جو لکھ نہیں سکتے، وہ زبانی سنائیں اور خود آپ اور آپ کی اہلیہ بھی اس کی پابندی کریں اور اس سے تعلیم میں جو کمی محسوس ہو، اس کی تلافی کریں۔ آج کل تقریباً سال میں سات ماہ اسکولوں میں پڑھائی ہوتی ہے، اگر والدین بچوں کے بقیہ پانچ ماہ کی حفاظت کرلیں، تو بچوں کے علم میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ نئی نسل میں وقت کی

حفاظت کرنے والے لوگ پیدا ہوں گے، مثلاً بعض اسکولوں میں ہر ہفتہ دو دن چھٹی ہوتی ہے ان دو دنوں کو کارآمد بنایا جائے، ہر سال کی تین ماہ کی چھٹیوں کو کارآمد بنایا جائے، مثلاً اس سال طے کیا جائے کہ ہر بچہ سورہ یٰسین تجوید کے ساتھ یاد کرلے، پھر آئندہ سال چھٹیوں میں سورہ کہف، سورہ رحمٰن، سورہ ملک بمعہ ترجمہ کے یاد کرانا پروگرام میں شامل کریں۔

بچوں کے کمرے میں تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) بھی لگائیں۔ ہر بچے کی ایک ایک میز رکھیں، اس میں ترتیب سے وہ اپنی کتابیں، پنسل، قلم وغیرہ محفوظ رکھے۔ بارہ یا پندرہ سال کی اولاد ہو تو انہیں اکابر علماء کی سیرت کی کتابیں لے کر دیں، اس کا خلاصہ ان سے لکھوائیں، تین ماہ بعد مقابلہ کروائیں کہ اس کتاب کا خلاصہ کون بیان کرے گا؟ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر کون دس صفحات لکھ کر لائے گا؟ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بارے میں کون آدھا گھنٹہ تقریر کرے گا؟ علامہ اقبال کے چالیس اشعار کون سنائے گا؟

سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کون دو صفحے لکھ کر لائے گا؟ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کے دو واقعہ کون سنائے گا؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی زندگی پر کون ۱۵ منٹ بولے گا؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف، ان کی دینی خدمات کے بارے میں کون بتائے گا؟ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار میں سے دس شعر کون سنائے گا؟ وغیرہ ان تمام موضوعات پر بچوں میں مقابلہ کروائیں۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان میں علمی ذوق پیدا ہوگا، مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا، اسلاف کی سیرت و تاریخ کا پتہ چلے گا، محنت کرنے والوں کے واقعات سامنے آئیں گے تو خود بھی محنت کا شوق پیدا ہوگا، فضول وقت کو ضائع کرنے سے بچے گا۔

❻ امتحان وانعامات

مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ بچوں کا زبانی اور تحریری امتحان لیں اور کامیابی کی صورت میں ترغیبی حوصلہ افزائی والے انعامات بھی دیں۔

بچے کی قابلیت میں اضافہ ممکن ہے

والدین کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ سب سے زیادہ قابل اور ذہین ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کی ابتدائی عمر ہی سے ان کی بہترین تربیت شروع کر دی جائے۔ بچوں کی ذہنی نشو ونما کے لئے وہ جو کچھ کر سکتے ہیں، کریں۔ اس وقت سے انہیں کہانیاں اور قصے سنانا شروع کر دیں، جب وہ بہت چھوٹے ہوں۔ انہیں تعلیمی سرگرمیوں میں مددگار رنگ برنگے ڈھیروں کھلونے اپنی استطاعت کے مطابق خرید کر دے دیئے جائیں اور جب ذرا بڑے ہوں تو انہیں قریبی کتب خانے لے جائیں اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اب وہ اسکول میں بالکل ٹھیک ٹھاک پڑھائی کریں گے اور انہیں اپنی تعلیم کے مشکل مراحل طے کرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس محنت اور کوشش کا اجر وثواب دنیا وآخرت دونوں میں آپ کو ملے گا۔

پھر بچہ خود نئے تجربات کر کے اپنی ذہانت کو بڑھاتا ہے اور اردگرد کی دنیا کے بارے میں جاننے کا شوق رکھتا ہے۔ ہر بچے کی خواہش ہوتی ہے کہ چھپے ہوئے افسانوں اور خزانوں کی تلاش کی جائے۔

اسی طرح غور کریں، کیا آپ نے اپنے بچے کو محنت کرنے کی عادت ڈالی ہے؟ کام کو کسی نقص کے بغیر کرنا صرف اور صرف اللہ کی قدرت ہے۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے، اس کا کام بھی نقائص سے بھرا ہوا ہے۔ اس بنیادی حقیقت کے باوجود انسان کو چاہیے جو کام کرے، اچھی طرح کرے۔ ایسے کہ اس کا حق ادا ہو۔ اس کی تکمیل

احسن طریقہ سے کرے اور وہ کام بامقصد بھی ہونا چاہیے۔

اس کے برعکس جو کام مارے باندھے کیا جائے، دکھاوے کے لئے کیا جائے، ٹرخانے کے انداز میں کیا جائے، وہ ناقص ہوگا، ادھورا ہوگا، اور ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی نمائش ہو۔ اپنی کوتاہیوں کی تشہیر کون کرتا ہے؟ یہ کام چھپایا جائے گا۔ اس سے پہلوتہی کی جائے گی، بلکہ دوسروں کے سر تھوپا جائے گا۔

ایسی کاہلی کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ جب کام دل لگا کر نہ کیا جائے تو لوگوں کی حق تلفی ہوگی۔ آپ مزدور سے کوئی کام اجرت پر طے کرتے ہیں، وہ اس کام میں خیانت کرتا ہے، کیا آپ خوش ہوں گے، اسے انعام دیں گے؟ دفتر میں آپ کا جائز کام نہیں ہوتا، پھیرے پر پھیرے لگوائے جاتے ہیں، فائل ہی گم کر دی جاتی ہے یا بے تکے اعتراضات لگا دیئے جاتے ہیں، آپ کا خون نہیں کھولے گا تو اور کیا ہوگا؟ اس بے راہ روی سے سفارش اور رشوت کا بازار گرم ہوگا جو بالآخر انتشار، تشدد، لاقانونیت کو جنم دے گا۔

بچوں کو سمجھائیں کہ کام اچھی طرح کرنا ہے، خلوص سے کرنا ہے، محنت سے کرنا ہے اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لینا ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو تم ''احسان'' کرنے والے یعنی ''محسن'' بن جاؤ گے۔ پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ دنیا تم سے محبت کرے گی۔ کامیابی ہی کامیابی ہے۔

احسان کی تعلیم و تربیت، بچپن ہی میں بہتر اور مؤثر انداز میں کی جا سکتی ہے۔ بناؤ اور بگاڑ کا یہی وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت بچے کے دل میں پیدا نہ کی جائے تو وہ گناہوں والے کاموں کی طرف راغب ہوگا۔ گناہ والی زندگی میں لذت ہے۔ اس سے اجتناب وہی کر سکتا ہے، جو اللہ سے محبت کرے یا اس سے ڈرے۔

دنیاوی کاموں میں بچے کو تربیت دی جائے کہ معمولی سے معمولی کام بھی توجہ

اور محنت سے کرے۔ کسی نے پانی بھی مانگا تو خوش دلی سے یہ خدمت بہترین انداز میں سر انجام دے۔ اسکول کا کام بھی شوق سے کرے۔ اپنے جوتے خود صاف کرے۔ اپنا بستر ٹھیک حالت میں رکھے۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال کرے۔

آپ کو یہ شوق زبردستی بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ فطری طور پر یہ خود بڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ بچہ اس وقت بھی دنیا کی نت نئی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے، جب وہ جھولے میں لیٹا ہوتا ہے، اس کی نظر مختلف چیزوں پر ہوتی ہیں۔ چھوٹی عمر کے بچوں میں بے پناہ تجسس ہوتا ہے، جس کی تسکین کے لئے وہ چیزوں کو چھو کر، چکھ کر یا چیزوں کو پکڑ کر محسوس کرتے ہیں۔ والدین اس تجسس میں اس کی مدد کر سکتے ہیں، کوئی بھی کھلونا اٹھا کر اسے بچے کے ہاتھوں میں پکڑائیں، پھر جو ذرا سمجھدار بچے ہیں ان کو اس کے متعلق بتائیں، بچوں کے ساتھ تھوڑی دیر بچہ بن جانے میں کوئی حرج نہیں۔ ابتدائی عمر سے بچوں کو اگر مختلف اشیاء، رنگ اور شکلوں کی پہچان کروائی جائے تو بچے آئندہ چل کر بہت آسانی محسوس کرتے ہیں اور یہ پہچان اور معلومات ان کی علمی قابلیت میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

ضروری نہیں کہ آپ کی توجہ اور نگہداشت آپ کے بچے کو عالم او مفتی، ڈاکٹر اور انجینئر بنا دے، لیکن یہ کوشش اس کی ذہانت کے لئے، اس کی اصلاح اور ہدایت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام کر سکتی ہے اور آگے چل کر وہ ایک کامیاب انسان بن سکتا ہے۔

اسی طرح بچے کے سرٹیفکیٹ، اور مارک شیٹ پر ضرور توجہ دیں۔ بچپن سے ایسی کوشش کریں کہ رپورٹ کی بچے کو مستقل فکر ہو کہ ایک پرچے میں بھی فیل ہو گیا تو ابا بہت ناراض ہوں گے۔ پہلی کلاس سے رپورٹ کی فوٹو کاپی اپنی میز پر رکھیں اور بچے کی میز پر بھی لگا کر رکھیں کہ پہلی کلاس میں یہ نتیجہ تھا، اب دوسری میں اس سے بہتر ہو جانا چاہیئے۔ اس طرح پچھلے ایک ماہ میں تم نے ایک پارہ یاد کیا، اس ماہ کوشش کرو

کہ زیادہ ہو۔

اسی طرح بی کام، گریجویٹ کے سرٹیفکیٹ، مارک شیٹ کی بھی اہمیت بچے کو ضرور بتلائیں کہ یہ مارک شیٹ ظاہری اسباب کے تحت اچھے مستقبل کی علامت ہے۔ جہاں تمہارا رشتہ جائے گا تو لڑکی کا والد ضرور پوچھے گا: اس کی تعلیم کیا ہے؟ کہیں ملازمت کے لئے جاؤ گے تو بھی پوچھا جائے گا۔ تھوڑی سی محنت کر لو تو باقی راحت ہے۔ اگرچہ رشتہ و ملازمت کو سامنے نہ بھی رکھو تو بھی بیٹا اچھے نمبروں سے پاس ہونا انسان کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔

اسی طرح ہر بچے کی ایک فائل بنائیں...... جس میں اسکول، مدرسہ کی رپورٹ ...... سرٹیفکیٹ ...... انعامی اسناد ...... میڈیکل رپورٹس ...... بلڈ گروپ ...... آنکھوں کے ٹیسٹ کی رپورٹ ...... تاریخ پیدائش ...... وغیرہ محفوظ ہوں۔

مثلاً کس دن سے یہ بچہ مدرسہ میں داخل ہوا؟

کس دن سے اسکول میں داخل ہوا؟

کب حفظ شروع کیا اور کب ختم ہوا؟

میٹرک کب کیا؟

عالم بننے کب سے بیٹھا، کب فارغ ہوا؟

بچپن میں کون کونسی بیماریوں کے انجکشن لگ گئے ہیں؟ کب لگے ہیں؟

اسی طرح بالغ بچہ یا بچی کب صاحب نصاب بنے؟ یعنی کب اتنی مقدار کے مالک ہو گئے کہ اب ان پر سال کے گزرنے پر زکوۃ واجب ہوگی، وہ تاریخ ضرور محفوظ رکھیں جس تاریخ کو وہ صاحب نصاب بنے ہیں، مثلاً جس دن منگنی ہوئی، اس دن لڑکا یا لڑکی ½۵۲ تولہ چاندی کی قیمت (جو آج کل ۶،۰۰۰ تک ہے) کے مالک بن گئے یا عید کے دن یا کسی بھی خوشی کے موقع پر یا کسی بھی طریقے سے وہ اتنے روپے یا سونے کا نصاب ½۷ تولہ = ۸۷،۴۷۹ گرام (اس شخص کے لئے ہے، جس

کے پاس صرف سونا ہو، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں سے کچھ بھی نہ ہو)، یا چاندی کا نصاب ½۵۲ تولہ = ۶۱۲،۳۵ گرام (اس صورت میں ہے کہ صرف چاندی ہو، سونا مال تجارت اور نقدی بالکل نہ ہو)، (یا سونے یا چاندی کے ساتھ کوئی دوسرے مال زکوٰۃ کا مالک بن جائے، سب کی مالیت ۶۱۲،۳۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے یہ بالغ بچہ/ بالغ بچی صاحبِ نصاب بن گئے، اگلے سال اسی تاریخ پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور حج کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح قربانی کا بھی حساب ہوگا۔

نصاب زکوٰۃ کا خلاصہ یہ ہے سونا ½۷ تولہ = ۸۷،۴۷۹ گرام یا چاندی ½۵۲ تولہ = ۶۱۲،۳۵ گرام، یا مال تجارت یا نقدی یا ان چاروں اشیاء یا ان میں سے بعض کا مجموعہ چاندی کے وزن مذکور کی قیمت کے برابر ہو تو یہ صاحبِ نصاب ہو گیا۔ اب یہ تاریخ محفوظ رکھی جائے قمری اعتبار سے اور آئندہ سال اسی قمری تاریخ کو حساب لگایا جائے کہ اب اس بیٹے یا بیٹی کی ملکیت میں کتنا مال ہے، اور جو مال قرض وغیرہ کی ادائیگی سے بچ جائے، اس کی زکوٰۃ نکالی جائے۔

مال تجارت سے وہ چیز مراد ہے، جو تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور یہی نیت باقی ہو، اگر بوقت خرید تجارت کی نیت نہ تھی یا بعد میں تجارت کی نیت نہ رہی یا خریدنے کی بجائے کسی دوسرے ذریعہ سے کوئی چیز ملی، اگرچہ لیتے وقت تجارت کی نیت ہو، تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ نہیں۔[1]

دو میٹھے بول

ہمیشہ بچے کو یہ احساس دلائیے کہ تم بہت اچھے بچے ہو۔ اس سے ان شاء اللہ وہ اپنے اندر اچھی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور اللہ نہ کرے، اگر اسے بار بار

[1] ماخذہ احسن الفتاوی: ج ۴ ص ۲۶۲

یہ کہا جائے کہ تم بہت بے کار اور نکمے ہو، بہت خراب بچے ہو۔ تمہارا تو کوئی کام ڈھنگ کا نہیں، تم انتہائی ضدی اور نالائق ہو تو وہ واقعی اس طرح بننے کی کوشش کرے گا کہ جب میرے کسی کام کی تعریف نہیں اور گھر والے یا بزرگ مجھے برا سمجھ رہے ہیں تو کیوں نہ پھر میں وہی کچھ کروں، جو میرا دل چاہے اور وہ وہی سب کچھ کرتا ہے، جو اس کے دل میں آتا ہے۔ اس لئے بچے کے اچھے کاموں پر ان کی تعریف کیجئے۔ اس سلسلے میں ہم ایک استاد و شاگرد کا سچا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ استاد کے دو میٹھے بولوں سے بچے نے کتنی ترقی کر لی۔

ماسٹر شیر محمد اور ننھے سلمان کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ انہوں نے تو ایک دوسرے کو دیکھا تک نہ تھا۔ دیکھتے بھی کیسے؟ جب ننھا سلمان پیدا ہوا تو ماسٹر شیر محمد کو فوت ہوئے کئی برس گزر چکے تھے۔ لیکن میرے واسطے سے ان دونوں کے درمیان غیر محسوس سا تعلق ضرور تھا۔ وہ اس طرح کہ ماسٹر شیر محمد مرحوم آج سے پچیس (۲۵) سال پہلے چوتھی جماعت میں میرے استاد تھے۔ چند سال بعد جب میں تعلیم سے فارغ ہو کر خود استاد بن گیا اور ایک مقامی اسکول میں دوسری جماعت کو پڑھانے لگا تو ننھا سلمان اسی جماعت میں میرا شاگرد بنا۔ کہنے کو تو ماسٹر شیر محمد میرے استاد تھے اور ننھا سلمان میرا شاگرد، لیکن اس استادی اور شاگردی کے درمیان کئی سالوں کے طویل فاصلے کے باوجود میں نے ان دونوں سے جو سبق سیکھا، وہ زندگی بھر مجھے یاد رہے گا۔

ننھا سلمان ایک کھاتے پیتے گھرانے کا گول مٹول صحت مند بچہ تھا، نہایت چست چالاک اور بے حد شریر۔ شروع شروع میں اس کی شرارتیں بالکل معصومانہ اور بے ضرر ہوتی تھیں، لیکن آہستہ آہستہ یہ بڑھتی گئیں اور بعض اوقات دوسروں کے لئے قدرے تکلیف کا باعث بننے لگیں۔ یہاں تک کہ سلمان کا رویہ میرے لئے ایک مسئلہ بن گیا۔ میری بار بار کی جھڑکیاں اور نصیحتیں سب اس پر بے اثر ثابت

ہوئیں، پھر بھی میں کسی نہ کسی طرح برداشت کرتا رہا۔ لیکن اس دن تو سلمان نے حد کر دی، اس نے پھولوں کا ایک گملہ جان بوجھ کر توڑ دیا۔ دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر کو ایک چھڑی کے ساتھ نیچے گرا دیا۔ جب تفریح کی گھنٹی بجی اور لڑکے کلاس روم سے باہر جانے لگے تو اس نے یکا یک کمرے کا دروازہ اس زور سے بند کیا کہ اس کے ایک ہم جماعت جمیل کی انگلی اس میں کچلی گئی اور وہ درد کے مارے چیخنے لگا۔ سلمان کی یہ حرکتیں میری برداشت سے باہر تھیں۔ میں نے اس کو پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا اور گرج کر کہا:

"سلمان! تم بہت برے لڑکے ہو۔ آج سارا دن تم بری حرکتیں کرتے رہے ہو۔"

سلمان پہلے بھی کئی بار مجھ سے جھڑکیاں کھا چکا تھا، لیکن اس نے مجھے اس قدر غضب ناک کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ سخت خوف زدہ تھا۔ اس کی نیلی آنکھیں حیرت کے مارے پھیل گئی تھیں۔ یکا یک اس کا ننھا جسم کانپنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولا:

"جناب میں جانتا ہوں کہ میں بہت برا ہوں، لیکن کبھی کبھی میں اچھے کام بھی تو کرتا ہوں۔ اس وقت کوئی انہیں نہیں دیکھتا۔"

اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ دوسرے سب لڑکے جا چکے تھے۔ کسی نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا، کیونکہ کوئی بھی تو ننھے سلمان کا دوست نہیں تھا۔

سلمان کے ردعمل نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پکڑ لیا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ میرے ذہن میں بار بار یہ سوال اٹھتا تھا کہ کیا سلمان کے ساتھ میرا رویہ درست ہے؟ تب میری یادوں کے

دریچے کھل گئے اور مجھے وہ دن یاد آ گیا، جب میں اپنے آبائی شہر میں سرخ اینٹوں سے بنے ہوئے اسکول میں چوتھی جماعت کا طالب علم تھا۔ اس دن میرے ساتھی طلباء چھٹی کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے، لیکن میں کلاس روم میں اپنے ڈیسک پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے بوڑھے استاد ماسٹر شیر محمد بھی میرے قریب ہی بیٹھے تھے۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، کیونکہ اس دن صبح کو میں نے نہایت بری حرکت کی تھی۔ تفریح کے وقت ماسٹر شیر محمد نے کھیل کے میدان میں ایک روپے کا نوٹ پڑا پایا۔ جس وقت یہ نوٹ انہوں نے زمین سے اٹھایا، میں ان کے قریب کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ دوسرے لڑکوں کو اس کا علم ہوتا، میں نے چیخ کر کہا:

''جناب! یہ نوٹ میرا ہے۔''

میں نے ایسا کیوں کیا؟ شاید اس لئے کہ میرے ماں باپ بہت غریب تھے اور مجھے جیب خرچ کے لئے کچھ نہیں دے سکتے تھے۔ ہر روز میں دوسرے لڑکوں کو بڑی حسرت سے اسکول کی دکان سے آئسکریم اور ٹافیاں خریدتے اور کھاتے دیکھتا تھا، لیکن اپنی جیب کو خالی پا کر منہ دوسری طرف پھیر لیتا تھا۔ ہاں تو استاد جی نے یہ نوٹ مجھے دے دیا، جسے میں نے جلدی سے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

لیکن مجھے یوں محسوس ہوا کہ نوٹ اچھل کر میری جیب سے باہر آ رہا ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے...... ''تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے جھوٹ بولا۔

میں تمہارا نہیں ہوں، میں تمہارا نہیں ہوں۔''

میرا جی چاہا کہ نوٹ کو جیب سے نکال کر باہر پھینک دوں اور استاد جی سے صاف صاف کہہ دوں کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن دوسرے لڑکوں کے سامنے شرمندہ ہونے کا حوصلہ نہ پڑا۔ تفریح کے بعد کلاسیں شروع ہوئیں تو میں سارا وقت اکھڑا اکھڑا رہا اور سہما رہا۔ چھٹی کی گھنٹی بجی اور لڑکے اسکول سے جانے لگے تو استاد جی نے مجھے رک جانے کا اشارہ کیا۔ میں اپنے ڈیسک پر ہی بیٹھا رہا اور سب لڑکے

چلے گئے۔ اب استاد جی نے میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں محبت اور شفقت کا نور تھا۔ انہوں نے بڑی نرمی سے پوچھا:

"کیوں بیٹے کیا بات ہے؟ تم بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

اب میرے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"جناب وہ نوٹ میرا نہیں تھا۔ میں نے جھوٹ بول کر آپ سے لے لیا تھا۔ ...... معلوم نہیں کیوں؟ شاید اس لئے کہ میں ایک برا لڑکا ہوں، بہت برا......"

استاد جی نے بڑی محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

"نہیں نہیں یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ تم ایک برے لڑکے ہو؟ جو کچھ تم نے کیا، ٹھیک نہ تھا۔ تمہیں آئندہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے، لیکن تم ایک دیانت دار اور قابل اعتماد لڑکے ہو۔ برے ہرگز نہیں ہو۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھو۔"

ماسٹر شیر محمد کو اللہ بخشے، ان کے اس مشفقانہ رویے نے میری زندگی کا رخ متعین کر دیا۔ انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہ میرے والدین سے کیا اور نہ کسی اور سے، البتہ وہ مجھ پر پہلے سے بڑھ کر توجہ دینے لگے۔ جب بھی میں اچھے نمبر لیتا یا کوئی اور اچھا کام کرتا وہ مجھے شاباش دیتے، میری ہمت بندھاتے اور وقتاً فوقتاً مجھے نقد انعام بھی دیتے۔ میں نے پھر کبھی بھی کوئی ایسی حرکت نہ کی، بلکہ خوب دل لگا کر پڑھا اور ہمیشہ درس گاہ میں اچھی پوزیشن حاصل کی۔ اس دن اگر استاد جی شیر محمد مجھے سزا دیتے اور بددیانت اور چور کہہ کر پکارتے تو شاید میں واقعی ایک بُرا لڑکا بن جاتا ...... اور پھر میری سوچوں کا دھارا ننھے سلمان کی طرف پلٹ گیا۔ اس کا سہما ہوا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا ...... آہ! یہ معصوم بچہ تو دو میٹھے بولوں کا بھوکا ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے میں نے کبھی اسے برا تو نہیں کہا تھا، لیکن کئی بار دوسرے لڑکوں کے سامنے اس کو جھڑکا تو تھا۔ اس کو ذلیل کیا تھا، اس نے ٹھیک ہی تو کہا کہ اس کے کسی اچھے کام پر کسی نے کبھی اس کو شاباش نہیں دی۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی کا ذکر ہے کہ وہ بلی کے ایک خوف زدہ بچے کو سینے سے لگائے کلاس روم میں آگیا تھا۔ جب میں نے تیز لہجے میں اس سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ تو اس نے ڈرتے ڈرتے کہا: یہ بے چارہ سڑک پر ادھر ادھر دوڑ رہا تھا، میں ڈرا کہ اسے کوئی کار کچل نہ ڈالے اس لیے اسے اٹھا لایا ہوں۔

اس وقت ننھا سلمان بلی کے بارے میں بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ یہ اس کی نیک دلی تھی جو شاباش کی مستحق تھی، لیکن میں نے کیا کیا؟

اسے ڈانٹ کر کہا: جاؤ بلی کے بچے کو اسکول کے دفتر میں چھوڑ آؤ اور اپنے ہاتھ صاف کر کے کلاس میں واپس آؤ۔ میں نے دو تین مرتبہ سلمان کو کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اپنے جوتوں سے کیچڑ صاف کرتے بھی دیکھا۔ ایک دن میرے سامنے اس نے ایک اپاہج بھیک منگے کو اپنی جیب خرچ کی ساری رقم دے دی۔ میں نے کئی بار اس کو کمرے کا دروازہ بڑی آہستگی سے بند کرتے دیکھا تھا۔ کیا ایسے کسی بھی موقع پر میں نے اس کو شاباش دی تھی؟ اس کی تعریف میں دو میٹھے بول منہ سے نکالے تھے؟

جواب نفی میں تھا۔

دوسرے دن تفریح کے وقت میں نے ننھے سلمان کو اپنے پاس بلایا۔ اس کی پیٹھ پر تھپکی دی اور کہا:

''سلمان! کل میں نے تمھیں ایک برا لڑکا کہا تھا۔ بھئی معاف کرنا! یہ ٹھیک نہ تھا۔ تم برے لڑکے نہیں ہو، اگرچہ بعض مرتبہ تم اچھی حرکتیں نہیں کرتے، لیکن میں نے تم کو اچھے کام کرتے بھی دیکھا ہے، مثلاً تمھارا

چھوٹا بھائی اس دن ٹافی کے لئے جھگڑ رہا تھا تو تم نے چھوٹے بھائی کو پوری ٹافی دے دی، اسی طرح پچھلے سال تمہارا نتیجہ اچھا تھا، اسی طرح اگست میں پورے مہینہ میں تمہاری کوئی غیر حاضری نہیں تھی۔ بھئی سچ تو یہ ہے کہ تم حقیقتاً ایک بہت ہی اچھے لڑکے ہو، شاباش ایسے اچھے اچھے کام ضرور کرتے رہو۔ لیکن کل جو تم سے غلطی ہوگئی، جمیل سے اس کی معافی بھی مانگ لو۔ دیکھو یاد رکھو! ہماری شریعت میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کو ستانا ہے، کسی کی آہ لینا ہے۔ ہرگز ایسا مذاق نہ کرو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔"

میری باتیں سن کر سلمان کا چہرہ چمک اٹھا اور اس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آگئے:

"جناب میں ہمیشہ اچھے کام کرنے کی کوشش کروں گا۔"

اس کے بعد میں نے سلمان کو اکثر اچھے کام کرتے ہی دیکھا۔ کبھی کبھار وہ کوئی شرارت کر بیٹھتا تو اس کے ساتھ ہی مجھے ماسٹر شیر محمد یاد آجاتے اور میں اسے علیحدگی میں بلا کر پیار سے سمجھا دیتا۔ ہاں اب میں اسے جب بھی کوئی اچھا کام کرتے دیکھتا، شاباش ضرور دیتا۔ کبھی "دو میٹھے بول" بول کر، کبھی ہلکی مسکراہٹ سے اور کبھی ہاتھ ہلا ہلا کر۔ اور میرا یہ رویہ سلمان میں حیرت انگیز تبدیلی لے آیا۔ اس نے آہستہ آہستہ ایسی شرارتیں بالکل چھوڑ دیں، جو دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث ہوں۔

اور پھر چند ہی سالوں میں سلمان اسکول میں ایک نہایت محنتی اور شریف طالب علم کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا، جو ایک بہت اچھا کھلاڑی بھی تھا۔ جس دن اس نے میٹرک کا امتحان دے کر بورڈ میں اول پوزیشن حاصل کی، میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ آخر "دو میٹھے بول" استاد کی دعاؤں کے ساتھ رنگ لے ہی آئے تھے۔

اندھیروں میں روشنی کی کرن "مسکراہٹ"

مسکراہٹ زندگی کی نشانی ہے۔ مسکراہٹ اندھیروں میں روشنی کی کرن کی مانند نمودار ہوتی ہے۔ مسکراہٹ ایک خوبصورت لفظ ہے، جو زندگی سے آشنا کرتی ہے۔ مسکراہٹ بظاہر ایک چھوٹا سا لفظ ہے، لیکن اگر اسے پرکھا جائے تو بیش بہا خزانہ ہاتھ آتا ہے۔ مسکراہٹ ایک ایسا چمن ہے، جو زندگی کی خوبصورتی کو بڑھاتا ہے اور لمحوں کو خوش کن بناتا ہے۔ مسکراہٹ کدورتوں کو دور کرتی ہے اور ان کی جگہ محبت بھرتی ہے۔ مسکراہٹ ہر قسم کے غم یا دکھ کو پردہ فراہم کرتی ہے اور اپنے پیچھے چھپا لیتی ہے۔ انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو ظاہر نہیں کرتی۔ مسکراہٹ زندگی کے اداس لمحات میں خوشی کا پیغام لاتی ہے۔ گویا مایوسی میں کرن بن کر نمودار ہوتی ہے۔

مسکراہٹ انسان کو زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ مسکرانے کے لئے کسی نذرانے یا رقم کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ یہ ہر لالچ سے مبرا ہوتی ہے اور یہ نذرانہ غریب اور امیر شخص دونوں بغیر کسی تفریق کے دے سکتے ہیں۔ سچی مسکراہٹ ایک بے لوث دوست عطا کرتی ہے۔ مسکراہٹ ایسے پیرہن کی مانند ہے، جو ہر چہرے پر خوبصورت لگے اور چہرے کا وقار بڑھائے۔ آج کل کے دور میں جب انسان ہر کسی کے سامنے زندگی کے نشیب و فراز بیان نہیں کر سکتا اور زندگی کے دکھوں سے آشنا نہیں کر سکتا تو مسکراہٹ چہرے پر پردہ ڈال کر چہرے کے تمام اتار چڑھاؤ کو اپنے اندر جذب کر کے چہرے کو پرسکون بنا دیتی ہے۔

مسکراہٹ سے کی گئی بات کا اثر دیر تک قائم رہتا ہے۔ مسکراہٹ سے دلوں کو فتح کیا جا سکتا ہے اور مسکراہٹ سے کسی بھی چیز کو جیتنا ممکن ہے۔ مسکراہٹ سخت سے سخت دل کو بھی موم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ واقعات و حالات کو ہمارے لئے سازگار بناتی ہے۔ یہ اس پھول کی مانند ہے، جو دیر تک انسان کو معطر رکھتا ہے۔

مسکراہٹ چہرے کو چاند بناتی ہے اور دل کی پاکیزگی کی گواہی دیتی ہے۔

مسکراہٹ اس انمول موتی کی مانند ہے جو زندگی کو چمکا دیتا ہے۔ مسکراہٹ انسان کے دکھ سکھ کے لمحات میں ساتھی کا کام دیتی ہے۔ مسکراہٹ امید عطا کرتی ہے اور زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ مسکراہٹ اس ستارے کی مانند ہے، جو اندھیری راتوں میں بھی ٹمٹما کر ہمارے لئے روشنی مہیا کرے اور درست سمت کے انتخاب کے لئے ہماری مدد کرے۔

مسکراہٹ کو اگر پرکھا جائے تو ہمیشہ بیش بہا خزانہ مل سکتا ہے۔ آج کے بدامن معاشرے میں مسکراہٹ سے کام لے کر محبت کے جذبات کو فروغ دیا جا سکتا ہے اور معاشرے سے کدورت کو مٹا کر امن و آتشی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

محترم محمد طاہر نقاش صاحب اپنی کتاب ''بچوں کی تربیت کیسے کریں'' میں لکھتے ہیں کہ انسان کی صحت پر ذہنی و دماغی کیفیات کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ رنج و غم، فکر و الم انسان کی صحت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ جلد بوڑھا ہو جانا ...... خودکشی کر لینا ...... پاگل ہو جانا ...... جیسے امراض، ذہنی کشمکش ...... دماغی دباؤ ...... اور تفکرات کی کثرت ...... کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس فرحت و انبساط ...... خوشی و شادمانی ...... مسرت و شگفتہ مزاجی ...... انسان کی صحت پر اچھے اثرات ڈالتے ہیں۔

تفکرات اور رنج و غم انسانی صحت ہی پر برا اثر نہیں ڈالتے، بلکہ اخلاق و کردار میں بھی متعدد کمزوریوں کا باعث ہوتے ہیں۔ چڑچڑا پن، مغلوب الغضبی، مایوسی و بددلی جیسے عیوب، رنجیدہ و ملول رہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب کہ شاداں و فرحاں رہنے سے اعتدال و توازن، ہمت و شجاعت، جرأت و خود اعتمادی جیسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوع بنوع مسائل کے ہجوم میں گھرے رہتے، اسلام کی دعوت کے سخت مراحل سے نبرد آزما ہوتے، کبھی اپنوں کی نوازشیں کبھی

غیروں کی ساز شیں، مگر شگفتہ مزاجی اور خوش طبعی آپ سے کبھی جدا نہ ہوتی۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو صبر...... اور توکل...... دو ایسے اخلاقی اوصاف عطا کیئے ہیں کہ مؤمن سخت سے سخت مراحل میں بھی بددل اور شکستہ خاطر نہیں ہو سکتا۔ صبر و توکل مؤمن کے اندر ایسی جرأت و ہمت پیدا کرتے ہیں کہ ناسازگار حالات میں بھی امید کی پتوار ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتی۔ قرآن نے تو مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔

مسرت و شادمانی، فرحت و انبساط کو اپنی زندگی کا شیوہ بنایئے۔ خود بھی خوش رہیئے اور بچوں کو بھی خوش رکھیئے۔ گھر کا ماحول ایسا بنایئے کہ کوئی بھی فرد کبیدہ خاطر نہ ہونے پائے۔ لڑائی...... جھگڑے...... کشمکش...... اور چپقلش سے گھر کے ماحول کو پاک صاف رکھیئے۔ پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے جھیلیئے۔ کھیل کود...... سیر و تفریح...... مسکراہٹ...... تعلیم و تربیت سے ماحول کو پر کیف اور مسرت انگیز بنائے رکھیئے۔

کیا آپ نے نیت کر لی کہ اب گھر میں اور گھر سے باہر مسکراتے ہوئے چہرے سے ہر ایک کا استقبال کریں گے؟

جی ہاں پکی نیت اور پکا ارادہ۔ ہر ایک کے ساتھ مسکرا کر ملیئے۔

کیا آپ اس کا ثواب جاننے کی کوشش کریں گے؟

تو سن لیجیئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقَ اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ﴾[۱]

ترجمہ: ”کسی بھی نیک کام کو حقیر اور کمتر مت سمجھو، اگرچہ کسی مسلمان بھائی کے ساتھ ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ملنا ہی کیوں نہ ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے۔ اس کو حقیر اور کمتر نہ سمجھیں۔

[۱] مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء: ج۲ ص۳۲۹

اپنا مقام پہچانیے

آپ کو اللہ تعالیٰ نے والد بنا دیا ہے۔ یہ اللہ کا آپ پر بڑا احسان ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ آپ بیٹے کی ایسی تربیت کریں کہ بیٹے کو جو بھی ضرورت پیش آئے، پریشانی میں مبتلا ہو تو آپ اس کی مدد کریں، اسے تسلی دیں، اس کا یقین اللہ تعالیٰ سے جوڑیں اور اس کی ڈھارس بندھائیں۔ اسے اس بات کا احساس دلائیں کہ وہ یتیم نہیں، اس کا باپ اس کی سرپرستی کے لئے موجود ہے۔ بچے کو اس کی پریشانی کے وقت یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرائیں کہ پیسے سے کچھ نہیں ہوتا، تمام مسائل اللہ تعالیٰ کے حل کرنے سے حل ہوتے ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگو۔ صرف پیسوں سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے، اس بات کو خوب یاد رکھیے! اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیے کہ آپ کا اور بچے کا یہ یقین بن جائے کہ مسائل اللہ تعالیٰ ہی حل کرتے ہیں، پریشانیاں اللہ تعالیٰ ہی دور کرتے ہیں، بیماری کو شفا سے اللہ تعالیٰ ہی تبدیل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا نام وجود ہے، وہ جب چاہے، جیسے چاہے، جس طرح چاہے، جس سے چاہے، جہاں سے چاہے وہ مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ہی مسائل کا حل کرنے والے ٹھہرے، مشکل کو آسان بنانے والے وہی ہیں، ناممکن کو ممکن بنانے والے وہی ہیں تو آپ کے ذمے باپ ہوتے ہوئے کیا حکم ہے؟

آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ (لیکن آگے پڑھنے سے پہلے دعا کر لیجیے اور ہو سکے تو یہاں تک پڑھ کر کتاب بند کر دیں اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھیے اور اللہ سے دعا مانگیے: ''اے اللہ! مجھے دین کی سمجھ نصیب فرما، مجھے بحیثیت باپ کے بچے کی تربیت کا صحیح طور سے حق ادا کرنے والا بنا اور مجھے حسنِ اخلاق کی دولت نصیب فرما)۔'' یاد رکھیے کہ بیٹے کی زندگی کو بنانے کے لئے والد کو بہت ہی

صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔

اگر بیٹے کی کسی بری حرکت سے آپ کو پریشانی ہو، تکلیف ہو تو عورتوں کی طرح فوراً آپے سے باہر نہ ہو جائیں، جذبات پر قابو رکھیے، اپنی ذمہ داری کو محسوس کیجیے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صبر اور برداشت کے قصے غور سے پڑھ کر ان کو سوچیے، مصلحین امت کس محبت، ہمدردی، دل سوزی و دلجوئی کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کی فکر میں رہتے تھے۔

کوئی انبیاء کرام اور مصلحین امت سے پوچھے کہ تربیت انسان کو کس جگر پاش مرحلے سے گزارتی ہے؟ اگر کوئی پوچھے کہ دنیا میں سب سے مشکل کام کون سا ہے؟

تو اس کا جواب ہوگا تربیت کا کام ...... اس لئے کہ تربیت دماغ نچوڑنے ...... اور ہڈیاں جلانے ...... اور ہڈیوں کا گودا گھلانے ...... کا نام ہے۔ تربیت کے اجزائے ترکیبی میں ضبطِ نفس ...... راتوں کی تہجد کے بعد آنسوؤں والی دعائیں ...... فراخ حوصلگی ...... صبر و ثبات ...... قوت برداشت ...... سلامتی ذہن و فکر ...... اور جگر سوزی ...... کے ساتھ مسکراہٹ ...... شامل ہیں۔ تربیت اپنی آغوش میں ہمدردی و خیر خواہی، نصیحت و برداشت اور محبت کو پرورش دیتی ہے۔

مربی کبھی کم ظرف نہیں ہوتا۔

مربی بے حوصلہ نہیں ہوتا۔

مربی چڑ چڑا نہیں ہوتا۔

مربی بدخواہ نہیں ہوتا۔

مربی کم نگاہ نہیں ہوتا۔

مربی ظالم نہیں ہوتا۔

مربی کو زندگی کا ہر لمحہ پل صراط پر سے گزر کر بسر کرنا ہوتا ہے۔ ذرا سا افراط اور معمولی سی تفریط مربی کو غیر متوازن بنا کر اپنے مطلب اور مقصد سے بہت دور لے

جاتی ہیں۔ باپ کو ہر فرد کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ دلسوزی ...... دردمندی ...... اور خیر خواہی ...... کے جذبات سے معمور اور تلخ کلامی اور سخت بیانی سے اتنا ہی دور اور نفور ہونا چاہیئے جتنا مشرق کو مغرب سے، کیونکہ مثالی باپ اپنی منزل کہکشاں سے ہو کر نہیں، کانٹوں اور پتھروں سے گزر کر حاصل کرتا ہے۔

مثالی باپ کسی سخت سے سخت منزل پر بھی کسی چٹان سے سر نہیں پھوڑتا۔ جوئے رواں کی طرح اپنا رخ موڑتا اور راستہ بناتا ہے۔

یاد رکھیئے! نالائق اولاد کو لائق بنانے کے لئے جھڑکا نہیں جاتا ...... جھڑکا نہیں جاتا ...... اسے بار بار ٹوکا نہیں جاتا ...... اسے ذلیل نہیں کیا جاتا ...... اسے اس کے دوسرے بھائی بہنوں کے سامنے رسوا نہیں کیا جاتا ...... اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی جاتی ...... اس پر جملے نہیں کسے جاتے ...... معاشرہ میں اس کی غیبت نہیں کی جاتی ...... بلکہ اسے دلیل اور پیار کے ساتھ سمجھایا جاتا ہے ...... برائی کی نفرت اس کے دل و دماغ میں بٹھائی جاتی ہے ...... حکمت و محبت سے موقع تلاش کر کے اس کی ذہن سازی کی جاتی ہے ...... راتوں کو اٹھ کر رو رو کر اس کی اصلاح کے لئے دعا کی جاتی ہے ...... فرض نمازوں کے بعد اس کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں ...... اس کے دوستوں کے ذریعہ اس کو سمجھایا جاتا ہے ...... بچپن سے اس کو اچھے دوستوں اور صحبتوں میں بٹھایا جاتا ہے ...... بری صحبت سے اس کو ایسے ہی بچایا جاتا ہے، جیسے شیر اور سانپ سے بچایا جاتا ہے ...... اس کی روحانی تربیت کے لئے ایسی ہی فکر کی جاتی ہے، جیسے جسمانی صحت کے لئے ...... اس کے اوقات کی ایسی ہی حفاظت کی جاتی ہے، جس طرح اپنی محنت سے کمائے ہوئے پیسوں کی ...... اس کے فارغ اوقات کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔

یاد رکھیئے! مثالی باپ کو قیامت کے روز اس کا اجر تو ضرور ملے گا کہ اس نے اپنے حسنِ کلام ...... ذاتی ایثار ...... اچھے کردار ...... قول احسن ...... قول لین (نرم

گفتگو) سے اور اپنی بیوی کے ساتھ صحیح اخلاق سے پیش آتے ہوئے بچوں کی صحیح تربیت کی، ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دین کا خادم اور دیندار بنایا، لیکن اس کا کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا کہ باپ نے اپنے بجڑ کیلے مزاج، غصیلے انداز اور کٹیلے الفاظ سے بچوں کو اپنے آپ سے دور کر دیا یا ایسا ڈرا کر رکھا کہ سہمے سہمے رہے، یا عاق کر دیا یا ان کو دینی تعلیم سے محروم رکھا۔ بلکہ اس عمل پر پکڑ کا اندیشہ ہے۔

یاد رکھیے! ہرگز اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ باطل کی گرفت نہ کی جائے، لغویات کا نوٹس نہ لیا جائے، منکرات پر ٹوکا نہ جائے، بری باتوں سے روکا نہ جائے، لاڈ و پیار کے جذبے میں آ کر ہر جائز و ناجائز چیز برداشت کی جائے۔ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ یہ سب کچھ ہو لیکن:

۱ ٹھوک کے حساب سے نہیں، بلکہ ٹھونک بجا کر ہو، تاکہ الفاظ کا وزن باقی رہے۔

۲ بار بار نہیں، بلکہ موقع و محل دیکھ کر ہو، مناسب وقت کا انتظار ہو، مناسب ماحول کا لحاظ ہو اور ساتھ مناسب طریقہ کا اختیار ہو۔

۳ بالغ بچے اور نابالغ بچے کی تنبیہ میں فرق ہو۔ دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہرگز نہ ہانکا جائے۔ نابالغ کے لئے سختی اور پٹائی ضرورت کے درجے میں جتنی مفید رہتی ہے، بالغ کے حق میں وہی پٹائی نقصان کا سبب بنتی ہے۔

بالغ ہونے کے بعد شرعاً بھی آپ کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے، لہٰذا بالغ اولاد کی تربیت دعا اور ذہن سازی کے ذریعہ ہی کی جا سکتی ہے، ورنہ جبر و اکراہ سے اگر کر بھی دی جائے تو وہ عارضی طور پر ہوگی دائمی اور حتمی نہیں ہوگی۔

باپ کے ہوتے ہوئے بچے یتیم

آپ کو عنوان نہایت عجیب لگ رہا ہوگا، لیکن بدقسمتی سے اولاد میں سے اگر عملی

زندگی میں کوئی نادانی یا کوئی بڑی غلطی سرزد ہو جائے تو بجائے اس کے کہ باپ حوصلہ دے، دلاسہ دے، امید بندھائے، الٹا ایسے طعنے دیتا ہے کہ بیٹا یہ خواہش کرنے لگتا ہے کہ کاش میرا باپ مر گیا ہوتا۔

مثلاً والد نے اپنے بڑے بیٹے کو کاروبار میں اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش کی، بیٹے نے اس مشورہ سے اتفاق نہ کیا، بلکہ الگ اپنے لئے کوئی کاروبار یا کوئی ملازمت اختیار کر لی۔ اب اگر کسی قسم کا مالی نقصان یا کسی قسم کی پریشانی ہوئی تو والد نے فوراً ادھر ادھر کہنا شروع کیا: صاحب زادے نے میرا مشورہ نہ مان کر یا اپنے سسر کی بات مان کر، یا اپنے نالائق دوستوں کی بات مان کر مزہ چکھ لیا۔ اب اگر میرے پاس مدد کے لئے آئے گا تو بھگا دوں گا، اب ہوش ٹھکانے لگیں گے میاں صاحب کے وغیرہ۔ اس طرح کے جملے ایک باپ کو ہرگز زیب نہیں دیتے، بلکہ مسلمان باپ کی شان تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنے بیٹے کو عملی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے کوئی حکم نہ دے، بلکہ اس کو اس کی ذہنی سطح کے موافق سمجھائے اور بطور مشورہ کے مفید باتیں بتایا کرے اور بیٹے کو مکمل اختیار دے۔ البتہ اگر وہ کوئی نقصان والا کام کرنے والا ہو تو صرف اس کام کی مضرتیں بتلائے۔ اب اس کے باوجود اگر وہ نہ مانے اور کام کرتے ہوئے کوئی پریشانی یا نقصان ہو تو بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دے اور الٹا یہ باور کرائے کہ:

بیٹا! جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی دی ہے، ان شاء اللہ میں ہر اعتبار سے تمہارے کام آؤں گا۔ میرا مال بھی تمہارا، میری صلاحیتیں بھی تمہاری، میرا سب کچھ تمہارا، اگر بالفرض میں تمہارے لئے کچھ بھی نہ کر سکوں تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمہارے لئے دعا ضرور مانگوں گا۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ سب بولتے ہوئے طنز وطعن کا عنصر نہ ہو، بلکہ خلوص دل کے ساتھ بات کریں۔ اندازہ کریں کہ اس سے ایک تو بیٹے کو اپنی غلطی اور ہٹ دھرمی کا

احساس ہوگا اور آپ کی باتوں سے اس کی خفگی اور شرمندگی دور ہوگی اور آپ کو وہ سب سے زیادہ اپنا محسن سمجھے گا۔

والد ایسے موقع پر تصور کرے کہ اس وقت میں اپنا غصہ دبالوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے کتنا اجر دیں گے؟ میری جنت کتنی بڑی ہوگی؟ آخرت میں میرا مقام کتنا اونچا ہوگا؟

اس وقت شیطان اور نفس مجھے دھوکہ دے دیں تو گھر میں کتنا بڑا جھگڑا ہوسکتا ہے، بیٹے سے الگ جھگڑا، بیٹے کی سسرال سے الگ جھگڑا، اپنی اہلیہ اگر بیٹے کا ساتھ دے دیتی ہے تو مزید گھر میں پریشانیاں۔

لہٰذا دعا مانگیے کہ اللہ تعالیٰ میری شیطان اور نفس سے حفاظت فرمائے اور بیٹے سے کہیے: کوئی فکر کی بات نہیں، صبح کا بھولا شام گھر واپس آگیا تو وہ بھولا نہیں کہلاتا، بیٹا یہ پچاس ہزار یا پچاس لاکھ کا نقصان ہوگیا فکر نہیں کرو، ہمارے مقدر میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ دوبارہ دے دے گا۔ یہ شکر کرو جان پر کوئی بلا نہ آئی، اپنی بیوی بچوں کو بھی تسلی دو، جو کچھ ہوا اس میں خیر ہوگی۔ اس طرح کہنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ نہ صرف بیٹا، بلکہ بہو، اور بیٹے کی سسرال یا بیٹے کے دوست، سب ہی آپ کے گرویدہ بن جائیں گے۔ آپ کی موت کے بعد بھی آپ کی یہ نیکیاں ان کی پیشانیوں پر ہمیشہ لکھی رہیں گی اور وہ ہمیشہ آپ کے لئے دعائیں کرتے رہیں گے۔

اسی طرح بیٹے ...... بیٹیوں کے رشتوں میں کسی حد تک پابندی ضرور کریں، لیکن اس میں بھی آمریت نہ ہو، بلکہ کسی کا رشتہ جہاں بھی کرنا مطلوب ہو، پہلے بیٹا ...... بیٹی اور ان کے بھائیوں بہنوں سے رائے ضرور لیں۔ اگر ناپسندیدگی محسوس کریں تو وجہ پوچھوائیں، اگر کوئی معقول وجہ سامنے آئے، تو پھر ضد نہ کریں۔ اگر کوئی معقول بات نہ ہو تو انہیں حکمت وبصیرت سے سمجھائیں، انہیں سوچنے کا موقع دیں، ان کو چند رشتوں میں چناؤ کا اختیار دیں، اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں اور اگر باوجود

اس کے اولاد نہ مانے اور اپنی مرضی سے کچھ کر لیں اور کچھ عرصے بعد کوئی خطرناک صورت حال کا سامنا ہو یعنی بیٹی داماد سے ناراض ہو کر گھر آ بیٹھے، یا بیٹا اپنی بیوی کو گھر سے نکال کر میکے چھوڑ آئے تو ہمت اور صبر سے کام لیتے ہوئے معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ یہ نہیں کہ باتیں سنانی شروع کر دیں:

کر لی اپنی مرضی، اب بھگتو۔ اگر میرا بتایا ہوا رشتہ قبول کر لیتے تو آج یہ دن نہ دیکھتے۔ ہمیشہ سے سمجھاتا رہا نالائق: باپ کی بات مان لو، کبھی بھی تم نے میری نہ مانی۔ تم بھی ایسے اور تمہاری ماں بھی ایسی۔ یہ تمہاری ماں نے تو تم کو بگاڑا ہے۔ میری عزت پر پانی پھیر دیا، خاندان میں تم لوگوں نے مجھے بدنام کر دیا وغیرہ۔

اس طرح کے جملے ٹوٹے ہوئے دلوں کو مزید توڑ سکتے ہیں، چھوٹی پریشانی کو بڑی پریشانی بنا سکتے ہیں، بیٹے اور بیٹی کی سوچی سمجھی ہوئی پریشانی ختم کرنے کی تدبیر کو ملیا میٹ کر سکتے ہیں، اولاد اور اہلیہ کی طبیعت مزید خراب کر سکتے ہیں۔ سوچئے! ایک آئی ہوئی مصیبت کو ختم کرنے کے بجائے آپ دوسری مصیبت پیدا کر رہے ہیں۔

ایسے وقت میں اپنی پوری کوشش کریں کہ یہ بندھن نہ ٹوٹنے پائے۔ اگر بیٹا ہے تو اس کے سسرال والوں سے، اگر بیٹی ہے تو اس کے سسرال والوں سے ٹھنڈے مزاج میں مذاکرات کریں۔ فریقین کو اپنی غلطی کا احساس دلائیں اور صلح کی تدابیر بتلائیں اور سب سے بڑھ کر راتوں کو اٹھ کر رحیم الرحماء اور کریم الکرماء کی بارگاہ میں گڑ گڑا کر دعائیں مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو جوڑے رکھے اور ان کی نسلوں کو خوشگوار ماحول میں پروان چڑھنے والا بنا دے۔

آخر میں ایک گزارش یہ کہ بچپن ہی سے گھر میں ایسا ماحول بنائیں، جب بچے چھوٹے ہوں، اس وقت اگر کسی بچے سے باوجود بار بار سمجھانے کے اگر کوئی غلطی ہو جائے مثلاً: بار بار منع کرنے کے باوجود سائیکل چلانے سے باز نہیں آ رہا اور بے

چارہ گر گیا، اور چوٹ لگی۔ اب جناب کی زبان فوراً چلنے لگی: دیکھ لیا نافرمانی کا نتیجہ، اور چلاؤ سائیکل۔ اب خبردار جو روئے وغیرہ۔ اب میرے پاس تمہاری دواؤں کے پیسہ نہیں ہیں۔ یا اولاد سے کوئی فضول خرچی ہوگئی، یا معصوم بچے نے سر میں تیل زیادہ ڈال دیا، یا بالائی میں چینی زیادہ ڈال دی، تو والد کا یہ کہنا: ارے تیل مفت آرہا ہے؟ یا چینی فری آتی ہے؟ تیرے باپ کے نوٹوں کی پریس چل رہی ہے؟

توبہ...... توبہ...... ہرگز والد کے لئے یہ الفاظ مناسب نہیں، یہ گندے الفاظ ہیں، یہ بدبو والے الفاظ ہیں، یہ برے الفاظ ہیں۔ ہرگز والد محترم کی زبان پر یہ نہ آئیں۔ ایسی باتیں ایک مسلمان باپ کو زیب نہیں دیتیں۔ دیکھیے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اونٹ کے کجاوہ کو لگ رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی کہ دیکھ لیا، کفار نے میری بات نہ مانی، اب بھگتیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو معاف کر دیا اور اعلان فرما دیا: "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" "آج کے دن تم پر کوئی سختی نہیں۔"[1]

باپ بھی ایسا ہی شفیق ہو اور سمجھانے کے باوجود غلطی کرنے پر طعنہ نہ دے، بلکہ پیار و محبت سے سمجھائے تاکہ والد کی محبت اولاد کے دلوں میں رچ بس جائے۔

غور فرمایئے! آپ اور ہم کس نبی کے امتی ہیں؟ ہمارے نبی تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ہم اور آپ کم از کم "رَحْمَةٌ لِلْاَوْلَادِ" تو بن جائیں۔ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ والوں نے اتنی تکلیفیں پہنچائیں، جب وہی نبی فاتح بن کر آتا ہے تو کسی نے آواز لگائی: "اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ"[2] آج تو گوشت کا دن ہے، یعنی کفار مکہ کے خون بہنے کا دن ہے تو ہمارے نبی

---

[1] حیاۃ الصحابہ (عربی): ج ۱ ص ۱۸۰، وسیرت النبی: ج ۱ ص ۳۰۰

[2] سیرۃ النبی: ج ۱ ص ۲۹۷

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آواز لگائی: "اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ" "آج تو رحمت کا دن ہے۔" اور فرمایا: جیسے میرے بھائی یوسف نے اپنے سب بھائیوں کو معاف کر دیا تھا باوجود اس کے کہ بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا، اور بکری کے خون سے کرتا رنگین کر کے والد کو کہا کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھا لیا ہے۔ جب یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بنے تو بھائیوں کو فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾[1]

ترجمہ: "تم گھبراؤ مت، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

اسی طرح آج میں بھی اپنی سب تکلیفیں بھلا کر معاف کرتا ہوں۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانی دشمنوں کے لئے اعلان فرمایا:

﴿مَنْ اَغْلَقَ بَابَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ اَلْقٰى سِلَاحَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ﴾[2]

جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ امن میں ہے۔ جو اپنا اسلحہ پھینک دے، وہ امن میں ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہے۔

ہم اور آپ ایسے شفیق اور مہربان نبی کے امتی ہیں۔

لہٰذا حوصلہ بڑھائیے، ہمت رکھیئے۔ اولاد کو بڑی سے بڑی غلطی پر ندامت ہو جائے تو معاف کر دیجیئے۔ سمجھائیے ضرور، لیکن سمجھانے میں غصہ اتارنا نہ ہو، ذلیل کرنا نہ ہو۔ تسلی دیتے ہوئے سمجھائیں۔ اور خود اپنی غلطی کا بھی احساس کیجیئے کہ ہم خود اتنی غفلت برتتے ہیں کہ جب پانی سر سے اوپر چڑھ جاتا ہے پھر فکر کرتے ہیں۔ اور

---

[1] سورۂ یوسف آیت ۹۲

[2] مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکۃ: ج ۲ ص ۱۰۲

روزانہ سو مرتبہ درود شریف صبح و شام اہتمام سے پڑھیے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا دل نرم ہو جائے گا۔

مثالی باپ بننے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ آپ کو اولاد کی طرف سے ملنے والی تکالیف پر، ان کی دانستہ یا غیر دانستہ نامناسب حرکات پر، ان کی چھوٹی موٹی شرارتوں پر، ان کی نافرمانی پر صبر کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اولاد کے لئے رحم دلی کی صفت مانگنی ہوگی اور ظاہری تدبیر کے طور پر جب بھی اولاد کی طرف سے کوئی تکلیف درپیش ہو تو چار کام کریں۔

۱ سب سے پہلے تو انہیں دل سے معاف کر دیں اور زبان سے اس کا اظہار بھی مناسب ہو تو کر دیں، کیونکہ باپ کو تکلیفیں دے کر تو انہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بنا ہی لیا، اگر آپ نے انہیں معاف نہ کیا تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں معاف نہیں کرے گا اور ان سے ناخوش رہے گا۔ پھر ظاہر ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، اس سے دنیا و آخرت میں کیا بھلائی سرزد ہو سکتی ہے؟ لہٰذا اس کی دنیا و آخرت دونوں برباد نہ ہوں، اس لئے آپ اسے فوراً دل سے معاف کر دیں۔

۲ اس کے بعد اپنی اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں یعنی صرف یہ نہیں کہ ان کی دی گئی تکالیف پر صبر کیا، ان کی خطاؤں کا ان سے انتقام نہ لیا، ان کی ایذاؤں پر بھی ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھا اور ان کو معاف کر دیا۔ بلکہ ان کی خیر خواہی بھی نہ چھوڑیں اور اپنے دل میں ان کے دین و دنیا کی درستگی کی فکر رکھیں اور چونکہ سب سے بڑی خیر خواہی ان کی آخرت کی درستگی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لئے ان کی بخشش کی دعا بھی مانگیں۔

۳ پھر آخر میں اولاد کی مکمل تسلی و تشفی کے لئے آئندہ بھی ان سے مشورہ کرنے کا اہتمام کیجئے۔ یعنی ان کی اس غلطی کرنے سے پہلے جیسے آپ چھوٹے بڑے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، اب بھی وہی سلسلہ جاری رکھیں تا کہ ان کے

ذہنوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ہمارے والد اور ہمارے مربی کے قلب میں ہماری طرف سے میل کا کوئی ذرہ بھی نہیں ہے۔ اب بھی ان کے دل میں ہماری خیر خواہی کا جذبہ اتنا ہی ہے، جتنا پہلے تھا۔

۴ امید رکھیے! مایوس کبھی نہ ہوئیے، والد کی محنت اور دعا بعض اوقات بڑھاپے میں اولاد کی ہدایت کا سبب بن جاتی ہے۔ بعض اوقات والد کے انتقال کے بعد اولاد ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتی ہے۔ والد کی دعا ضرور رنگ لاتی ہے، اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ بچوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے، ان کو تعلیم یافتہ اور ماہر، سمجھدار، فرمانبردار بنانے کے لئے والد کی محنت اور دعا ضرور رنگ لاتی ہے، چاہے دیر سے ہو۔

نیک والد کی اپنے بیٹے کو وصیت

یوں تو ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیئے کہ اپنی وصیت ضرور لکھ کر رکھے، انسان کی موت کا کوئی بھروسہ نہیں، پتہ نہیں کس وقت بلاوا آجائے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کے حقوق رہ گئے ہوں، کسی کا قرض رہ گیا ہو، اور موت آجائے اور ان کا قرض ذمے باقی رہے۔

وصیت کرنا ایسا مبارک عمل ہے کہ اکثر نافرمان اولاد بھی باپ کے انتقال کے بعد اس کی وصیت پر ضرور عمل کرتی ہے۔ وصیت کرنے کی احادیث مبارکہ میں تاکید آئی ہے۔ حدیث شریف میں اس کی فضیلت کے متعلق فرمایا:

"جو شخص وصیت کر کے دنیا سے گیا، وہ سیدھے راستے پر اور سنت والے راستہ پر دنیا سے گیا اور تقویٰ اور شہادت پر مرا اور مغفرت کی حالت میں دنیا سے گیا۔"[1]

[1] مشکوۃ، باب الوصایا: ج ۱ ص ۲۶۶

وصیت لکھنے کا تفصیلی طریقہ:

۱ احکام میت۔ تالیف حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۲ طریقہ وصیت۔ مؤلفہ علماء مدرسہ بیت العلم گلشن اقبال کراچی۔

ان دونوں کتابوں میں مذکور ہے۔ ان کو پڑھ کر اپنی وصیت لکھی جا سکتی ہے۔ اب (The will) کے نام سے اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں مردوں، عورتوں، علماء، عوام سب کے لئے تفصیلی طریقہ وصیت لکھا ہوا ہے، لیکن کچھ وصیتیں، نصیحتوں کی شکل میں ہوتی ہیں، وہ بھی گھر کے ذمہ دار، والد، دادا، تایا، ماموں، وغیرہ کو اپنے چھوٹوں کو کرنی چاہئیں۔

لہٰذا مندرجہ ذیل نصیحتیں غور سے پڑھیں اور بچوں کو بٹھا کر سنائیں اور چھوٹے بچوں کو زبانی یاد کروائیں۔ ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

اے پیارے بیٹے! میری وصیت کو یاد رکھنا، سعادت مندانہ زندگی پائے گا اور شہادت کی موت پائے گا۔ اے بیٹے! جو شخص اپنی قسمت پر قناعت کرتا ہے، وہ بے نیاز رہتا ہے اور جو دوسروں کی ملکیت کی جانب آنکھ اٹھاتا ہے، وہ حالت فقر میں مرتا ہے اور جو اس چیز پر راضی نہیں ہوتا جو اللہ نے اس کی قسمت میں رکھ دی ہے تو گویا وہ قضاء الٰہی کو متہم کرتا ہے اور جو شخص اپنے قصور کو کم سمجھتا ہے، اس کو دوسروں کے قصور بڑے نظر آتے ہیں اور جو شخص اپنے قصور کو بڑا سمجھا کرتا ہے، اس کو غیروں کے قصور معمولی نظر آتے ہیں۔ جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے، اس کے گھر کے پردے کھل جاتے ہیں اور جو شخص بغاوت کی تلوار سونتتا ہے، وہ اسی تلوار سے قتل ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودتا ہے، وہ خود اس میں گرتا ہے۔ جو شخص بے وقوفوں سے ملتا ہے، وہ بے وقعت ہو جاتا ہے اور جو اہل حق علماء کی صحبت میں رہتا ہے، وہ باوقعت ہو جاتا ہے۔ جو شخص برائی کے مواقع پر جاتا ہے، وہ متہم ہو جاتا ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! ہمیشہ حق کہو، خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف۔ اپنے

کو چغل خوری سے دور رکھو، اس لئے کہ چغل خوری لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔

حضرت عقبہ بن نافع قرشی صحابی ہیں، جو افریقہ میں شہید ہوئے۔ انہوں نے اپنے لڑکوں کو آخری وقت میں تین باتوں کی وصیت کی تھی:

۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صرف ثقہ آدمی سے قبول کرو۔
۲ قرضہ نہ لینا، اگرچہ کمبل پوشی کرنی پڑے۔
۳ تم میں سے کوئی شخص اشعار نہ لکھے، جو قرآن سے غافل کر دیں۔ [1]

حکم ربانی کو بیٹے کی محبت پر ترجیح دینا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیبہ میں یہ بات واضح ہے کہ انہیں اپنی اولاد سے بہت پیار تھا، لیکن اولاد سے ان کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب نہ تھی کہ احکام الہیہ کی تعمیل میں رکاوٹ بن جائے۔

درج ذیل دو واقعات پڑھیے:

۱ ...... شیر خوار لخت جگر کو بنجر اور ویران وادی میں چھوڑنا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند عطا فرمایا، پھر انہیں حکم دیا کہ اس بچے اور اس کی والدہ کو ایسی وادی میں چھوڑ آئیں، جہاں نہ کھیتی تھی، نہ پانی اور نہ ہی کوئی انسان۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد سے شدید تعلق اور پیار کے باوجود اپنے رب تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل بلا چوں و چراں کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

﴿ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرٰهِيمُ وَبِابْنِهَا إِسْمَاعِيلَ. عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. وَهِيَ

[1] خیر القرون کی درس گاہیں: ص ۲۳۳

تُرْضِعُهُ. حَتّٰى وَضَعَهُمَا عِنْدَ الْبَيْتِ عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ. فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ وَسِقَاءً فِيهِ مَاءٌ ثُمَّ قَفّٰى إِبْرَاهِيمُ. عَلَيْهِمَا السَّلَام. مُنْطَلِقًا.

فَتَبِعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَام، فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيمُ! أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا بِهٰذَا الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ فِيهِ أَنِيسٌ وَلَا شَيْءٌ؟

فَقَالَتْ لَهُ ذٰلِكَ مِرَارًا، وَجَعَلَ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ:

"آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟"

قَالَ: "نَعَمْ."

قَالَتْ: "إِذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا

ثُمَّ رَجَعَتْ.﴾[1]

ترجمہ: "پھر ابراہیم علیہ السلام اس (ام اسماعیل) کو اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کو لے آئے، اور وہ (ان دونوں) انہیں دودھ پلا رہی تھی، اور ان دونوں کو بیت اللہ کے پاس ایک بڑے درخت کے نیچے بٹھا دیا، (اور) وہ جگہ (اب) مسجد کے بالائی حصہ میں زمزم کے اوپر ہے، اور تب مکہ میں کوئی نہ تھا، اور نہ ہی وہاں پانی تھا، انہوں نے ان دونوں کو اسی مقام پر چھوڑا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور ایک پانی کا مشکیزہ چھوڑا اور خود واپس کا رخ کیا۔

ام اسماعیل علیہما السلام ان کے پیچھے چلیں، اور کہنے لگیں: اے ابراہیم علیہ السلام!" "آپ ہمیں اس وادی میں کہ اس میں نہ تو کوئی انس رکھنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اور چیز، چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟"

[1] صحیح البخاری، کتاب الانبیاء باب یزفون: ج ۱ص ۴۷۴

انہوں نے یہ بات (پکار پکار کر) متعدد مرتبہ دہرائی، لیکن ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ آخر انہوں نے کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟

انہوں نے جواب میں فرمایا: ''ہاں۔''

انہوں نے کہا: ''پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''

پھر وہ واپس لوٹ گئیں۔''

ایسے حالات میں حکم الٰہی کی تعمیل کچھ آسان بات نہ تھی۔ انتہائی کٹھن اور دشوار مرحلہ تھا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے پیار پر اپنے مالک اللہ رب العزت کے حکم کو ترجیح دی۔

سب جانتے ہیں کہ کبر سنی کے عالم میں ملنے والے نور چشم سے بوڑھے والد کا لگاؤ کس قدر ہوتا ہے۔

(الف)...... حضرت اسماعیل علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اول تھے، اور اولاد والے پہلوٹھی بچوں کی محبت کی دلوں پر گرفت سے خوب آگاہ ہیں۔

(ب)...... حکم الٰہی صرف یہ نہ تھا کہ نور نظر کو اپنی نگاہوں سے دور کرو، گوشہ جگر سے جدائی اختیار کرو، اور صرف اسی حکم کی تعمیل سینے میں باپ کا دل رکھنے والے کے لئے آسان نہیں، لیکن حکم تو یہ تھا کہ سرور نظر اور راحت جان کو ایسی جگہ پر چھوڑ کر آؤ جہاں نہ کھیتی ہے، نہ پانی، نہ انسان، اور نہ ہی کوئی اور چیز۔

(ج)...... فرزند کو ایسے مقام پر چھوڑنے کا حکم بیٹے کی قوت و طاقت اور جوانی کے زمانے میں نہ تھا، بلکہ وہ ان کی کمزوری کا زمانہ تھا کہ تب وہ شیر خوار بچے تھے، اور ایسی حالت میں ننھے منھے پیارے اور نازک پھول کو ویران اور بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑنے کا تصور، اولاد والوں کے جسموں پر کپکپی طاری کرنے کے لئے کافی ہے۔

(د)...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زوجہ محترمہ ام اسماعیل علیہما السلام کے متعدد بار پکارنے کے باوجود ان کی طرف اور اپنے نورِ نظر کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شفقت پدری میں طغیانی آئے اور وہ حکم الٰہی کی تعمیل میں رکاوٹ بن جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔[1]

۲ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے مستعد ہونا:

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اس عمر کو پہنچے کہ کام کاج میں اپنے بوڑھے والد ماجد حضرت ابراہیم کا ہاتھ بٹا سکیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت خلیل علیہ السلام شفقت پدری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حکم ربانی کی تعمیل کے لئے فوراً آمادہ ہوئے۔ ان کی اس عظیم اور بے مثال قربانی کا ذکر درج ذیل آیات کریمہ میں اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾[2]

ترجمہ: "جب وہ (بچہ) اس کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا: "اے میرے چھوٹے بیٹے! میں

---

[1] ماخوذ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحیثیت والد: ص ۹۱

[2] سورۂ صٰفٰت: آیت ۱۰۲ تا ۱۱۱

خواب میں تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیری رائے کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''اے میرے باپ! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اس کو بجالائیں۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔''

جب وہ دونوں مطیع ہوگئے (یعنی حکم الٰہی کی تعمیل کے لئے مستعد ہوگئے) اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا، تو ہم نے اس کو آواز دی: ''اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

درحقیقت یہ بہت بڑی آزمائش تھی اور ہم نے اس (اسماعیل علیہ السلام) کے بدلے میں بہت بڑی قربانی دے دی۔ اور تمام آنے والے لوگوں میں اس (عظیم واقعہ) کا ذکر باقی رکھا۔ ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو۔ ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا۔''

آیت کریمہ میں ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کام کاج کی صلاحیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾

ترجمہ: ''یعنی وہ اپنے باپ کے ساتھ کوشش کرنے کے قابل ہوگیا۔''

اور اس پر اکتفا نہیں کیا کہ:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ السَّعْيَ﴾

ترجمہ: ''وہ کوشش کرنے کے لائق ہوگیا۔''

علامہ زمخشری نے اس اضافے کی حکمت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے ساتھ دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ شفقت کرنے

والا اور مہربان ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے بیٹے کو اسی وقت اپنے ساتھ کام پر لگائے گا، جب اس میں کام کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوگی۔ دوسرے لوگوں کا غالباً مطمع نظر تو کام لینا ہی ہوتا ہے، کام کرنے والے میں خواہ استعداد اور استطاعت کامل ہو یا ناقص۔[1]

اور یہ بات تو معلوم ہے کہ استعداد اور استطاعت والے بچے میں باپ کی رغبت، اور اس کے لئے محبت عام طور پر دیگر بچوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے: یعنی اس عمر کو پہنچ گیا کہ سعی اور کوشش کے قابل ہوگیا، اور اس عمر کا بچہ غالباً والدین کو بہت پیارا ہوتا ہے، کیونکہ اب اس کے بوجھ بننے کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے اور والدین کے بوجھ اٹھانے کا دور شروع ہوتا ہے۔[2]

اس فرزند جلیل میں اللہ تعالیٰ نے دیگر اوصاف کے ساتھ ایک ایسی خوبی ودیعت کر رکھی تھی، جو بوڑھے باپ کے ساتھ اس کے تعلق اور محبت کو دوچند کردیتی ہے، اس خوبی کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾[3]

ترجمہ: "تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔"

اور بڑھاپے میں بردبار بیٹے کی قدر و منزلت، اس نعمت سے محروم بوڑھے والدین خوب جانتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح کرنے کے لئے بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑنے کے بعد بیٹے نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قمیص اتار لی جائے تاکہ انہیں

---

[1] الکشاف: ج ۳ ص ۳۴۷

[2] ملاحظہ ہو: تفسیر السعدی: ص ۷۰۷

[3] سورۂ صفت آیت ۱۰۱

اس میں کفنایا جاسکے، کیونکہ انہیں کفنانے کے لئے وہاں اور کوئی کپڑا موجود نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے قمیص اتارنے کے لئے لپکے۔

اللہ اکبر! یہ مرحلہ کتنا کٹھن اور دشوار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾ [1]

ترجمہ: ''درحقیقت یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔''

اور حضرت خلیل الرحمن علیہ السلام اس میں صبر و استقامت کا پہاڑ ثابت ہوئے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامِ لَمَّا أُمِرَ بِالْمَنَاسِكِ عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَسْعٰى، فَسَابَقَهُ، فَسَبَقَهُ إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامِ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامِ إِلٰى جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ، فَعَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، وَثَمَّ تَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ، وَعَلٰى إِسْمَاعِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامِ قَمِيْصٌ أَبْيَضُ. وَقَالَ: "يَا أَبَتِ! إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ ثَوْبٌ تُكَفِّنُنِيْ فِيْهِ غَيْرُهُ، فَاخْلَعْهُ حَتّٰى تُكَفِّنَنِيْ فِيْهِ" فَعَالَجَهُ لِيَخْلَعَهُ، فَنُوْدِيَ مِنْ خَلْفِهِ: (أَنْ يَّاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا).

فَالْتَفَتَ إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامِ فَإِذَا هُوَ بِكَبْشٍ أَبْيَضَ أَقْرَنَ أَعْيَنَ.

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: "لَقَدْ رَأَيْتُنَا نَتَّبِعُ هٰذَا الضَّرْبَ مِنَ الْكِبَاشِ." ﴾ [2]

---

[1] سورۃ الصّٰفّٰت: آیت ۱۰۶

[2] المسند رقم: ۲۷۰۷، ج ۴ ص ۲۲۹

ترجمہ: ''جب ابراہیم علیہ السلام کو مناسک (حج) کا حکم دیا گیا تو سعی کی جگہ میں شیطان ان کے سامنے آیا، اور اس نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی، لیکن ابراہیم علیہ السلام اس پر سبقت لے گئے۔ پھر جبریل علیہ السلام انہیں جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے۔ تو شیطان (پھر) ان کے سامنے آیا۔ انہوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور وہ چلا گیا (پھر جمرہ وسطی پر ان کے سامنے آیا تو انہوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں) اور اس مقام پر انہوں نے اس (اپنے بیٹے) کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا۔ (تب) اسماعیل علیہ السلام نے سفید (قمیص) پہن رکھی تھی، انہوں نے عرض کی: ''اے میرے باپ! آپ کے مجھے کفنانے کے لئے میرے پاس اس قمیص کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں، آپ اس کو اتار لیجئے تاکہ آپ مجھے اسی میں کفنا سکیں۔''

وہ قمیص اتارنے کے لئے تیار ہوئے اور انہیں پیچھے سے آواز دی گئی: ''اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔''

ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو (وہاں) ایک سفید رنگ کا سینگوں اور موٹی آنکھ والا مینڈھا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''یقیناً ہم نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم اسی قسم کے مینڈھے خریدتے ہیں۔''

بچے کے دل میں اللہ کے ذکر کی اہمیت بٹھائیے

ابوالعباس بن مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں یمن میں تھا۔ وہاں میں نے ایک ماہی گیر کو دیکھا کہ وہ دریا کے ساحل پر بیٹھا مچھلیاں پکڑ رہا ہے اور اس کے ایک طرف اس کی چھوٹی لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ جب

بھی وہ مچھلی پکڑ کر زمین پر ڈالتا ہے تو اس کی لڑکی اس کو پکڑ کر اپنے باپ کی بے خبری میں دریا میں ڈال دیتی ہے۔ جب اس ماہی گیر نے پیچھے مڑ کر یہ دیکھنا چاہا کہ کتنی مچھلیاں ہو گئیں؟ تو دیکھا کہ تھیلا بالکل خالی ہے۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ بیٹی وہ مچھلیاں کہاں گئیں؟ بچی نے جواب دیا کہ ابا جان! میں نے آپ کو ہی کہتے ہوئے سنا تھا کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''مچھلی جال میں جب ہی پھنستی ہے کہ جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو۔'' لہٰذا مجھ کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوا کہ ایسی چیز کو کھاؤں، جو اللہ کے ذکر سے غافل ہو۔ لڑکی کا جواب سن کر باپ رو پڑا اور جال کو پھینک دیا۔''[1]

یہ ہے ہمارے اسلاف و آباء کی تربیت، کہ اولاد کے دل میں ذکر اللہ کی اس قدر اہمیت بٹھا دی تھی کہ مچھلی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حلال غذا ہے، اس کو بھی اپنے معصومانہ ذہن کی وجہ سے کھانا اس لئے برداشت نہیں کہ اس کے خیال میں یہ اللہ کے ذکر سے غافل ہیں۔ جو اللہ کے ذکر سے غافل ہو، اس سے مسلمان کا کیا جوڑ؟ آج ہم بھی نیت کر کے کوشش شروع کر دیں تو ہم اپنی زندگی ہی میں اس کا اثر دیکھ سکتے ہیں۔ زندگی ہی میں یہ بچے ہماری آنکھوں کے لئے چمکتا ہوا نور اور ہمارے دلوں کے لئے اسباب راحت وسکون بن جائیں، اور اس طرح تربیت کرنا بہت ہی آسان ہے۔ بچے کو بچپن سے اللہ کے ذکر پر لگا دیجیے، اس کے ذہن میں یہ بٹھانے کی کوشش کیجیے کہ مسلمان جب ذکر کرتا ہے تو شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور جب ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ ''مسنون دعائیں'' کتاب میں سے بچے سے دعائیں لکھوایئے اور یاد کروایئے۔

فضائل ذکر کا رسالہ گھر میں پڑھیے، اس رسالہ میں شیخ الحدیث صاحب رحمۃ

---

[1] ماخوذ از صلوۃ الصلوۃ

اللہ علیہ نے صفحہ ۵۹ پر ذکر کے سو فوائد لکھے ہیں۔ ان فضائل میں سے ایک ایک بچے کو مناسب موقع پر اس طرح سمجھائیں کہ اس کے ذہن نشین ہو جائے۔ چھوٹے بچوں اور بچیوں کو وہ سو فوائد کاپی میں لکھوائیے اور پھر آپس میں مقابلہ کروا کر امتحان لیں، جیتنے پر انعام دیں کہ کس کو ذکر کے اور نماز کے فضائل زیادہ یاد ہیں۔ خود بھی اس کے سامنے ذکر کرتے رہیئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیئے کہ اے اللہ! میرے بیٹے ...... کو ذاکر و شاکر بنا، میری بیٹی ...... کو ذاکرہ و شاکرہ بنا۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو یہ مل جائیں اس کو دین و دنیا کی بھلائی مل جائے، ایک وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو، دوسرے وہ دل جو شکر میں مشغول رہتا ہو، تیسرے وہ بدن جو مشقت برداشت کرنے والا ہو، چوتھے وہ بیوی جو اپنے نفس اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری آنے والی نسلوں کو یہ چاروں نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

نماز کی اہمیت و فرضیت

نماز فرائض اسلام میں سب سے اہم فریضہ اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

1. اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔
2. نماز قائم کرنا۔
3. زکوٰۃ ادا کرنا۔

[1] الترغیب والترہیب الترغیب في النكاح سيما بذات الدين الولود: ج ۳ ص ۴۸

❹ حج کرنا۔

❺ رمضان کے روزے رکھنا۔“[1]

ایک نماز کا بھی جان بوجھ کر ترک کرنا گناہ کبیرہ اور کفر کی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”بندۂ مسلم اور کفر کے مابین (فرق) نماز کو چھوڑ دینا ہے (یعنی نماز کا بھی جان بوجھ کر ترک کر دینا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے)۔“[2]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان فرق نماز کا عہد ہے۔ تو جس نے نماز کو چھوڑ دیا، اس نے کفر (کا کام) کیا۔“[3]

حضرت عبداللہ بن شقیق تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ (یعنی صحابہ کے زمانہ میں کافر ہی نماز ترک کیا کرتا تھا)۔“[4]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

”میرے دوست (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے نصیحت فرمائی کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا، اگرچہ تمہیں ٹکڑے کر دیا جائے اور جلا دیا جائے۔ اور کوئی فرض نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے جان بوجھ کر کوئی نماز چھوڑ دی تو اس سے اللہ کا ذمہ بری

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الایمان: ج۱ص۱۲

[2] مرقاۃ: ج۲ص۱۱۳

[3] مرقاۃ: ج۲ص۱۱۹

[4] مرقاۃ: ج۲ص۱۱۹

ہے۔[۱]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی مملکت کے تمام عمال (افسران وکارکنان) کے نام فرمان جاری کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔ جس نے نماز کا خیال رکھا اور اس کی پوری حفاظت کرتا رہا، وہ اپنے (باقی) دین کی بھی حفاظت کرے گا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا، وہ دین کی باقی چیزوں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔''[۲]

گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ پانچوں نمازوں کی پابندی ایک بندۂ مسلم کا وظیرہ اور ایمان کی علامت ہے اور اس میں جان بوجھ کر کوتاہی کرنا کفر اور نفاق کی علامت ہے۔ نمازوں کی مجموعی اہمیت وفضیلت کے علاوہ ہر نماز کی بعض اپنی خصوصیات بھی ہیں، جو اسے باقی نمازوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ذیل میں نماز فجر سے متعلق بعض خصوصیات اور کچھ فضائل احادیث کی روشنی میں ذکر کیئے جاتے ہیں۔ جس سے نماز فجر کی اہمیت کچھ اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

نماز فجر ادا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے

''حضرت جندب قسری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے اور ہرگز اللہ تعالیٰ اس سے اپنی ذمہ داری کا مطالبہ نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ جس سے اپنے ذمہ کا مطالبہ کرے گا، اللہ اسے پکڑ لے گا، پھر اسے منہ کے بل جہنم میں

[۱] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۱۹
[۲] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۲۶

داخل کرے گا۔"[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص فجر کی نماز اپنے وقت پر طریقہ سے ادا کر لیتا ہے، وہ اپنی ذمہ داری پوری کر کے اللہ تعالیٰ کی امان اور اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ کی امان میں آجائے، اس کی تباہی و بربادی کا کیا سوال؟ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص فجر کی نماز ادا نہیں کرتا تو اس نے اپنی ذمہ داری کا خیال نہیں رکھا اور اس کے ذمہ جو فریضہ عائد تھا، وہ ادا نہیں کیا۔ جب اس شخص نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور اس کی حفاظت سے بھی محروم رہے گا۔ بلکہ ایسا شخص مجرم ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے اسے معاف نہ کر دیں تو اس کی سزا جہنم ہے۔ "أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ" (اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے)

مذکورہ بالا روایت صحیح مسلم کی روایت تھی، مگر یہی روایت ترمذی شریف میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

> "جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی تو وہ اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تم سے اپنے ذمہ کا کوئی مطالبہ نہ کرے۔ (یعنی اگر تم صبح کی نماز ادا کر لو گے تو تم اللہ کی ذمہ داری میں آجاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرمائیں گے)۔"[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو "ابواب الفتن" میں ذکر کیا ہے، جہاں فتنوں سے متعلق احادیث جمع کر کے ذکر کی گئی ہیں۔ اس مذکورہ حدیث میں اگرچہ کسی فتنہ کا ذکر نہیں، لیکن امام ترمذی نے ابواب الفتن میں اس حدیث کو لا کر

---

[1] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۳۳

[2] ترمذی، ابواب الفتن: ج ۲ ص ۹

اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص یا جو قوم صبح کی نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے وہ فتنوں سے محفوظ رہتی ہے۔

لہٰذا موجودہ فتنوں سے حفاظت کا اہم ترین طریقہ یہی ہے کہ سب مل کر صبح کی نماز باجماعت کا اہتمام کریں تاکہ سب اللہ کی پناہ میں آجائیں۔ اللہ کے غضب سے نجات ہو اور سب لوگ فتنوں سے محفوظ ہو جائیں۔ "وَفَّقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى لِذٰلِكَ" (اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے)

فرض نماز نیند سے بہتر ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ سنت متواترہ آج بھی چلی آرہی ہے کہ ہر مؤذن صبح کی اذان میں "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے بعد دو مرتبہ پکار پکار کر اس حقیقت کا بہانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ:

﴿اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ﴾

ترجمہ: "(فرض) نماز نیند سے بہتر ہے۔"

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صبح کی ساکت فضاؤں میں مؤذن کا یہ اعلان ہر مسلمان صاحب ایمان کے لئے انتہائی توجہ کا حامل ہے۔

عام طور پر شیطان یہ بات دل میں ڈالتا ہے کہ اگر تم فرض نماز کے لئے اٹھ گئے۔ تو تمہاری نیند میں کمی ہو جائے گی، صحت خراب ہو جائے گی، بعد میں سونے کا موقع نہیں ملے گا وغیرہ۔ اس قسم کے تمام وسوسے واوہام کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا اور صاف اعلان کر دیا کہ: فرض نماز نیند سے بہتر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے اعتبار سے بھی اور دنیا کے اعتبار سے بھی، روحانی پاکیزگی کے اعتبار سے بھی اور جسمانی صحت کے اعتبار سے بھی فرض نماز کا

فائدہ نیند سے زیادہ ہے۔

ہاں اگر ضرورت کے مطابق نیند پوری نہ ہوئی ہو (جس کی عمومی حد چھ گھنٹہ سے کم نہ ہو اور آٹھ گھنٹہ سے زیادہ نہ ہو) تو سورج کے طلوع ہونے کے بعد یا دوپہر کو قیلولہ کی سنت ادا کرنے کے وقت اس نیند کو پورا کر لیا جائے اور سب سے بہتر بات یہ ہے کہ رات کو جلد سونے کی عادت ڈالی جائے، جسے ان شاء اللہ ہم آگے بھی ذکر کریں گے۔

عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھنے والے کو رات بھر کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔

> ''حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی، تو گویا اس نے آدھی رات عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی ہے۔''[1]

مغرب کی نماز کے بعد چاروں طرف تاریکی پھیل جاتی ہے اور دن بھر کا تھکا ماندہ آدمی گھر واپس لوٹتا ہے تو تاریکی، تھکن اور بیوی بچوں کی مشغولیت کے سبب عشاء کی نماز باجماعت مسجد میں جا کر ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر ہمت کر کے عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنا آدھی رات کی عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ سو جانے کے بعد فجر کے لئے بیدار ہونا اور مشکل معلوم ہوتا ہے۔

نیز فجر کے وقت نسیم صبح غافل انسان کو اور زیادہ سلاتی ہے۔ ایسے وقت میں ہمت کر کے اٹھ کھڑے ہونا مسلمان کو پوری رات کی عبادت کے ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے اور کسی شخص کا عشاء کی نماز باجماعت اور نماز فجر باجماعت ادا کر لینا ایسا ہے، گویا ساری رات اس شخص نے تہجد کی نماز ادا کی ہے۔ اب ذرا سی ہمت سے کام

---

[1] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۲۵

لے کر والدین یہ عظیم الشان ثواب بہ آسانی اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے حاصل کر سکتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز باجماعت وہی شخص ادا کرے گا، جو شروع رات سے باجماعت نماز فجر ادا کرنے کی نیت کر کے سوئے اور ایسا شخص غافل اور بدمست بن کر نہیں سوتا، بلکہ اس کی نیند چوکنی ہوتی ہے اور ہر مرتبہ آنکھ کھلنے پر وہ نماز فجر کے نکل جانے کے ڈر سے وقت کا جائزہ لیتا رہے گا۔ ایسا شخص گویا ساری رات نماز کے انتظار میں رہا۔ جو شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اسے مسلسل نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یعنی تم میں سے ہر آدمی جب تک نماز کا انتظار کرتا رہے، نماز ہی میں ہوتا ہے۔''[1]

فجر کی نماز میں دن رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے

اللہ جل شانہ نے قرآن حکیم میں نماز فجر اور اس میں پڑھے جانے والے قرآن کا بطور خاص ذکر کیا اور فرمایا:

﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾[2]

ترجمہ: ''بے شک فجر کے وقت قرآن میں فرشتے (بطور خاص) حاضر ہوتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

---

[1] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۹۷

[2] سورۂ اسراء آیت ۷۸

"فجر کی نماز فرشتوں کے جمع ہونے کا وقت ہے اور اس وقت میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔" [1]

ایک اور حدیث میں ہے:

"تم انسانوں میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے بدلتے رہتے ہیں اور نمازِ فجر اور نمازِ عصر میں یہ سب فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمہارے درمیان رات گزاری ہوتی ہے، وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں، تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے، حالانکہ اسے ان سب کا علم ہے: کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا۔ تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ: ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔" [2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کے وقت چونکہ رات ختم ہو رہی ہوتی ہے اور دن شروع ہو رہا ہوتا ہے اور عصر کے وقت دن ختم ہوتا ہے اور رات کا آغاز ہونے والا ہوتا ہے، ان دو وقتوں میں دن رات کے فرشتوں کا خاص اجتماع ہوتا ہے۔ ان دونوں نمازوں میں فرشتوں کے اس نورانی اجتماع کی برکات سے اپنے آپ کو محروم رکھنا کتنے افسوس اور نادانی کی بات ہے۔ اس لئے عصر اور فجر کی نمازوں کا خاص اہتمام کرنا اور مردوں کے لئے باجماعت نماز ادا کرنا خاص توجہ کی بات ہے اور اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان، صف اول اور گرمی میں ظہر کی نماز کی فضیلت کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"اگر لوگوں کو عشاء اور صبح کی نماز کے ثواب کا علم ہو جائے تو لوگ ان

---

[1] ترمذی، ابواب التفسیر (سورۃ بنی اسرائیل): ج ۲ ص ۱۳۵

[2] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۳۲

دونوں نمازوں میں ضرور شریک ہوں خواہ انہیں گھسٹ گھسٹ کر آنا پڑے۔“[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”منافقین پر کوئی نماز، نماز فجر اور نماز عشاء سے زیادہ بھاری نہیں اور اگر انہیں ان دونوں نمازوں کے ثواب کا علم ہو جائے، تو وہ ضرور آئیں خواہ گھسٹ کر آنا پڑے۔“[2]

ساری رات کی عبادت سے فجر کی نماز باجماعت بہتر ہے

”ابوبکر بن سلیمان راوی ہیں کہ: ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز میں (میرے والد) حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو نہ پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار تشریف لے گئے، راستہ میں حضرت سلیمان کا مکان تھا۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سلیمان کی والدہ حضرت شفاء پر گزر ہوا، تو ان سے پوچھا کہ: کیا بات ہے، صبح کی نماز میں سلیمان موجود نہ تھے؟ انہوں نے کہا کہ: سلیمان ساری رات نماز پڑھتے رہے، اس لئے صبح کے وقت آنکھ لگ گئی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ساری رات نماز پڑھنے کے مقابلہ میں فجر کی نماز باجماعت کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔“[3]

اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

1. حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلیمان کی کمی نماز میں محسوس کی جس

---

[1] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۴۵

[2] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۴۵

[3] مرقاۃ: ج ۲ ص ۶۵

سے معلوم ہوا کہ بڑے حضرات کو اپنے چھوٹوں کے اخلاق و کردار پر نظر رکھنی چاہیے، جس میں سے سب سے مقدم نماز ہے۔

۲ صحابہ کے زمانہ میں نماز باجماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ اگر کوئی مسلمان باجماعت نماز میں حاضر نہ ہوتا تو یہ پریشانی اور تشویش کی بات سمجھی جاتی تھی۔

۳ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے صبح کی نماز قضا کر دینے یا باجماعت نماز ترک کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی رات کو سو جائے اور صبح کو نماز فجر باجماعت ادا کرے، اس لئے کہ فجر کی نماز فرض ہے۔ اس کا عمداً چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے جب کہ رات بھر نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں، صرف نفل ہے اور باعث ثواب ہے۔ مزید یہ کہ اگر کوئی شخص فجر کی نماز باجماعت ادا کرے تو اسے ساری رات کی عبادت کا خود بخود ثواب مل جاتا ہے۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صبح کی نماز باجماعت میں ہر قیمت پر شرکت کی جائے (مگر یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو) اور ساری رات جاگنے سے پرہیز کیا جائے۔

۴ جب نماز فجر فوت ہونے کا غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں رات کو عبادت کرنا درست نہیں تو جاگ کر باتیں کرنا اور فضولیات میں جاگنے کی شرعاً کیسے اجازت ہوگی؟ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کے بعد فضول گفتگو کو ناپسند فرمایا ہے کہ کہیں صبح کی نماز قضا نہ ہو جائے۔

عشاء کے بعد فضول گفتگو کرنا مکروہ ہے

حدیث میں ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد فضول باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔"[۱]

البتہ اگر کوئی دینی بات ہو یا مسافر حالت سفر میں جاگتے رہنے کی وجہ سے

---

[۱] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۲۹

بات کرنا چاہے یا میاں بیوی آپس میں گفتگو کریں یا عالم اور طالب علم، علم دین میں مصروف ہوں تو اس کی اجازت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے:

''رات کو تھوڑی دیر علم کا مشغلہ، ساری رات کی عبادت سے افضل ہے۔''[1]

لیکن یہ اجازت بھی اس وقت ہے، جب کہ صبح کی فرض نماز قضا نہ ہو۔ کیونکہ فرض چھوڑ کر نفل اختیار کرنے میں کوئی ثواب نہیں۔ لیکن طالب علم کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ عشاء کے بعد جلدی سو جائے اور صبح جلدی اٹھ کر اس وقت یاد کر لے یا مطالعہ کرے۔ کیونکہ صبح کے وقت تھوڑا سا پڑھ لینا، جسم و دماغ کے لئے رات بھر پڑھنے سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فرائض و واجبات کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

فرائض وواجبات، نوافل پر بہر حال مقدم ہیں

شریعت میں فرائض، واجبات، سنن موکدہ اور مستحبات کی جو ترتیب رکھی گئی ہے، اس کا خیال رکھنا ہر مسلمان اور دیندار آدمی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ دیندار آدمی کئی طرح کی عملی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شریعت کے احکام میں فرائض و واجبات کا درجہ سب سے مقدم ہے۔ نوافل کا درجہ اور مرتبہ فرائض و واجبات سے بہت کم ہے۔ اگر کوئی شخص نوافل و مستحبات پر عمل کرے، مگر فرائض و واجبات کو ترک کر دے تو یہ اس کی بڑی غلطی ہوگی اور دین سے ناواقفیت کی دلیل ہوگی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا جو قرب فرائض و واجبات کی ادائیگی سے نصیب

---

[1] مرقاۃ: ج ا ص ۳۰۷

ہوتا ہے، نوافل سے اس درجہ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اعمال مقربہ، یعنی وہ عمل جن سے درگاہ الٰہی میں قرب حاصل ہوتا ہے، فرض ہیں یا نفل۔ مگر فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرضوں میں سے ایک فرض کا ادا کرنا، ہزار سالہ نفلوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ نفل خالص نیت سے ادا کیئے جائیں۔''[۱]

ایک اور مکتوب میں نماز فجر باجماعت کی تاکید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''نماز صبح کی دو (فرض) رکعتیں جماعت کے ساتھ ادا کرنا، جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے، کئی درجے اس سے بہتر ہے کہ تمام رات نفل نماز میں قیام کریں اور صبح کی نماز بے جماعت ادا کریں۔''[۲]

صبح کے وقت سونا پسندیدہ نہیں

صبح کے وقت کی اہمیت کی وجہ سے اکثر سلف صالحین عام حالات میں نماز فجر کے بعد بھی سونے کو پسند نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ ضعف اور بیماری وغیرہ کا عذر ہو۔ ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ہے:

﴿عَنْ عَبْدِاللہ بن عمرو اَنَّہٗ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ بَعْدَ صَلَاۃِ الصُّبْحِ وَھُوَ نَائِمٌ فَحَرَّکَہٗ بِرِجْلِہٖ حَتّٰی اسْتَیْقَظَ فَقَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ اللہَ تَعَالٰی یطلع فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ اِلٰی خَلْقِہٖ فَیُدْخِلُ ثُلَّۃً مِنْھُمُ الْجَنَّۃَ بِرَحْمَتِہٖ﴾[۳]

---

[۱] ارشادات مجدد الف ثانی: ص ۲۹
[۲] مکتوب نمبر ۵۲ ارشادات مجدد الف ثانی: ص ۴۴
[۳] مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۴۸

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کے بعد ایک آدمی کے پاس سے گزرے، جو سو رہا تھا تو انہوں نے اس آدمی کو پاؤں سے ہلایا یہاں تک کہ وہ بیدار ہو گیا تو آپ نے اس سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت میں اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ایک بڑی جماعت کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرماتے ہیں۔''

قرآن حکیم میں یہ بھی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ رات، سکون و آرام کے لئے ہے اور دن، معاش کی سرگرمیوں کے لئے۔ فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝﴾ [1]

ترجمہ: ''ہم نے رات کو لباس بنایا اور دن کو معاش کا وقت بنایا ہے۔''

ایک اور روایت میں ارشاد ہے:

﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصُّبْحَةُ تَمْنَعُ الرِّزْقَ﴾ [2]

ترجمہ: ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کا سونا، رزق کو روکتا ہے۔''

صبح کے وقت میں برکت ہے

یہ بات تو کئی احادیث میں مروی ہے کہ صبح کا وقت مبارک ہوتا ہے اور اس وقت میں دین یا دنیا کا کوئی جائز کام کیا جائے، اس میں برکت ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

---

[1] سورۃ النباء آیت ۱۰، ۱۱

[2] مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۶۰

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی روایات میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا﴾

ترجمہ: ''اے اللہ! میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت عطا فرما۔''[1]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً اَغْدَاهَا اَوَّلَ النَّهَارِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا﴾[2]

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو صبح صبح اسے بھیجتے اور دعا فرماتے کہ اے اللہ! میری امت کے لئے صبح کے وقت میں برکت عطا فرما۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿بَاكِرُوْا طَلَبَ الرِّزْقِ فَاِنَّ الْغُدُوَّ بَرَكَةٌ وَنَجَاحٌ﴾[3]

ترجمہ: ''صبح کے وقت میں اپنا رزق تلاش کیا کرو کیونکہ صبح کا وقت برکت اور کامیابی کا وقت ہے۔''

''رزق'' کا لفظ عربی زبان میں بہت عام ہے۔ زراعت ہو یا تجارت، علم مطلوب ہو یا عمل، روحانی غذا کی تلاش ہو یا جسمانی صحت کی، مطالعہ کرنا ہو یا غور و

---

[1] مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۶۸ تا ۷۰

[2] مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۶۹

[3] مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۶۹

فکر، باہر کے کام ہوں یا گھر کے اندرونی کام، ان سب کاموں کے لئے صبح کا وقت برکت کا وقت ہے۔ اس وقت میں کیئے جانے والے سب کام میں برکت بھی ہوتی ہے اور آسانی بھی اور کامیابی کی بھی قوی امید ہوتی ہے۔ نیز اس وقت میں ذہنی، جسمانی اور روحانی قوتیں چست اور تازہ دم ہوتی ہیں، جس سے کام بہتر بھی ہوتا ہے اور سہولت والا بھی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بطور خاص اس وقت متوجہ ہوتی ہے۔ اس لئے مردوں اور عورتوں کو یہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

نمازِ فجر کے بعد دینی کاموں میں مشغول ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد نماز کی جگہ میں بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اس نے چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لیں اور اس دوران بھلی بات کے سوا اور کچھ نہ کہا اور نہ کیا تو اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی، خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔''[1]

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ فضیلت حاصل ہوگی خواہ مسجد میں بیٹھے یا گھر آکر بیٹھ جائے، ذکر میں مشغول رہے یا فکر میں، علم سیکھے یا سکھائے یا بیت اللہ کا طواف کرے۔ یہ فضیلت ہر صورت میں حاصل ہوگی۔[2]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کو طبیب یا معالج نے مشورہ دیا ہو اور وہ بحالی صحت یا حفاظت صحت کی خاطر چہل قدمی کرے (اور اس دوران بدگوئی نہ کرے) تو وہ بھی ان شاء اللہ باعث ثواب ہے، کیونکہ صحت کی

[1] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الضحیٰ: ج۱ص۱۸۲

[2] مرقاۃ: ج۲ص۲۰۳

حفاظت فرض ہے۔ اس لئے کہ دینی فرائض و واجبات کی ادائیگی صحت پر موقوف ہے۔

''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر پڑھ لیتے تھے تو اپنی مجلس میں چوکڑی مار کر تشریف رکھتے، یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو جاتا۔''[1]

بعض دوسری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مختلف دینی امور پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

صبح کو جلد اٹھنے کی تدابیر

گزشتہ احادیث کے مطالعہ کے بعد اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ صبح اٹھنے کی کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ نماز کی فرضیت بھی مسلّم اور ترک نماز کا گناہ بھی مسلّم، ان دونوں باتوں سے کس مسلمان کو انکار ہے؟

لیکن ان سب کے علم کے باوجود پرنالہ وہیں گرتا ہے کہ صبح کو وقت پر آنکھ نہیں کھلتی۔ اس کا کیا علاج ہے؟

اس کے لئے عرض ہے کہ اس صورت حال کا اصل علاج تین چیزیں ہیں۔

(۱) فکر (۲) ہمت (۳) دعا۔

اگر یہ تین باتیں واقعتاً موجود ہوں تو پھر کسی اور تدبیر کی ضرورت نہیں۔

(۱) فکر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو نماز کی فکر ہو۔ سوتے رہنے سے اللہ کے عذاب کا خوف ہو۔ اپنی جان و مال پر تباہی کا ڈر ہو۔ دین اور دنیا کے کاموں میں بے برکتی کا اندیشہ ہو۔ ایسے وقت میں سونے کی نحوست کا احساس ہو اور صبح اٹھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے رحمتوں اور برکتوں کی امید ہو اور آخرت کے ثواب کا یقین

---

[1] مرقاۃ: ج۹ ص۸۹

ہو۔ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی امید ہو۔ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں، اس کی دنیا و آخرت دونوں بن گئیں۔ ان تمام باتوں کو سوچنے سے طبیعت متفکر ہو گی اور وقت پر آنکھ کھلے گی۔

ہم میں سے ہر شخص کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ ہے کہ اگر کبھی صبح کے وقت میں ہماری فلائٹ کا وقت ہو یا ٹرین کے ذریعہ روانہ ہونا طے ہو یا کوئی اور اہم کام ہو تو نہ صرف یہ کہ وقت پر آنکھ کھل جاتی ہے، بلکہ اس کام کی فکر سے رات کو وقت سے پہلے بھی دو تین مرتبہ آنکھ کھلتی رہتی ہے۔ یہ سب فکر کے کرشمے ہیں۔ یہی فکر فرض نماز کے لئے بھی درکار ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ درکار ہے۔ کیونکہ ہوائی جہاز چھوٹ جانے یا ٹرین سے رہ جانے کی صورت میں تو صرف دنیا ہی کا نقصان ہے، مگر فرض نماز چھوٹ جانے سے تو دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے۔

۴ ہمت وہ چیز ہے، جس کی بدولت انسان وہ سارے کام کر گزرتا ہے، جو اولِ نظر میں انتہائی مشکل نظر آتے ہیں۔ ہمت کی بدولت انسان کڑکتی سردی میں بھی گرم بستر چھوڑ دیتا ہے اور کم ہمتی ہو تو انسان چھ آٹھ گھنٹے کی نیند لینے کے باوجود کاہلوں کی طرح بستر پر پڑا رہتا ہے۔ صبح اٹھنے کے لئے بھی ہمت درکار ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہی آنکھ کھلے، انگڑائیاں یا کروٹیں لینے کے بجائے انسان بستر پر بیٹھ جائے اور بیٹھ کر مسنون دعا پڑھے، پھر کچھ نہ کچھ ذکر اللہ کرے یا کسی آیت کی تلاوت شروع کر دے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات کی تلاوت کرنا منقول ہے) اور اس کے بعد ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہو۔ آنکھ کھلنے کے بعد اگر انسان بستر پر انگڑائیاں لے یا کروٹ بدل کر لیٹا رہے یا پطرس بخاری کے بقول ناک کو سردی لگنے کی صورت میں چادر ناک پر ڈال دے تو پھر طلوع آفتاب کے بعد ہی آنکھ کھلتی ہے۔ اس لئے چادر ناک پر ڈالنے کے بجائے، اٹھ بیٹھنا ہی اصل علاج ہے اور اسی کا نام ہمت ہے۔

۳ دعا یعنی رات کو سونے سے قبل مسنون دعاؤں کو پڑھ کر سوئے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے صبح نماز فجر کے وقت بیداری کی دعا بھی کرے۔

مزید چند تدابیر

۱ رات کو کھانا بہت زیادہ پیٹ بھر کر نہ کھائیں اور کھانے کے بعد چہل قدمی کریں۔

۲ رات کو جلد از جلد سونے کی کوشش کریں۔

۳ عشا کی نماز کے بعد یار دوستوں سے یا ٹیلی فون پر فضول گفتگو سے پرہیز کیا جائے۔ البتہ شوہر اور بیوی کی گفتگو، علم دین کا مشغلہ اور مسافر کی بات چیت وغیرہ کا استثناء خود حدیث میں بھی آیا ہے۔[۱]

اس لئے بقدر حاجت گفتگو کی شرعاً ممانعت نہیں، بشرطیکہ نماز قضا نہ ہو۔

۴ سونے سے قبل سورہ کہف کی آخری آیات "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" سے آخر سورت تک پڑھ کر دعا کرے کہ یا اللہ فلاں وقت میری آنکھ کھل جائے، ان شاء اللہ اسی وقت آنکھ کھل جائے گی۔ اب آگے اٹھ بیٹھنا، یہ آپ کا کام ہے۔[۲]

۵ جاگ گھڑی (الارم) لگا کر سوئیں تاکہ وقت پر آنکھ کھلے۔

۶ کسی بے تکلف شخص سے یہ کہہ کر سوئیں کہ وہ فرض نماز کے وقت ہر قیمت پر آپ کو جگائے اور جب الارم بجے یا وہ شخص آپ کو اٹھائے تو اسی وقت بستر چھوڑ دیں۔

۷ وضو کر کے سوئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص وضو اور سوتے وقت کی دعا

---

[۱] مجمع الزوائد: ج ۲ ص ۶۴
[۲] تربیت السالک: ج ۲ ص ۶۰۳

پڑھ کر سوتا ہے، اگر وہ اس رات مر گیا تو اس کا انتقال دینِ فطرت پر ہوگا اور اگر وہ صبح کو زندہ رہا تو اس کو خیر ہی پہنچے گی۔[1]

ان سب تدابیر کے باوجود آنکھ نہ کھلے تو؟

اوپر کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں جو تدابیر تحریر کی گئی ہیں، ان پر عمل پیرا ہوں تو ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی یقینی ہے۔ فکر وہمت کو کام میں لانے اور ان تدابیر کو اختیار کرنے سے غفلت، کوتاہی اور سستی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور صبح کی فرض نماز میں حاضری اور اس کی بروقت ادائیگی ان شاء اللہ یقینی ہوگی، اور اگر بالفرض سونے سے قبل اپنی طرف سے ساری تدابیر اختیار کرلی جائیں، فکر اور ہمت میں بھی کوئی کمی نہ ہو اور پکا عزم کر کے انسان لیٹے کہ ان شاء اللہ ضرور اٹھوں گا اور پھر کسی دن اتفاقاً آنکھ نہ کھل سکنے کی وجہ سے انسان مجبوری میں سوتا رہ جائے اور نماز قضا ہو جائے تو پھر شریعت کی طرف سے کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ساری تدابیر اختیار کرنے بعد نیند اس طرح مسلط ہو جائے کہ انسان کی آنکھ واقعۃً نہ کھل سکے تو ایسا شخص مجبور بھی ہے اور معذور بھی اور ایسے شخص پر کوئی الزام نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”تین آدمی مرفوع القلم ہیں۔ سونے والا، جب تک بیدار نہ ہو جائے۔ بچہ، جب تک بالغ نہ ہو جائے اور مجنون، جب تک اسے عقل نہ آ جائے۔“[2]

لہٰذا جو سونے والا نماز کے عزم کے باوجود، اپنی طرف سے تدابیر اختیار کرنے کے باوجود سوتا رہ گیا، وہ شرعاً معذور ہے۔ کیونکہ اس کی طرف سے اختیاری طور پر کوئی کوتاہی نہیں پائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء إذا اوی إلی فراشہ: ج۲ص۱۷۶

[2] مرقاۃ: ج۶ص۲۹۰

"نیند کے دوران کوئی کوتاہی نہیں، کوتاہی تو بیداری میں ہوتی ہے۔"[1]

قضا نماز کی ادائیگی میں بھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے

عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کی نماز قضا ہو جائے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ اب نماز قضا ہو کر وقت تو نکل ہی گیا ہے، اطمینان سے نماز ادا کر لیں گے۔ چنانچہ یا تو وہ شخص پھر سو جاتا ہے یا کسی اور کام میں مصروف ہو جاتا ہے اور بسا اوقات فجر کی قضا، ظہر کی نماز کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو شخص نماز بھول گیا یا سوتا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو (فوراً) وہ نماز پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔"[2]

اسی لئے علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ قضا نماز میں بلا عذر تاخیر کرنا درست نہیں۔

البتہ وقت اگر مکروہ ہے تو وقت مکروہ نکل جانے کا انتظار کرلے، مگر مکروہ وقت نکلتے ہی فوراً قضا نماز پڑھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔

بہر حال آنکھ کھلتے ہی اٹھنا چاہیے، خواہ کسی وقت آنکھ کھلے اور فوراً نماز ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ موت کا وقت کب آجائے اور فرض نماز اور اس کے قضا کرنے کا گناہ کبیرہ انسان کے سر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

---

[1] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۳۵
[2] مرقاۃ: ج ۲ ص ۱۳۵

سنت غیر اختیاری

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان کی آہ و بکا مشہور ہے۔ یہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ فقر و فاقہ کا دور تھا۔ بڑی صعوبتیں اٹھا کر سرحد سے تھانہ بھون تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ تھانہ بھون تشریف لے جارہے تھے، عشا کے بعد امرتسر سے انبالہ تک کا سفر ریل گاڑی میں کھڑے ہو کر کیا۔ گاڑی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، اس لئے سارے راستہ کھڑے رہے۔ صبح کے قریب انبالہ اسٹیشن کے بعد بیٹھنے کی جگہ ملی۔ رات بھی جاگنے اور کھڑے رہنے کی وجہ سے تکان بہت ہو چکی تھی، بیٹھے تو آنکھ لگ گئی اور آنکھ اس وقت کھلی، جب سورج نکل چکا تھا اور فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی۔ بعد میں نماز تو پڑھ لی، لیکن فرض نماز کے قضا ہو جانے کا طبیعت پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ دل میں بار بار یہ بات آتی کہ تم شیخ کی خدمت میں جا رہے ہو، تمہاری فرض نماز قضا ہو گئی ہے، اب تم شیخ کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں ہو، اب کس منہ سے وہاں جا رہے ہو؟ اسی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں تھانہ بھون پہنچے اور کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہو گئے۔ مجلس جاری تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ کلام روک کر فرمایا:

"سنت کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ غیر اختیاری پر اختیار سے عمل نہیں ہے، ہاں بغیر اختیار کے ہو جائے تو اس میں سنت کی مطابقت ہو جاتی ہے۔"

پھر فرمایا:

"بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ زندگی

میں کوئی نماز بھی قضا نہ ہو۔ کوشش تو یہی کرنی چاہیے کہ کوئی نماز قضا نہ ہو، لیکن اگر غیر اختیاری طور پر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اختیاری طور پر سنت کا اتباع نصیب فرما دیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک مرتبہ غیر اختیاری طور پر فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔"

تنبیہ: یہ حکم اس وقت ہے جب کہ آدمی وقت پر نماز فجر باجماعت پڑھنے کا عادی ہو، پھر کبھی غیر اختیاری طور پر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اتفاقاً نماز قضا ہو جائے۔ لیکن اگر کسی شخص کی نماز اکثر ہی قضا ہوتی ہو اور کوئی عذر شرعی بھی نہ ہو تو اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ اس پر تو لازم ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح فجر کی نماز کا بہر حال پابند بنائے، خواہ اپنے نفس کو کچھ سزا دینی پڑے۔

نماز قضا ہوتے رہنے پر اپنے نفس کو سزا دینا

یوں تو قضا نماز کا کفارہ صرف یہ ہے کہ آدمی آنکھ کھلتے ہی فوراً نماز ادا کر لے۔ مزید کوئی صدقہ یا نماز انسان کے ذمہ بطور کفارہ واجب نہیں (جیسا کہ پچھلی حدیث میں معلوم ہوا)۔ لیکن اگر نماز قضا ہونے کی عادت ہونے لگے اور نفس سستی اور غفلت کا عادی ہونے لگے تو بطور تنبیہ کوئی شخص اپنے آپ پر خود کوئی سزا عائد کر لے۔ بعض حالات میں یہ تدبیر بہت مؤثر ہو جاتی ہے اور آدمی خود اپنی سزا کے ڈر سے وقت پر اٹھ کر ادا نماز پڑھنے لگتا ہے۔ ان تدابیر میں۔

1. ہر فرض نماز قضا ہو جانے پر آٹھ یا بارہ رکعتیں بطور نفل ادا کرنا۔
2. جس روز نماز قضا ہو، اس روز ناشتہ نہ کرنا۔
3. اگر نفس پر صدقہ بھاری ہو تو صدقہ کی کچھ رقم ادا کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

مندرجہ بالا تدابیر میں اصل تدبیر فکر آخرت پیدا کرنا، ہمت کا مظاہرہ کرنا اور

حق تعالیٰ جل شانہ کی محبت دل میں پیدا کرتا ہے۔ جس شخص کی طبیعت میں ہمت ہو، دل میں محبت خداوندی ہو اور اسے آخرت کی فکر لگی ہوئی ہو، اس کے لئے نماز فجر کے وقت اٹھ بیٹھنا، کچھ مشکل نہیں ہوتا اور اگر ایک مرتبہ آدمی ہمت کر کے اٹھ بیٹھے اور نماز فجر اپنے وقت پر صحیح طریقہ سے ادا کر لے تو اسے وہ روحانی کیف و سرور نصیب ہوتا ہے، جس کے سامنے نیند کی لذت ہیچ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں ایمان کی قوت، نیکی کی حلاوت، اور عبادات کی لذت نصیب فرمادے۔ آمین۔ و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔[۱]

دنیا و آخرت کی کامیابی کے چند اصول

مثالی باپ وہی ہے، جو اپنی اولاد کی تربیت بہترین انداز سے کرے اور انہیں وہ اصول یاد کرائے، جن سے ان کی دنیا و آخرت دونوں بنیں۔ نہ دنیا میں کسی کے محتاج ہوں اور نہ ہی ان کی آخرت برباد ہو۔ اس کے لئے ہم ذیل میں چند اصول تحریر کرتے ہیں، باپ اگر خود بھی ان پر عمل کرے اور بچوں کو از بر کرا کر ان پر عمل کرائے تو ان شاء اللہ ہر طرح کی کامیابی ان کے قدموں میں ہوگی اور دنیا کے سارے غموں سے نجات مل جائے گی:

۱ بچوں کو اچھی طرح یہ نصیحت یاد کرا دیں کہ "اِزْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ"[۲] یعنی اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ لوگ تم سے محبت کریں تو ان کے مال و جائداد پر نظر نہ رکھنا کہ اس سے وہ تمہیں لالچی سمجھیں گے اور تم سے دور بھاگیں گے۔

۲ اس بات کا پختہ یقین رکھو کہ جو مصیبت و پریشانی تمہیں پہنچی، وہ ہر صورت میں پہنچنی ہی تھی اور جو نفع نہ ملا، وہ تمہاری قسمت میں ہی نہ تھا۔ اس لئے پہنچی ہوئی

---

[۱] بشکریہ البلاغ نومبر ۱۹۹۶ء، صاحب مضمون مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی

[۲] مشکوٰۃ، ج ۲ ص ۴۴۴

مصیبت پر اور نہ ملنے والے فائدے پر واویلا نہ کرو کہ یہ بے کار ہے اور گویا اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر ناراضگی کا اظہار ہے۔

۳ جب تم سے کوئی سوال کرے تو ہر سوال کا جواب مت دو۔ اس لئے کہ ہر سوال کا جواب دینا عقل مندی نہیں۔ بسا اوقات جواب غلط ہوتا ہے یا کسی بات کا اقرار واظہار ہوتا ہے، جو بعد میں پچھتاوے کا سبب بنتی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس سوال کا جواب دو، خوب سوچ سمجھ کر جواب دو۔ فوراً جواب نہ دو، پہلے سوچو، اپنی بات دل و دماغ تک لاؤ، اگر دل و دماغ مطمئن ہیں تو زبان سے نکال دو، ورنہ ہرگز نہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی یاد رکھو کہ دو تین لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی مجلس میں کسی کی طرف متوجہ ہو کر سوال پوچھتا ہے تو تم جواب مت دو، خاموش رہو۔ ہاں تمہاری طرف متوجہ ہو کر سوال پوچھے تو سوچ کر جواب دو۔

۴ کسی ضدی شخص سے واسطہ پڑے اور وہ جاہلانہ بات پر جما رہے، سمجھانے سے نہ سمجھے اور تمہیں اس سے تکلیف ہو تو سلام کر کے اس سے جدا ہو جاؤ یا اس موضوع کو ہی تبدیل کر دو۔ مثلاً اگر کہیں کسی بات پر بحث مباحثہ ہو جائے تو فوراً بات کا موضوع بدل دو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [1]

ترجمہ: ''یعنی اللہ کے خاص بندوں کی صفت یہ ہے کہ) جب ان سے کوئی جاہل بحث مباحثہ کرے تو کہتے ہیں: سلام (یعنی بھائی "السلام علیکم" مجھے معاف رکھو)۔''

۵ اپنے رشتے داروں اور دوسرے دوستوں کو خلوص کے ساتھ کبھی کوئی تحفہ بھی دو، اگرچہ وہ تحفہ چند روپے کا ہی کیوں نہ ہو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تَہَادَوْا تَحَابُّوْا۔" [2]

[1] سورۂ فرقان آیت ۶۳ [2] کنز العمال: ج ۶ ص ۱۱۰

یعنی آپس میں تحفہ لیا دیا کرو۔ اس طرح کرنے سے آپس میں محبت بڑھے گی۔

❻ جو وعدہ کرو، اسے پورا کرو۔ اگر چہ اس میں بظاہر کوئی تمہارا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ" یعنی وعدے کو پورا کرو...... مزید فرمایا کہ "اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا"[1] وعدے کے متعلق قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب وعدہ کرے تو ایفاء نہ کرے۔"[2]

❼ اگر لوگوں کی نظروں میں محبوب بننا چاہتے ہو تو نیک عمل کرو اور کامل مؤمن بن کر رہو کہ اس طرح کرنے سے اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"[3] تحقیق اللہ پسند کرتا ہے احسان (نیک عمل) کرنے والوں کو۔ جب اللہ نے پسند فرمایا اور اللہ کا محبوب ہو گیا تو پھر جیسے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کے لئے زمین و آسمان میں محبت رکھ دیتے ہیں اور تمام مخلوق اس سے محبت رکھتی ہے۔

❽ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ کی امداد ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے تو دنیا کے مصائب و مشکلات پر صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ"[4] بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ساتھ ساتھ عمل کرتے کرو، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کا بدلہ ضرور دیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] سورۂ اسراء آیت ۳۴

[2] مشکوٰۃ، باب الکبائر و علامات النفاق: ج ۱ ص ۱۷

[3] سورۂ بقرہ آیت ۱۹۵

[4] سورۂ بقرہ آیت ۱۵۳

کا قانون ہے: "اَنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ"[1] یعنی میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ ہمیشہ یہ مقولہ یاد رکھیے کہ اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔

۹ اگر تم کسی دعوت میں جاؤ یا گھر پر ہی تمہیں کھانا پسند آ جائے تو پکانے والے کی تعریف بھی ضرور کرو کہ اس سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے اور کسی حد تک اس کا شکریہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اور کھانے پکانے کی تیاری میں جو تھکاوٹ ہوتی ہے، وہ بھی ان میٹھے بولوں سے دور ہو جاتی ہے۔

۱۰ اگر کوئی نعمت اللہ کی طرف سے حاصل ہو تو اس پر اللہ جل جلالہ کا بہت زیادہ شکر ادا کرو کہ یہ ذریعہ ہے اس نعمت کے ہمیشہ رہنے اور بڑھنے اور زیادہ ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾[2]

ترجمہ: "یعنی اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں اس نعمت کو تمہارے لیے بڑھا دوں گا۔"

اس کے لئے ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا سکھلائی گئی ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ﴾[3]

اسی طرح نعمتوں پر شکر ادا کرنے کیلئے ان دعاؤں کا بھی بہت اہتمام کریں۔

۱ ﴿اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الشُّكْرُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْخَلْقُ كُلُّهٗ بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ اَسْاَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ﴾[4]

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ۱۹۵
[2] سورۂ ابراہیم آیت ۷
[3] ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب فی الاستغفار: ج۱ص۲۱۳
[4] الترغیب والترہیب: ج۲ص۲۱۸، کنز العمال: ج۲ص۲۹۳

ترجمہ: "اے اللہ! سب تعریفیں تیری ہی ہیں اور سارا شکر بھی تیرے لئے ہے اور سب ملک تیرا ہے اور تمام مخلوق تیری ہے، سب بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے اور ہر معاملہ آخرکار تیرے ہی سامنے آتا ہے، لہٰذا میں ہر بھلائی تجھ ہی سے مانگتا ہوں اور ہر شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

۲ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَکَّارًا لَکَ ذَکَّارًا لَکَ رَهَّابًا لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاهًا مُنِیْبًا.﴾ [1]

ترجمہ: "اے رب! کردے مجھے ایسا کہ میں تجھے بہت یاد کروں، تیرا بہت شکر کیا کروں، تجھ سے ڈرا کروں، تیری بہت فرمانبرداری کیا کروں، تجھ ہی سے سکون پانے والا اور آہ وزاری کے ساتھ متوجہ ہونے والا ہو جاؤں۔"

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

۳ ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا.﴾ [2]

ترجمہ: "اے اللہ! کردے مجھے اعلیٰ درجہ کا صبر کرنے والا اور مجھے نہایت شکر گزار بندہ بنادے۔"

اس دعا میں یہ مانگا گیا ہے کہ مجھے شکور بنا یعنی بہت زیادہ شکر کرنے والا بنا دے، نوح علیہ السلام کو قرآن کریم میں "عَبْدًا شَکُوْرًا" (شکر گزار بندہ) کا خطاب دیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ نوح علیہ السلام کو شکر گزار بندہ اس لئے کہا گیا کہ وہ جو بھی کام کرتے تھے، چھوٹا ہو یا بڑا تو "بِسْمِ اللّٰهِ" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہا کرتے

---

[1] حاکم: ج ۱ ص ۵۲۰

[2] جامع صغیر للسیوطی: ص ۵۶

تھے۔ کچھ کھاتے یا پیتے یا کپڑا پہنتے، اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر کے اللہ کا شکر ادا کرتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو شکور کے لقب سے نوازا۔[1]

اس لئے احادیث میں ہمیں یہ دعا بھی سکھلائی گئی کہ یوں مانگو: ''اے اللہ! ہمیں نعمتوں پر شکر کے ساتھ ان نعمتوں پر تعریف کرنے والا بھی بنا دے، اور ہمارے اوپر نعمت کو مکمل فرما دیجیے اور اس کے ساتھ یہ دعا بھی کہ ہم بہت ہی عاجز بندے ہیں، سو فیصد آپ کی نعمتوں کے محتاج ہیں، لہٰذا آپ ہم پر اپنی تمام نعمتیں مکمل فرما دیجیے۔'' چنانچہ ارشاد ہے:

۴ ﴿اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا.﴾[2]

تَرجَمہ: ''اے اللہ! ہم کو اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان نعمتوں کے حصول پر تعریف کرنے والا بنا دے اور ہمارے اوپر اپنی نعمت پوری فرما دے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شکر کے لئے یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

۵ ﴿اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ.﴾[3]

تَرجَمہ: ''اے اللہ! تو مجھے ایسا بندہ بنا دے کہ خوب تیرا شکر کروں، تجھے یاد کیا کروں اور تیری نصیحت مانوں اور آپ کے حکم کو یاد رکھوں۔''

کبھی فرماتے:

۶ ﴿اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ﴾[4]

---

[1] تفسیر مظہری: ج۵ ص۴۰۳

[2] مصنف ابن ابی شیبہ: ج۶ ص۲۸

[3] ترمذی، ابواب الدعوات، باب أيُّ الكلام أحبُّ الى الله: ج۲ ص۲۰۱

[4] ترمذی، ابواب الدعوات، باب منه (دعاء اللهم اني أسألك الثبات في الأمر): ج۱ ص۱۷۸

ترجمہ: ''اے اللہ میں آپ کی نعمت پر شکر گزاری مانگتا ہوں اور آپ کی عبادت کو حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنے کا طالب ہوں۔''

غور کیجیے! شکر کتنی اہم اور عظیم دولت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف دعاؤں کے ذریعے اس کو مانگا کرتے تھے۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس پر نعمتیں بہت زیادہ ہوں اور موجودہ نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں تو اس کو چاہیے کہ بہت زیادہ شکر ادا کرے، اسی طرح جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی پریشانیاں ختم ہوں اور مصیبتوں کے دروازے بند ہو جائیں، اسے بھی چاہیے کہ خوب شکر ادا کرے۔ شکر کی دولت اتنی عظیم دولت ہے کہ خود اللہ جل جلالہ نے اپنے بندوں کو دعا سکھلائی ہے کہ مجھ سے اس طرح دعا کرو کہ اے اللہ! آپ ہمیں توفیق دیجیے کہ شکرِ نعمت ہر وقت ہر آن میرے ساتھ رہے۔ کسی وقت بھی مجھ سے جدا نہ ہو، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ [1]

ترجمہ: ''اے میرے رب! مجھ کو اس پر مداومت اور ہمیشگی دیجیے کہ آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں، جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (اس پر بھی مداومت دیجیے کہ) میں نیک کام کروں، جس سے آپ خوش ہوں، اور شامل کر لیجیے مجھ کو اپنی رحمت خاصہ سے اپنے نیک بندوں میں۔'' [2]

اس دعا پر بار بار غور کیجیے کہ کتنی اہم دعا ہے اور اس دعا کو حضرت سلیمان علیہ

---

[1] سورۂ نمل آیت ۱۹

[2] بیان القرآن: ص ۳۳۲

الصلوٰۃ والسلام مانگ رہے ہیں، یعنی اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی خود اس بات کی دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمایئے تو اندازہ لگائیں کہ ہم سب کو شکر کی توفیق حاصل ہونے کے لئے کتنی دعائیں مانگنی ہوں گی۔

یہ سات دعائیں شکر نعمت کے متعلق ہیں، ان کو یاد کر لینا چاہیے اور بار بار مانگتے رہنا چاہیے۔ جس کو شکر کی دولت مل گئی، اس کی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ مالک کا شکر گزار بندہ/ بندی/ بن کر رہتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ احسان کرے یا کچھ دے تو اس کا بھی شکریہ ادا کرو، اس کے لئے دعا کرو، اس لئے کہ:

﴿مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ﴾ [1]

ترجمہ: ”یعنی جو شخص لوگوں کا احسان مان کر شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔“

تربیت کے آٹھ سنہری اصول

ذیل میں آٹھ چیزیں لکھی جا رہی ہے۔ ہم خود بھی انہیں اپنے دل میں بٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے بچوں کی تربیت بھی ان کے مطابق کریں اور بچپن ہی سے ان کو یہ باتیں بتائیں۔ ان شاء اللہ آگے چل کر یہی آٹھ باتیں ان کے لئے مشعل راہ ہوں گی اور ان کی ہدایت کا سبب بنیں گی۔

1 ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے، (چیزوں سے، کھلونوں سے، گاڑی سے اچھے کپڑوں سے، امی سے، ابو سے، بیوی سے، اولاد سے، مال سے، اور احباب سے وغیرہ) لیکن جب آدمی قبر میں جاتا ہے تو اس کا محبوب اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے آدمی کو نیکیوں سے محبت کرنی چاہیے تاکہ جب اس کا انتقال ہو اور وہ

[1] ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء في صنائع المعروف: ج۲ ص۱۷

قبر میں جائے تو اس کے ساتھ اس کی نیکی بھی جائے اور مرنے کے بعد بھی جدا نہ ہو۔

❷ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ الاٰیۃ﴾[۱] ''اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے (آخرت میں) کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا، تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔'' آدمی کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ان سے روکے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم جائے۔

❸ دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو جو چیز بہت محبوب ہوتی ہے، اس کو بڑی احتیاط سے رکھتے ہیں، اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ﴾[۲] ''جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے، وہ ختم ہو جائے گا۔ (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ ہر حال میں وہ ختم ہوگا) اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔'' اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی آدمی کے پاس ایسی ہو جو اسے بہت پسند ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دے تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ یعنی اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

❹ دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ ہر شخص مال میں اپنی عزت و بڑائی سمجھتا ہے۔ کوئی حسب و نسب میں یا کسی اور چیز میں اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾[۳] ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔'' اس لئے آدمی کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف بن جائے۔

---

[۱] سورۂ نازعات آیت ۴۰

[۲] سورۂ نحل آیت ۹۶

[۳] سورۂ حجرات آیت ۱۳

۵ لوگ جو ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں اور عیب جوئی کرتے ہیں یا برا بھلا کہتے ہیں، یہ سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر حسد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ [۱] ''دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے ہی تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ (اس کی وجہ سے) ایک دوسرے سے کام لیتا رہے،(سب کے سب برابر ایک ہی نمونہ کے بن جائیں تو پھر کوئی کسی کا کام کیوں کرے، کیوں نوکری کرے اور اس طرح دنیا کا نظام خراب ہی ہو جائے گا) ''اس آیت پر نظر کر کے حسد چھوڑ دینا چاہیے اور ساری مخلوق سے بے تعلق ہو کر اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا چاہیے۔ جب روزی اللہ تعالیٰ بانٹتا ہے، اس کی کمی زیادتی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور حصول مال میں انسان کا کوئی دخل نہیں تو لوگوں سے حسد و دشمنی فضول ہے۔

۶ دنیا میں دیکھو تو ہر شخص کی کسی نہ کسی کے ساتھ لڑائی اور دشمنی ہے جب کہ اللہ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ'' [۲] ''یہ شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے سو تو اس کو (اپنا) دشمن (ہی) سمجھتے رہو۔'' تو مسلمان پر لازم ہے کہ شیطان سے دشمنی رکھے اور باقی لوگوں سے دشمنی ختم کرلے۔

۷ دنیا پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں سرگرداں ہے اور اس کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے جب کہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [۳] ''اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے،

---

[۱] سورۂ زخرف آیت ۳۲

[۲] سورۂ فاطر آیت ۶

[۳] سورۂ ہود آیت ۶

جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔" ہم بھی زمین پر چلنے والوں میں سے ہیں، جس کی روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ان کاموں میں مشغول کرے، جو اللہ تعالیٰ کے طرف سے اس پر لازم ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اس سے بے فکر ہو جائے۔

۸ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی نہ کسی ایسی چیز پر ہے، جو خود مخلوق ہے۔ کوئی اپنی جائیداد پر بھروسہ کرتا ہے، تو کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کیئے بیٹھا ہے، کسی کی نگاہ اپنی دستکاری پر ہے اور کسی کو اپنے بدن اور قوت پر ناز ہے، حالانکہ یہ سب چیزیں مخلوق اور فانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾[1] "جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔" اس لئے بس صرف اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرنا چاہیئے۔

ہم ایک اُمت ہیں

بچے کو یہ بات ذہن نشین کرائیے کہ ہم دیگر اقوام کی طرح ایک قوم یا ایک قبیلہ نہیں، جن کی تقسیم علاقائیت یا لسانیت کی بنیاد پر ہوئی ہو، بلکہ ہم ایک امت ہیں، جس کا اتحاد عقیدہ قرآن کی بنیاد پر ہے۔ مسلمان کسی بھی قوم، کسی بھی زبان، کسی بھی رنگ کا ہو، وہ دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور یہ سب ایک امت ہیں۔ اسی چیز کو سمجھانے کے لئے ہر سال بیت اللہ شریف میں پوری دنیا کے مسلمان حج کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ایک ہی لباس (احرام) پہنے ایک ہی کلمہ (تلبیہ) پڑھتے اور ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے

---

[1] سورۂ طلاق آیت ۳

بندے اور مسلمان ہیں اور ہم سب ایک ہی امت ہیں۔ ایک مسلمان دنیا کے ایک کونے پر اور دوسرا دوسرے کونے پر آباد ہے، کسی کا تعلق افریقہ سے ہے، تو کسی کا ایشیا سے، کسی کا امریکا سے تو کسی کا آسٹریلیا سے، لیکن سب کا کلمہ ایک، سب کا قرآن ایک، سب کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک، سب کا دین (اسلام) ایک، اور سب ایک امت و جماعت ہیں۔ ان میں سے ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہے، ایک کی پریشانی سب کی پریشانی ہے، ایک کی مصیبت سب کی مصیبت ہے اور ایک کا زوال سب کا زوال ہے۔ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمائی:

''مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت کرنے، پیار کرنے اور رحم کرنے کے سلسلہ میں ایک جسم کی طرح ہے، اگر جسم کا کوئی حصہ بیمار ہوتا ہے، تو باقی حصے جاگنے اور تکلیف (بخار) میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔''[1]

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی تعلق اور ربط و محبت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کر دیا ہے کہ مسلم معاشرہ (امت) جسد واحد کی طرح ہے۔ اگر ایک عضو میں بھی تکلیف ہوتی ہے، تو پورا جسم اس تکلیف میں شریک ہوتا ہے اور اسے محسوس کرتا ہے، اگر پیر کی چھوٹی انگلی میں درد ہو، تو آنکھیں سو نہیں پاتیں، دل و دماغ کو چین نہیں آتا، زبان کراہتی ہے اور چہرہ تکلیف کے احساس کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان بھی کسی تکلیف یا مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، تو تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تکلیف کو محسوس کریں اور اسے اپنی تکلیف و پریشانی سمجھیں۔ اس سے بڑھ کر پریشانی و مصیبت کیا ہوگی کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ اور توڑ رہے ہیں اور دشمنوں

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ: ج ۲ ص ۳۲۱

(کفار) کے طریقے اختیار کر رہے ہیں، بلکہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔ دین اور دینداری کو اپنے لئے باعث شرم سمجھتے ہیں اور اسے اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔

اس لئے بچوں کو یہ بات سمجھائیں کہ ہم سب مسلمان آپس میں ایک ہیں۔ کسی ایک کی بربادی ہم سب کی بربادی ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے کو بربادی اور نقصان سے بچائے، اپنے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے فکر کرے کہ کس طرح یہ امت دوبارہ اس مقام پر پہنچ جائے، جس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں تھی۔ اس لئے ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق اپنی حدود کے اندر اللہ تعالیٰ کے دین کو زندہ کرنے کی فکر کرے۔

اس کے لئے آپ بچوں کو اچھی اچھی باتیں بتائیں اور ان سے کہیں کہ ان باتوں کی اشاعت وتبلیغ اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں کریں۔ اس طرح ان کے دل میں امت کا درد پیدا کریں۔ جیسے جیسے یہ بڑے ہوتے جائیں گے، ان کا یہ درد اور فکر بڑھتا جائے گا اور آپ کی تربیت کی وجہ سے امت کو ایک ایسا فرد ملے گا، جو اس امت کی نشاۃ ثانیہ کا ایک ذریعہ ہوگا، جو ان شاء اللہ آپ کے لئے اور آپ کے اس بچے کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں بہت مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں

باپ کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد ہر قسم کی خوبیوں کا مجموعہ ہو۔ اس کے لئے باپ وقتاً فوقتاً اپنی اولاد کو نصیحتیں بھی کرتا ہے۔ اسی طرح کی وہ چند نصیحتیں جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کیں، جو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ آپ

بھی اپنی اولاد کو یہ اور ان جیسی اور نصائح کرتے رہیے، لیکن ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ ان نصیحتوں کو پڑھنے سے پہلے خوب دعا کرے۔ اے اللہ! مجھے ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور میری آنے والی نسلوں کو بھی اس پر عمل کرنے اور اس کو پھیلانے کی توفیق عطا فرما۔ یہ تمام وصیتیں نہایت قیمتی اور اہم ہیں، لہٰذا ہر مسلمان کے لئے اس پر عمل کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ ہر وصیت کو تین مرتبہ پڑھیے اور کبھی کبھی سب گھر والوں کو بٹھا کر سنائیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح کرنے سے بہت فائدہ ہوگا۔

منجملہ یہ بھی ہیں:

۱ بیٹا! علماء کی مجلس میں کثرت سے بیٹھا کرو اور حکماء کی بات اہتمام سے سنا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانہ حکمت کے نور سے مردہ دل کو ایسا زندہ فرماتے ہیں جیسا کہ مردہ زمین زوردار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔

۲ بیٹا! اللہ تعالیٰ سے ایسی امید رکھو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور ایسا اس کے عذاب سے خوف کرو کہ اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ دل تو ایک ہی ہے، اس میں خوف اور امید دونوں کس طرح جمع ہوں؟ انہوں نے فرمایا: کہ مؤمن ایسا ہوتا ہے کہ اس کے لئے گویا دو دل ہوتے ہیں، ایک میں پوری امید اور ایک میں پورا خوف۔

۳ بیٹا! "رَبِّ اغْفِرْلِیْ" بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے الطاف میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں جو کچھ آدمی مانگتا ہے، مل جاتا ہے۔

۴ بیٹا! نیک عمل اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ بغیر یقین کے نہیں ہو سکتا۔ جس کا یقین ضعیف ہوگا، اس کا عمل بھی سست ہوگا۔

۵ بیٹا! جب شیطان تجھے کسی شک میں مبتلا کرے، تو اس کو یقین کے ساتھ مغلوب کر اور جب تجھے عمل میں سستی کرنے کی طرف لے جائے، تو قبر اور قیامت

کی یاد سے اس پر غلبہ حاصل کر اور جب دنیا میں رغبت یا خوف کے راستے سے وہ تیرے پاس آئے، تو اس سے کہہ دے کہ دنیا ہر حال میں چھوٹنے والی چیز ہے۔

❻ بیٹا! جو شخص جھوٹ بولتا ہے، اس کے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور جس شخص کی عادتیں خراب ہوں گی، اس پر غم سوار ہوگا۔ پہاڑ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، احمقوں کے سمجھانے سے زیادہ آسان ہے۔

❼ بیٹا! جھوٹ سے اپنے کو بہت محفوظ رکھو۔ جھوٹ بولنا چڑیا کے گوشت کی طرح لذیذ تو معلوم ہوتا ہے، لیکن یہی جھوٹ بہت جلد جھوٹ بولنے والے شخص کے ساتھ دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

❽ بیٹا! جنازہ میں اہتمام سے شرکت کیا کرو اور تقریبات میں شرکت سے گریز کیا کرو، اس لئے کہ جنازہ آخرت کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور شادیاں اور تقریبات دنیا کی طرف مائل کرتی ہیں۔

❾ بیٹا! جب پیٹ بھرا ہوا ہو، اس وقت نہ کھاؤ۔ پیٹ بھرے پر کھانے سے کتے کو ڈال دینا بہتر ہے۔

❿ بیٹا! نہ تم اتنے میٹھے بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں، نہ اتنے کڑوے بنو کہ لوگ تمہیں تھوک دیں۔

⓫ بیٹا! تم مرغے سے زیادہ عاجز نہ بنو کہ وہ تو سحر کے وقت جاگ کر اذان دینا شروع کر دے اور تم اپنے بستر پر پڑے سوتے رہو۔

⓬ بیٹا! توبہ میں دیر نہ کرو کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ دفعۃً آجاتی ہے۔

⓭ بیٹا! جاہل سے دوستی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی جہالت کی باتیں تمہیں اچھی معلوم ہونے لگیں اور حکیم سے دشمنی مول نہ لو، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اعراض کرنے لگے۔

⓮ بیٹا! اپنا کھانا متقی لوگوں کے سوا کسی کو نہ کھلاؤ اور اپنے کاموں میں علماء سے

مشورہ لیا کرو۔

۱۵ کسی نے ان سے پوچھا کہ بدترین شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جو اس کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ کوئی شخص اس کو برائی کرتے ہوئے دیکھ لے۔

۱۶ بیٹا! نیک لوگوں کے پاس اپنی نشست کثرت سے رکھا کرو کہ ان کے پاس بیٹھنے سے نیکی حاصل کر سکو گے اور ان پر کسی وقت اللہ کی رحمت خاصہ نازل ہوئی تو اس میں سے کچھ نہ کچھ تم کو بھی ضرور ملے گا اور اپنے آپ کو برے لوگوں کی صحبت سے دور رکھو کہ ان کے پاس بیٹھنے سے کسی خیر کی تو امید نہیں اور ان پر کسی وقت عذاب ہوا تو تم کو ضرور پہنچ جائے گا۔

۱۷ بیٹا! جس دن سے دنیا میں آئے ہو، آخرت سے قریب ہوتے جا رہے ہو۔

۱۸ بیٹا! قرض سے اپنے کو محفوظ رکھو کہ یہ دن کی ذلت اور رات کا غم ہے۔

۱۹ بیٹا! جب تم سے کوئی شخص آکر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری دونوں آنکھیں نکال دیں اور واقعہ میں بھی اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہوں تو اس وقت تک اس کے متعلق رائے قائم نہ کرو، جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔ کیا خبر ہے کہ اس نے اس سے پہلے خود پہل کی ہو اور چار آنکھیں نکال دی ہوں۔[1]

فقیہ ابو اللیث نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت لقمان علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ بیٹا! میں نے تم کو اس مدت زندگی میں بہت سی نصیحتیں کیں، اس وقت تم کو چھ نصیحتیں کرتا ہوں۔

۱ دنیا میں اپنے آپ کو فقط اتنا ہی مشغول رکھنا، جتنی زندگی باقی ہے۔

۲ حق تعالیٰ شانہ کی طرف تمہیں جتنی احتیاج ہے، اتنی ہی اس کی عبادت کرنا۔

۳ آخرت کے لئے اس مقدار کے موافق تیاری کرنا، جتنی مقدار وہاں قیام کا ارادہ ہو۔

[1] فضائل صدقات حصہ دوم: ص ۳۱۲

۴ جب تک تمہیں جہنم سے خلاصی کا یقین نہ ہو جائے، اس وقت تک اس سے خلاصی کی کوشش کرتے رہنا۔

۵ گناہوں پر اتنی جرأت کرنا، جتنا جہنم کی آگ میں جلنے کی ہمت اور حوصلہ ہو۔

۶ جب کوئی گناہ کرنا چاہو تو ایسی جگہ تلاش کر لینا، جہاں حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے نہ دیکھیں۔[1]

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نصائح و مواعظ پر مشتمل ایک کتاب ''صحابہ کی زندگی'' منتخب از حیاۃ الصحابہ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔ اور اس میں سے بھی کچھ نصائح روزانہ گھر کے بلیک بورڈ پر لکھ دیا کریں۔ ایک ایک ہفتہ ایک ایک بچے کی ذمہ داری ہو کہ "رِسَالَةُ الْيَوْمُ" (آج کا پیغام) کے تحت یہ لکھ دیا کرے کہ آج کی یہ نصیحت ہے۔ روزانہ دن بھر ایک نصیحت پر بار بار نگاہ پڑے گی تو وہ دل میں گھر کر جائے گی۔

شیطان کے دھوکے سے بچیں

شیطان ہمارا ازلی اور اصلی دشمن ہے اور اس کا عمومی طریقہ واردات یہ ہے کہ ان چیزوں میں خرابی دکھاتا ہے، جو ہمارے لئے مفید ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں ہمارے لئے فائدہ بتلایا ہے۔ اس کے برعکس ایسی چیزیں، جو ہمارے لئے نقصان دہ ہیں، ان میں افادیت دکھلاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ، صدقات، خیرات ادا کرنے میں فائدہ بتلایا ہے اور واقعۃً ان احکام کو پورا کرنا، مال میں برکت اور حفاظت کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن شیطان اس میں مالی نقصان دکھاتا ہے۔ اسی طرح سود لینے میں اللہ تعالیٰ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سراسر نقصان بتایا ہے اور شیطان اس میں نفع دکھاتا ہے۔

---

[1] فضائل صدقات حصہ دوم، ص ۴۱۴

بہرصورت یہاں پر ہم شیطان کے زبردست دھوکے کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو "بیوی دوسرے کی اور بچے اپنے اچھے لگتے ہیں۔"

حالانکہ ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ آپ یہ سوچیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے منتخب فرما کر آپ کو دی ہو، کیا وہ آپ کے لئے بری ہو سکتی ہے؟

ہرگز نہیں، آپ تو یہ تصور کریں کہ دنیا کی سب سے حسین عورت آپ کی بیوی ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ خرابی ہو تب بھی۔

کیوں کہ غلطیوں، عیبوں اور کمیوں سے پاک ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور کسی کی نہیں۔ دین اسلام میں نکاح کا بنیادی مقصد، افزائش نسل کے علاوہ عفت و عصمت اور پاکیزگی بھی ہے اور یہ تب ہی حاصل ہو سکتا ہے، جب اپنی بیوی ہی اچھی لگے اور دوسری طرف نظر کرنا تو درکنار، دل میں بھی کوئی خیال نہ آئے۔

شیطان کے اس دھوکے سے بچنے کے لئے ہم یہاں پر چند ہدایات لکھتے ہیں، ان پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ آپ کو پرسکون ازدواجی زندگی نصیب ہوگی اور دل بھی مطمئن رہے گا اور بچوں کی تربیت بھی اچھی طرح ہو سکے گی، جو دنیا و آخرت میں منجانب اللہ آپ کو انعام کا مستحق بھی بنا دے گی۔

1 پہلی احتیاط تو یہ کی جائے کہ تمام نامحرموں سے اپنی نظروں کی سخت حفاظت ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

﴿عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ﴾ [1]

تَرجَمَۃ: "عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔""

[1] مجمع الزوائد: ج ۸ص ۶۳

اگر نظر کی حفاظت ہوگی تو دل بھی پاک رہے گا۔ لہٰذا شادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اپنی نظریں خوب بچائیے۔ اپنے آفس کی سیکریٹری، کولیگ، یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھانے والی استانیاں، ہم جماعت طالبات، بازاروں میں پھرنے والی عورتیں، پڑوسیوں کے گھر کی عورتیں، بہنوں کی سہیلیاں، پھوپھی زاد، تایا زاد، اور تمام زاد والی لڑکیاں، بڑے یا چھوٹے بھائیوں کی بیویاں یعنی بھابھیاں، سالیاں، گھر میں کام کرنے والی ماسی یا اس کی جوان بیٹی، چچی، ممانی، تائی، سالے کی بیوی، سالی کے شوہر کی بہنیں، چھوٹی عمر کی ہوں یا بڑی عمر کی نابالغہ بھی ہو تب بھی، ان سب سے اپنی نظروں کو بچانے کا خوب خوب اہتمام کیجیے۔

۲ انسان دھوکے میں تب آتا ہے، جب وہ کسی نامحرم پر نگاہ ڈالے اور نگاہ پڑتے ہی نیچے نہ کرے اور نہ آنکھیں بند کرے تو نفس و شیطان دل میں اس کا زہر چڑھاتے ہیں کہ دیکھو! بھائی کی بیوی کتنی خوبصورت ہے؟ اس کو کپڑا پہننے کا کیا سلیقہ ہے؟ اس کے بال کتنے گھنے ہیں؟ وغیرہ۔ پھر اپنی بیوی یاد آئے گی اور اس بے چاری کی غیر ارادی خامیوں پر خیال جائے گا۔ ہونہہ! اس کا رنگ دھیما ہے، ہر وقت میلے کپڑوں میں رہتی ہے، بال بھی روکھے ہیں وغیرہ۔ آپ نے محسوس کیا کہ شیطان نے غیر محرم کی صرف وہی چیزیں دکھلائیں، جو نسبتاً اچھی تھیں اور اپنی بیوی کی وہ چیزیں دکھائیں، جن میں نسبتاً کمی تھی۔ وہ چیزیں نہ نظر آئیں کہ گوری تو تھی، لیکن کشش نام کو نہ تھی اور کبھی کسی تقریب میں جانے کے واسطے اچھے کپڑے پہن لئے، ہمیشہ تو یہ معمول نہ تھا اور بال خاص طریقے سے ترتیب دینے پر کشش والے لگے اور کوئی خاص بات نہ تھی۔ اسی طرح اپنی بیوی سانولی ہونے کے باوجود نہایت پر کشش ہے اور بچوں کے جھمیلوں کی وجہ سے اچھے کپڑے پہننے کی فرصت کم ملی، ورنہ انتخاب تو بہت اچھا ہے اور قسمت سے غسل کا موقع دو دن سے نہ ملا۔ اسی وجہ سے بال بے رونق لگے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اپنی بیوی کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں،

ہنستی ہے تو دانت موتی کی طرح چمکتے ہیں وغیرہ۔ یہ چیزیں یاد ہی نہیں آتیں۔ بہر صورت اگر بیوی کے علاوہ کسی اور عورت میں کوئی خوبی نظر آجائے تو ہرگز بیوی کو یہ نہ کہیں کہ دیکھو فلانی ایسی ہے ویسی ہے، تم میں یہ برائی اور یہ خرابی ہے۔ اس طرح کرنے سے آپ کی بیوی کی اصلاح تو نہ ہوگی، البتہ اللہ نہ کرے، بیوی کے اعتماد میں کمی آسکتی ہے۔ اس لئے کہ آپ بیوی کی غیر اختیاری جسمانی خلقت و ہیئت پر اعتراض کرتے ہوئے گویا خالق حقیقی جل جلالہ پر اعتراض کر رہے ہیں۔

۳ آخر میں گزارش یہ ہے کہ اپنی بیوی ہی سب سے اچھی ہے، اس بات پر جم جائیے اور دل کے خیالات کی حفاظت کے لئے اپنی نظروں کی خوب حفاظت کیجیے اور خاص کر قریبی، لیکن غیر محرم سے جو ایک ہی گھر میں رہتے ہوں، ان سے اپنی نظریں بچائیں۔ یقین رکھیں کہ (الف) اس سے آپ کو ایمان کی حلاوت ملے گی، (ب) ایمان پر استقامت کی دولت ملے گی، (ج) ایمان کے ساتھ خاتمہ بھی نصیب ہوگا اور (د) ازدواجی جھگڑوں سے نجات اور پرسکون زندگی بھی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کیجیے کہ اللہ پاک نے بغیر استحقاق کے اتنی اچھی بیوی آپ کو دی۔ اسی طرح اپنی بیوی کی خوبیوں پر نظر کیجیے اور خوب سوچیے کہ اس میں اتنی خوبیاں ہیں۔ یہ کرنے سے آپ دونوں میں خوب محبت بڑھے گی، اعتماد بھی بڑھے گا، خوشیوں میں اضافہ ہوگا اور نئی نسل بہترین ماحول میں پروان چڑھ کر دین اور ملک وقوم کے لئے خدمت کرنے والی بنے گی۔

آخر میں گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل دعاؤں کا اہتمام کیجیے:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾[1]

ترجمہ: "اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور

[1] سورۂ فرقان آیت ۷۴

ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔"[1]

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾[2]

ترجمہ: "اے ہمارے رب! جب تو ہم کو ہدایت دے چکا تو اب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم کو رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے۔"[3]

﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ﴾[4]

ترجمہ: "اے (ہمیشہ ہمیشہ) زندہ رہنے والے! اے (تمام مخلوق کو) قائم رکھنے والے! تیری ہی رحمت کے واسطے فریاد کرتا ہوں۔"

تمام فرض نمازوں کے بعد اور تہجد میں اپنی نظروں اور دل کے خیالات کی حفاظت کے لئے گڑگڑا کر دعا مانگئے اور میاں بیوی میں الفت و محبت کی بھی دعا خوب مانگیے۔

بچوں کا غصہ بیوی پر نہ اتاریں

کبھی یوں ہوتا ہے کہ کئی بار سمجھانے کے باوجود بچہ دانستہ طور پر غلطی کرتا ہے۔ یہ وقت محض پیار و محبت سے سمجھانے کا نہیں ہوتا اور تھوڑی بہت ڈانٹ ڈپٹ کی جائے تو آئندہ کے لئے اچھا ہوتا ہے، کیوں کہ بالکل نرمی اختیار کرنے سے بچوں کے دل میں یہ بات بیٹھتی ہے کہ جو کچھ کرنا ہے کرتے رہو، باپ کچھ کہتا ہی نہیں۔

---

1 کشف الرحمٰن : ۹۳۸/۲!

2 سورۂ آل عمران آیت ۸

3 کشف الرحمٰن : ۳۹۲/۱

4 ترمذی، ابواب الدعوات، باب احادیث شتی من ابواب الدعوات: ج۲ ص۱۹۲

لہٰذا بوقت ضرورت ہلکی پھلکی ڈانٹ ڈپٹ بہت مناسب ہوتی ہے، لیکن اس میں ایک بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ بچے کو ڈانٹتے ہوئے بیوی کو لپیٹ میں نہ لیں، یعنی مدرسہ سے واپسی پر پنسل باکس بھول آیا، اب جناب آپے سے باہر ہو گئے اور سنانی شروع کی کہ کم بخت مہینہ میں دس باکس گراتا ہے، گدھے کو اپنی چیز کا احساس ہی نہیں، ہم تو کما کما کر تھکتے، یہ الولٹا لٹا کر نہ تھکتا۔

اب اپنی بیوی کو بولنا شروع کر دیا کہ تم دونوں ماں بیٹا لاپرواہ ہو، تیری ماں بھی ایسی بے پرواہ ہے، اس کے دل میں میرے پیسے کا درد ہی نہیں۔ بعض اوقات بچے کو چھوڑ کر بیوی پر ہی برس پڑے، وہ بھی بچے کے سامنے ہی۔

''تیری ہی تو تربیت ہے، اسے تو نے نالائق بنایا ہے، تو نے ہی سر چڑھایا ہے، تیرے لاڈ پیار نے اس کو بگاڑ دیا ہے، دیکھ لینا بڑا ہو کر تیرا ہی ساتھ چھوڑ دے گا، وغیرہ۔''

یاد رکھیے! یہ ایک مثالی باپ کو زیب نہیں دیتا۔ اس کے نتائج بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر کبھی بیوی نے جواب دیا تو نوبت بہت آگے تک پہنچ جاتی ہے یا بچے کے دل میں ماں سے محبت اور آپ سے نفرت بیٹھتی ہے یا ماں کی اہمیت ہی اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور بڑے ہو کر وہ بھی بے چارہ اپنی ماں کو ایسے ہی سناتا ہے، جیسا باپ کو سناتے دیکھا تھا۔

اگر آپ کی بیوی ایسے وقت میں آڑے آتی ہے، جب آپ بچے کو ڈانٹ رہے ہوں تو علیحدگی میں بیوی کو پیار سے دلائل دے کر سمجھائیے کہ دیکھو اس طریقہ پر تنبیہ سے ہی اصلاح ہوتی ہے، لہٰذا آپ کا بیچ میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ دیکھیں کہ جب تنبیہ کا وقت آیا، بیوی کی مامتا جاگ اٹھی اور وہ فوراً درمیان میں آ گئی تو پھر بھی ان کو لپیٹ میں نہ لیجیے اور تنبیہ کا مرکز بچے ہی کو بنائے، اس کی ماں کو کچھ نہ کہیے، بلکہ بچے کے سامنے تو اس کی ماں کی تعریف ہی کیجیے۔

بچے کے سامنے اس کی والدہ کی تعریف کریں

مناسب موقع پر وقت دیکھ کر بچے کے سامنے اس کی ماں کی تھوڑی تعریف بھی ضرور کریں اور بچے کے سامنے اس کی ماں کو اہمیت بھی دیں۔ کبھی ان کی بات بھی مانیں تاکہ بچے کے دل میں بھی اپنی ماں کی محبت بیٹھے اور بیوی بھی آپ سے خوش ہو۔ کبھی بچے کی اصلاح مقصود ہو تو پہلے بیوی کو اعتماد میں لیں کہ فلاں وقت میں فلاں بیٹے کو ڈانٹوں گا، آپ اس وقت بالکل خاموش رہیے گا اور بے جا لاڈ پیار اس وقت نہ کیجیے گا۔ کیوں کہ میں بھی غصہ میں نہیں ہوں گا، بلکہ مصنوعی طور پر غصہ کروں گا۔ بلکہ تم اس وقت نفل پڑھ کر یا ذکر کر کے دعا میں مشغول ہو جانا کہ اے اللہ! اس بچے کی اصلاح فرما دے، اس کو ماں باپ کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ اسی طرح کبھی کھانا کھاتے ہوئے بچوں کے سامنے کہیں کہ ماشاء اللہ! آج تو تمہاری والدہ نے کتنا اچھا کھانا پکایا ہے۔ بیٹا! ان کے لئے دعا کرو۔ دیکھو! وہ کتنی مشقت اٹھا کر ہمارے لئے کھانا تیار کرتی ہیں۔

کبھی صفائی ستھرائی کی تعریف کریں اور کبھی وقت کی پابندی کی تعریف کریں وغیرہ۔ جب بچے ماں باپ میں جوڑ دیکھیں گے اور ایک دوسرے کی تعریف سنیں گے تو ان میں بھی جوڑ پیدا ہوگا، محبت بڑھے گی اور ماں باپ کی یکساں محبت پیدا ہوگی۔ ماں باپ کی عزت و وقار ان کی نگاہوں میں بڑھے گا اور بڑے ہو کر وہ بھی تربیت کا یہی طریقہ سیکھیں گے۔

اگر آپ کی بیوی بچوں کو ڈانٹ رہی ہو تو......؟

یہ ایک ایسا صبر آزما اور کٹھن مرحلہ ہے کہ اس میں اکثر لوگ پھسل جایا کرتے ہیں۔ یعنی جب یہ منظر سامنے ہوتا ہے کہ پھول جیسے معصوم بچوں کو ان کی ماں بری طرح جھڑک رہی ہو یا مار پیٹ کر رہی ہو، اس وقت والد کو بہت زیادہ تحمل اور

بردباری کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ ایسے ہی بیشتر مواقع پر شیطان کو میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ان میں لڑائی کروا کر انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے والد کی پوری شفقت جوش میں آجاتی ہے، جو ہوش پر غالب ہو جاتی ہے، پھر اسے بیوی کی نقد اصلاح کا نیک جذبہ پروان چڑھتا ہے، جو بیوی کے عتاب کا رخ موڑ دیتا ہے اور پھر دو بڑوں کی جنگ میں چند چھوٹوں کا ستیا ناس ہو جاتا ہے۔ آخر میں میاں بیوی دونوں پریشان ہوتے ہیں۔ میاں صاحب یہ سوچتے ہیں کہ یہ سب تو میں نے نیک نیتی سے ہی کیا اور مجھے تو گمان بھی نہ تھا کہ یہ جھگڑا اتنا لمبا ہو جائے گا۔

لہٰذا جب بھی ایسا موقع ہو تو فوراً چوکنا ہو جائیں اور ان راستوں ہی کو بند کر دیں، جن سے شیطان کو گھسنے کا موقع ملتا ہے۔ یعنی ایک تو بچوں سے محبت کے جوش میں نہ کھوئیں اور ایک پریشانی کو ختم کرنے کے لئے دوسری پریشانیوں کو پیدا مت کریں۔ ویسے بھی عربی میں محاورہ مشہور ہے:

﴿ذَهَبَ الْحِمَارُ لِطَلَبِ الْقَرْنَيْنِ فَعَادَ مَصْلُوْمَ الْاُذُنَيْنِ﴾

تَرجَمَہ: ''کسی پڑھے لکھے ماحول میں رہنے والے گدھے کو شوق ہوا کہ سینگ لگوانے چاہئیں، بچھ ویلیو بڑھ جائے گی تو سینگ لگوانے گئے، جب واپس آئے تو کان بھی کٹے ہوئے تھے۔''

ایسا نہ ہو کہ بچوں پر تو رحم کھایا اور بیوی پر ظلم کیا یا یہ کہ بچے اور ماں میں جو ناچاقی، یا جھگڑا ہو رہا تھا، اس کو ختم کرانے کے بجائے خود بیوی سے جھگڑ پڑے۔ ایک جھگڑا ختم ہوا نہیں، دو جھگڑے اور پیدا ہو گئے۔

وہ میاں صاحب جو اس بات پر شاکی رہتے ہیں کہ بیوی میں عقل نہیں۔ ظالمہ ہے۔ بچوں کے ساتھ جانوروں کی طرح سلوک کرتی ہے، اس کے اندر ماں کی ممتا نہیں، بچوں کو سنبھال نہیں سکتی، بچوں کے ساتھ شفقت و محبت والا معاملہ نہیں کر سکتی،

کیا کرے؟ خود بھی تو ایسے جاہل گھر میں پلی ہے، وغیرہ...... تو کیا اس وقت شوہر صاحب...... صاحبِ عقل ہیں؟

غور فرمایئے! شیطان، جو مسلمان کا کھلا دشمن ہے، اپنے مکر وفریب میں کیسے کامیاب ہوگیا کہ بچے پر شفقت کے جذبہ کو ابھار کر...... نانا اور نانی کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ ایسے والد صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ سوچیے اور ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ آپ کو اپنی اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے۔ ...... آنجناب یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ بیوی اور بچے میں صلح کرانے بیٹھے تو بیوی سے لڑ پڑے، بیوی کو بچوں کی ڈانٹ سے روکنے کے لئے خود بیوی کو ڈانٹنے لگے۔ پہلے دو غصہ میں تھے، اب تین ہوگئے۔ پہلے شیطان دو کو ورغلا رہا تھا، اب تین کو ورغلا رہا ہے اور شومئی قسمت! اگر یہ جھگڑا ماں اور بہنوں نے سن لیا تو چار ہوگئے۔ بہر حال یہ عقل مندی ہرگز نہیں ہے کہ بچوں پر رحمت اور شفقت کا جذبہ، میاں بیوی میں نفرت وعداوت کا جذبہ پیدا کر دے، بلکہ یہ تو خالص شیطان کا دھوکہ ہے۔

لہٰذا اپنے گھریلو معاملات کو صحیح طرح سنبھالیے اور کسی طرح بھی شیطان کو ان معاملات میں دخل اندازی کا موقع نہ دیجیے۔ کیوں کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے اور لوگوں کے ساتھ معاملات، خاص کر گھر کے افراد کے ساتھ اسلامی اخلاق روا رکھنا نہایت ضروری ہے اور مکمل دین کا یہ ایک بڑا حصہ ہے۔ اس میں غفلت وکوتاہی اور نفس وشیطان کی اطاعت، انسان کو بڑے بڑے نیکی کے کاموں سے دور کر دیتی ہے۔ "عِنْدَاللّٰهِ وَعِنْدَالنَّاسِ" ذلیل وخوار کر کے آخرت کے بڑے اجر وثواب سے محروم کر دیتی ہے۔

اگر آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ کی وجہ سے گھر میں تو تو میں میں والی فضا قائم نہ ہو اور گھر جہنم کا نمونہ نہ بن جائے کہ نہ بیوی سکون کا سانس لے سکے نہ معصوم بچے اپنی صحیح جسمانی وروحانی توانائیاں حاصل کرسکیں، تو ان شاء اللہ ایسی بات

کبھی ظہور پذیر نہ ہوگی۔

ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ اکثر بچوں کا میلان ماں کی طرف زیادہ ہوتا ہے، وہ ماں کی فطرت تو سمجھ جائیں گے، لیکن جب آپ بچوں کی ماں کو ڈانٹیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ باپ ظالم ہے، ہماری ماں کو چین لینے نہیں دیتا، نہ ہمیں سکون کا سانس لینے دیتا ہے یا یوں سمجھیں گے کہ ماں بھی ظالم ہے اور باپ اس سے بڑا ظالم ہے، دونوں ماں باپ ایسے ہی ہیں، ہم کہیں اور جا کر زندگی بسر کریں۔ بہر حال شیطان کے مکروفریب اور ایسی نازک صورت حال سے بچنے کے لئے چند تدابیر لکھتے ہیں، انہیں ٹھنڈے دل سے اور غور وفکر سے اور عمل کی نیت سے پڑھیے اور ان پر عمل کریئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ اپنے گھر کے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ خود ہی سنوارنے کے اہل ہو جائیں گے اور شیطان کے مکروفریب سے بھی بچ جائیں گے اور آپ کا گھر دنیا ہی میں جنت کا نمونہ بن جائے گا۔

❶ جب آپ گھر میں داخل ہوں تو سلام کرنے کے بعد سب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا۔ ان کی زوجہ فرماتی ہیں:

﴿كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنْ بَيْتِهٖ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاِذَا دَخَلَ دَارَهٗ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ...... لَا يَدَعُ ذٰلِكَ اَبَدًا﴾[1]

تَرْجَمَہ: ”جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ فرماتے تو دو رکعت نماز پڑھ کر نکلتے تھے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو اس وقت بھی دو رکعت پڑھتے اور اس کو کبھی نہ چھوڑتے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

﴿مَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِيْ قَطُّ اِلَّا

[1] كتاب الزهد: ج۲ ص۷۷۶

صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ﴾ [۱]

تَرْجَمَۃ: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی میرے گھر سے نکلے ہیں تو دو رکعت پڑھ کر نکلتے ہیں۔“

اس دو رکعت پڑھنے سے آپ دیکھیں گے کہ گھر میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ بہت ساری خیر و برکات نازل ہوں گی۔ گھر سے پریشانیاں دور ہوں گی۔ بلائیں، مصیبتیں دور ہوں گی۔ البتہ جس کمرہ میں نماز پڑھیں، اس میں کوئی تصویر لٹکی ہوئی نہ ہو اور ویسے بھی اپنے گھر کو ٹی وی اور تصاویر کی آفتوں سے پاک رکھیے کہ رحمت کے فرشتوں کے داخلے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

❷ جب بھی آپ یہ دیکھیں کہ بیوی صاحبہ بچوں کو نازیبا الفاظ یا نامناسب القابات سے نواز رہی ہے یا ڈانٹ رہی ہے، تو آپ اس وقت زبان اور دل سے ذکر و دعا میں مشغول ہو جائیے کہ اے اللہ! میری بیوی کو صحیح طرح سمجھانے کی توفیق عطا فرما اور میری اولاد کو ایسی ہدایت عطا فرما کہ وہ ایسے کاموں سے بچیں، جس سے ان کی والدہ کو تکلیف ہوتی ہے اور اسی وقت بچے سے کہیں کہ بیٹا! دیکھو امی آپ کے لئے اتنی تکلیف اٹھاتی ہیں، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ بری بات ہے، اچھے بچے ایسا نہیں کرتے۔ ضد کرنا بری بات ہے۔ گلاس کو اچھی طرح اٹھاتے ہیں، آپ سے گر گیا، اس لئے امی ناراض ہو رہی ہیں۔ کتنی اچھی بات امی بتا رہی ہیں کہ غسل کر لو، مگر آپ مان نہیں رہے، یا کپڑے تبدیل نہیں کر رہے، یا ہوم ورک نہیں کر رہے۔

الغرض اس طرح آپ بچے کو سمجھا کر تین فائدے حاصل کر سکتے ہیں:

(الف)...... ماں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

(ب)...... بچے کے ذہن میں یہ بات پکی ہو جائے گی کہ یہ میری اتنی بڑی غلطی تھی کہ ماں باپ دونوں نے اس غلطی پر اتفاق کیا اور آئندہ اس طرح کی حرکت سے امی

[۱] کتاب الزھد: ج ۲ ص ۶۷۷

ابو دونوں ناراض ہو جائیں گے۔

(ج)...... شیطان گھر سے ناکام و نامراد، ذلیل وخوار ہو کر نکل جائے گا کہ اسے اپنے مقصد میں ناکامی اٹھانی پڑی۔

۳ ان معاملات میں آپ تنہائی میں صرف اہلیہ کو سمجھایئے اور بار بار سمجھایئے۔ اگر آپ نے بیس مرتبہ سمجھایا اور اس کے باوجود اہلیہ نے بچوں کو مارا پیٹا، یا ڈانٹا اور اس مارکٹائی میں اہلیہ کی ہی سو فیصد غلطی تھی، تب بھی اکیسویں مرتبہ سمجھانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ اس بات پر یقین رکھیں کہ آپ کا وہ سمجھانا، جو سمجھانے کے ہی طرز پر ہوگا، اس کا نتیجہ ضرور بالضرور نکلے گا، چاہے دیر سے نکلے۔ لیکن جو سمجھانا طنز و طعنے سے پُر ہو، ڈانٹ ڈپٹ اور سخت لہجہ میں ہو تو اکثر اس طرح سمجھانے کا نتیجہ صحیح نہیں نکلتا، خاص طور پر اگر بیوی ناسمجھ ہے یا غصے والی ہے۔ اس کو ایسا سمجھانا، جس کے آخر میں دھمکی ہو یا نازیبا الفاظ ہو یا گرجدار لہجہ ہو، یا پرانے عیوب کا تذکرہ ہو، یا بچے کے گناہ کی صفائی اور ماں کی سو فیصد غلطی بتائی جا رہی ہو یا بچے کی بڑی غلطی کو چھوٹا بنایا جا رہا ہو اور ماں کی معمولی غلطی کو بڑا بنایا جا رہا ہو یا ماں کی غلطی میں اپنے سسرال والوں کو لپیٹا جا رہا ہو، یا اپنی بہنوں اور بھابیوں کی مثالیں دے کر اپنی اہلیہ کو ذلیل کیا جا رہا ہو تو ایسی صورتوں میں نتیجہ بہت خراب نکلتا ہے، اور معاف کیجیے! اس طرح کا سمجھانا، سمجھانا نہ ہوا۔

لہٰذا اپنے دل میں یہ بات بٹھا لیں کہ اس کا علاج نرم لہجے میں دعا کر کے سمجھانا اور صرف سمجھانا ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ عین بیوی کے غصہ کے وقت غصہ کرنا یا بیوی کی غلطی پر بچوں کے سامنے ٹوکنا، نہ یہ بچوں پر رحم ہے، نہ اس طرح بیوی کی اصلاح ہوگی۔ نہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ایسے گھروں پر برستی ہیں، نہ اس طرح گھریلو ماحول درست رہ سکتا ہے۔ نہ آپ کے بچے ذہنی اور جسمانی آسودگی اور ترقی حاصل

کر سکتے ہیں۔ یعنی جتنا بھی سوچیں گے اور جس پہلو سے سوچیں گے، سوچتے سوچتے تھک جائیں گے، لیکن آپ کو اس برے عمل کا کوئی فائدہ نظر نہیں آئے گا۔ یہ تو چند وہ نقصانات ذکر کیئے گئے، جس کا تعلق آپ کے گھر اور بیوی بچوں سے ہے، اب مزید سن لیجیے کہ اگر مشترکہ خاندان کے تحت آپ رہتے ہیں یا خاندان کے کچھ افراد اکٹھے رہتے ہیں تو ایسی زور آوری کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔

دیور، جیٹھ، نند، ساس، بیوی کے رشتہ دار ماں باپ وغیرہ ہر جگہ شور مچاتے ہیں کہ فلانی کا اس کے شوہر سے اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ اس نے چھوٹے عامر کو تھپڑ کیوں مارا؟ جب کہ اسے بخار بھی تھا۔ یا زینب کے پاؤں میں چوٹ لگی تھی، اس کے باوجود اشرف کی بیوی نے اس کو مارا تو اشرف کو غصہ آیا اور غصہ میں اس نے زینب کی امی کو خوب ڈانٹا اور مارا پیٹا، گالیاں دیں۔ تب سے زینب کی ماں اپنے میکے چلی گئی اور زینب اپنی پھوپھی کے گھر میں ہے اور اس کا بھائی اسلم اپنے چچا کے پاس ہے۔ اس طرح پورا خاندان تتر بتر ہو گیا اور شیطان کی عید ہو گئی۔

غور کیجیے! اشرف اب دکان پر ٹفن نہیں لے جاتا، اس لئے کہ بیوی صاحب میکے بیٹھی ہوئی ہے۔ بڑا بیٹا چچا کے گھر، چھوٹی بیٹی اور بیٹا پھوپھی کے پاس ہے۔ جب کہ چوتھی بیٹی بیوی اپنے ساتھ لے گئی۔ اب رات کو اشرف کبھی کہیں کھانا کھا رہا ہے، کبھی کہیں۔ اس حالت میں نہ اشرف کوئی دنیا کا کام صحیح کر سکتا ہے، نہ دین کا۔ ہر وقت بیوی پر غصہ ہے کہ کیسی نالائق بیوی ملی ہے، بچوں پر اس کو رحم اور ترس نہیں۔ اشرف نمازوں میں بھی بیوی کے ظلم کو ہی یاد کر رہا ہے۔ ادھر بیٹی کے امتحانات چل رہے ہیں۔ معصوم بیٹی کو امی اور ابو بھائی بہن سے دوری نے جو کچھ یاد تھا، وہ بھی بھلا دیا۔ ادھر اشرف نے جس عامر کو ایک تھپڑ سے بچانے کے لئے یہ ہنگامہ مچایا ہے، اس کی حالت یہ ہے کہ عامر کی شروع سے پھوپھی کے بیٹے سے بنتی نہیں تھی۔ جب پھوپھی کا بیٹا شاہد اس کے گھر پر آتا تھا تو عامر کو مارتا تھا، اب تو عامر اس کے گھر پر گیا

ہوا ہے۔ اب جو کچھ بھی شاہد کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس سے مارتا ہے۔ شاہد کی امی شاہد کو ڈانٹتی ہے یا مارتی ہے تو شاہد کے ابا اپنی بیوی پر ناراض ہوتے ہیں کہ آخر کیوں اس نئی مصیبت کو گھر میں لائی ہو؟

غور فرمایئے! ایک تھپڑ سے بچانے کے لئے کتنے تھپڑ وجود میں آگئے؟ لہٰذا چوکنا رہیے، ہوشیار رہیے، نفس کا پورا خیال رکھیے اور صبر کیجیے۔ جب بیوی کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور آپ مناسب سمجھیں تو سمجھایئے۔ اور جتنا خود سے ہو سکتا ہے، بچوں کی تربیت میں بیوی کے ساتھ تعاون کیجیے۔ مثلاً: بیوی بچوں کے ساتھ آپ کسی رشتہ دار کے ہاں گئے۔ واپسی میں ایک بچہ چل نہیں رہا ہے۔ کہہ رہا ہے: امی مجھے اٹھا کر لے چلو۔...... آپ بھی تھکے ہوئے ہیں اور بیوی بھی تھکی ہوئی، بچہ زور زور سے رو رہا ہے اور بیوی صاحبہ بچے کو جانوروں کی طرح گھسیٹ کر چلا رہی ہے۔ اب یہ منظر دیکھ کر ایک تو یہ ہے کہ شوہر زور سے چلائے اور چار آدمی سنیں کہ جنگلی! اٹھا کیوں نہیں لیتی، بچارا عامر تھک گیا ہے، چل نہیں سکتا، اٹھانے میں کونسی موت آجائے گی۔ ایک تو یہ ہے کہ بیوی کو ذلیل کرنے کا طریقہ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ سوچیں کہ گاڑی کے پاس یا موٹر سائیکل کے پاس یا بس اسٹاپ پر میں اتنا جلدی کیوں چلا گیا؟ بیوی کے ہاتھ میں سامان ہے، وہ اٹھا نہیں سکے گی، مجھے بیوی کے ساتھ ہی چلنا چاہیے تھا، چلو میں خود ہی اٹھا لیتا ہوں۔ آپ نے خود عامر کو اٹھا لیا تو بیوی کو بھی سکون ملا اور بیوی کے دل میں آپ کی محبت اور عظمت بھی بڑھی اور بچہ کا رونا بھی بند ہو گیا، اور آپ کو خود اندازہ بھی ہو گیا کہ اٹھا کر گاڑی تک لانا آسان کام نہیں۔ ہاں زور سے چلا کر ڈانٹ دینا کہ جنگلی! اٹھاتی نہیں ہو، اس کو کیوں چپ نہیں کرواتی؟ وغیرہ کہہ کر اپنا غصہ اتارنا بہت آسان ہے۔ لیکن جب آپ خود چپ کروانے بیٹھیں گے تو صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ ضدی بچوں کو چپ کروانے کے لئے کیسے دل گردہ کی ضرورت ہے۔

بیوی امتحان کی تیاری کروا رہی ہے، بچے کو پڑھا رہی ہے، کسی بات کو بار بار سمجھانے کے کے باوجود بچہ توجہ سے نہیں سن رہا، جس کی وجہ سے اس کو سمجھ نہیں آ رہی تو بیوی نے غصہ میں تھپڑ رسید کر دیا۔ اب آپ کو چاہیئے کہ بیوی کا اس طرح تعاون کیجیئے کہ بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھائیں کہ بیٹا! جس طرح کہہ رہی ہیں، دھیان سے سنو۔ ورنہ امتحان میں کیسے پاس ہو گے؟

یا کسی طرح بھی سوچیئے کہ میں بیوی کا تعاون اس معاملے میں کیسے کر سکتا ہوں؟

وہ آپ کی ٹیوشن فیس بچا رہی ہے، آپ کے بچے کے وقت کی حفاظت کر رہی ہے۔ اب شیطان آپ کے سامنے وہ طمانچہ تو دکھلائے گا اور معصوم بچے کی سسکیوں سے بھری ہوئی رونے کی آواز تو سنوائے گا، لیکن آدھے گھنٹے سے بیوی ایک مضمون سمجھا رہی ہے اور بچہ توجہ نہیں دے رہا، وہ آدھے گھنٹے کی مغز ماری آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرے گا۔

لہٰذا خود ہی ایک دن چھوٹے بچوں کو پڑھا کر دیکھ لیجیئے، پیراسٹامول نہیں تو پیناڈول کی گولی کی ضرورت ضرور پڑے گی اور شاید اہلیہ صاحبہ نے تو ایک ہی طمانچہ پر کفایت فرمائی تھی، لیکن جناب کے ہاتھ سے شاید زیادہ کی نوبت آ جائے۔

یاد رکھیئے! آپ خود بچے کو ہوم ورک نہیں کروا سکتے، چھوٹے بچے کے آپ کپڑے بھی نہیں بدل سکتے، صبح اسکول و مدرسہ جانے کے لئے بچوں کے کپڑے دھو نہیں سکتے، استری نہیں کر سکتے، ماسی کے نہ آنے پر باورچی خانہ کا کوئی کام نہیں کر سکتے، اپنا کھانا وقت سے موخر نہیں کر سکتے، بچے کے بیمار ہونے پر دوا نہیں پلوا سکتے، سوچیئے کہ میرا کام گھر میں تو تو میں میں کی فضا پیدا کرنے کے علاوہ اور کیا ہے..........؟

یہ روز مرہ کے ہمارے سامنے پیش آنے والے واقعات ہیں۔ چونکہ ہمارا

دارالافتاء سے کچھ تعلق ہے، اس لئے اس طرح کے مسائل اور پریشانیوں سے متعلق استفتاء کی روزانہ بھرمار ہوتی ہے۔ اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں ایسی چھوٹی چھوٹی چنگاریوں سے شیطان بڑی بڑی آگ لگا دیتا ہے۔ بہر حال اس چھوٹی چنگاریوں کو بڑی آگ بننے سے روکنے کا طریقہ، پیار ومحبت سے سمجھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا اچھی طرح یہ بات سمجھ لیں کہ ایسے مسائل کا حل صرف اور صرف سمجھانا اور دعائیں کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

اگر آپ کے سمجھانے کے باوجود بیوی کی اصلاح نہ ہو اور وہ اپنی پرانی روش کو برقرار رکھے تو یہ نہ سوچیں کہ میں نے سمجھا لیا، اب یہ نالائق سمجھتی ہی نہیں تو میں کیا کروں؟ بلکہ یہ سوچیں کہ میرے سمجھانے میں کیا کمی رہ گئی؟ یا میں کسی ایسی چیز پر مجبور تو نہیں کر رہا، جو اس بے چاری کی استطاعت میں نہیں؟ یا سمجھانے کے لئے میں نے مناسب موقع اور مناسب وقت اختیار کرنے میں کوتاہی تو نہیں کی؟ وغیرہ۔

۴ آخر میں یہ کہ ساری دنیا کے انسانوں کے قلوب "اللہ جلّ جلالہٗ" کے اختیار میں ہیں اور آپ کے پاس بہترین وقت رات کے آخری حصہ کا ہے۔ اس میں اٹھ کر، رو رو کر، اللہ تعالیٰ شانہ، کی بارگاہ میں التجا کریں کہ "اے اللہ! مجھے سمجھانے کا ڈھنگ عطا فرمایئے، میری زبان میں مٹھاس اور شیرینی پیدا فرما دیجئے، میری اہلیہ کی اصلاح فرما دیجئے اور اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے سمجھ عطا فرما دیجئے۔ مجھے اور میری اہلیہ کو ایک بات پر جمع فرما دیجئے اور بچوں کی تربیت میں ہم دونوں کو ایک نتیجہ اور ایک فیصلہ پر جمع فرما دیجئے۔"

مذکورہ بالا دعائیں مانگتے ہوئے مناسب موقع اور مناسب وقت دیکھ کر اہلیہ سے بات کریں اور اسے مثالوں کے ذریعہ سمجھائیں، حوصلہ افزائی کرتے ہوئے سمجھائیں اور سمجھانے کے بعد بھی دعا مانگیں۔ ان شاء اللہ الرحمٰن اس طریقے سے بہت ہی فائدہ ہوگا۔ اگرچہ اس طریقے سے سمجھانے میں کافی وقت لگتا ہے اور مغز ماری بھی

زیادہ کرنی پڑتی ہے، لیکن اس کا نتیجہ فوراً نکلتا ہے اور اس کا فائدہ بھی دیرپا اور مرض کا علاج یقینی اور حتمی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں۔ آمین۔

بیوی کو ستانے والے شوہر کا ایک اپنا واقعہ انہی کی زبان یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس واقعے کے ذریعے ہم سب کو عبرت پکڑنے اور نصیحت قبول کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

تنہائیوں کا عذاب

میں ایک ایسا مرد ہوں، جس کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا، مگر میں نے نہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ اس کی نعمتوں کو سنبھال کر رکھا۔ میرا باپ بچپن میں فوت ہو گیا تھا اور میری ماں نے مجھے بڑی محنت و مشقت سے پڑھا لکھا کر اس قابل کیا کہ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں۔ نوکری ملنے کے بعد، جیسا کہ سب ماؤں کی آرزو ہوتی ہے کہ جلد بیٹے کا گھر بسا دیں، ماں نے بھی مجھے بہت سی لڑکیاں دکھائیں، مگر میں کیونکہ اپنے خاندان کا پہلا فرد تھا اور میں خوش شکل اور چرب زبان بھی تھا اور لوگوں کو متاثر کرنے کے فن سے بھی آشنا تھا، اس کے علاوہ مغرور اور خود سر ہونے کے باعث میں اپنے غریب رشتے داروں کو منہ تک نہ لگاتا تھا۔ آخر ایک لڑکی کو دیکھ کر میں نے ہاں کر دی اور یوں میری شادی ہو گئی۔ اب اسے میری پسند کہیں یا نہ کہیں، لڑکی میری دیکھی بھالی تھی اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ سلیقہ شعار اور فرض شناس تھی۔ خوبصورت تو نہ تھی، بس قبول صورت تھی۔ شمع محفل نہ بن سکتی تھی، نہ جان محفل بننے کی صلاحیت رکھتی۔

لہٰذا جلد ہی وہ میری نظروں سے گر گئی۔ لیکن وہ میری زیادتیوں کا اپنے گھر والوں سے تذکرہ تک نہ کرتی۔ جس طرح شادی سے پہلے ماں میرے کام کرتی تھی، اسی طرح اس نے سنبھال لیے، مگر جو رویہ میرا ماں کے ساتھ لاتعلقی کا تھا، وہی بیوی

کے ساتھ رہا۔ نہ میں نے کبھی ماں کا خیال کیا تھا، نہ بیوی کا۔ جب کبھی میں اپنے دوستوں کے گھر جاتا اور ان کا اپنے خاندان والوں سے پیار محبت کا سلوک دیکھتا تو اپنے رویہ کا فرق محسوس کرتا۔ میں حد سے زیادہ خود سر اور خود پسند تھا۔ جلد ہی بیوی نے میری طبیعت کا اندازہ کر لیا۔ کبھی کبھی وہ مجھے احساس دلانے کے لئے دوسروں کی مثال دیتی تو میں چڑ جاتا۔ کوئی رشتہ دار عورتیں میری بیوی کی تعریف کرتیں تو میں جل کر بیوی میں ہزاروں عیب نکال کر اس کو بدول کر دیتا اور اگر بیوی کسی دوست کی اس طرح تعریف کرتی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے، کتنا خیال رکھتا ہے، تو میں دوست میں کوئی بڑا عیب نکال کر اس کو برا بنا دیتا، یا پھر ایسے دوستوں کے گھر بیوی کو لے جانا ہی چھوڑ دیتا۔ ابتدا میں وہ میرا بڑا خیال کرتی۔ گھر کے اندر باہر کے تمام کام خوش اسلوبی سے ہو جاتے۔ بچے بھی جلدی جلدی ہوئے۔ وہ میرے آرام کی خاطر الگ چھوٹے بچوں کو لے جا کر سوتی۔ جلدی جلدی بچوں کی پیدائش اور کام کی زیادتی کے باعث اگر اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جاتی تو اس کے بدلے اس کو نہ صرف اپنی ماں اور بچوں کے سامنے گالیاں دیتا، بلکہ اس کے احتجاج پر اس کے اوپر ہاتھ اٹھانے سے بھی باز نہ رہتا۔ آج ان حالوں کو پہنچ کر اب میں سوچتا ہوں کہ لوگ جانور بھی پالتے ہیں تو اس سے پیار کرتے ہیں اس کا خیال رکھتے ہیں، مگر میں تو اپنی ذات کے خول میں بند تھا۔ ماں، بیوی، بچوں، سب سے خدمت لیتا مگر خود کسی کے کام نہ آتا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے کیسے بڑے ہوئے؟ کب بیمار ہوئے اور کیسے صحت یاب ہوئے؟ گھر کیسے چلایا جاتا ہے؟ اور کس کس اشیاء کی قیمتیں کب بڑھیں؟ مجھے کچھ معلوم نہ تھا، گھر والوں نے مجھے ہر فکر سے آزاد کر دیا تھا، پھر بھی میں دفتر جانے اور پیسے کما کر لا کر دینے کو اپنے گھر والوں پر احسان سمجھتا تھا۔ میرے سارے دوست دفتر کے ٹور پر جاتے تو بیوی کو بھی اپنے پاس سے ٹکٹ لے کر جاتے، مگر میں بیوی پر روپیہ خرچ کرنے کو فضول خرچی سمجھتا، نہ صرف اس کی

بیماری کو وہم سمجھ کر نظر انداز کرتا، بلکہ اس کے علاج سے بھی بے خبر ہو جاتا۔ اگر وہ بیماری یا تھک کر مجھ سے پہلے سو جاتی تو اس کو گالیاں دیتا۔ بڑھتی ہوئی عمر اور بیماری کے باعث اس نے اپنے کام بچوں میں تقسیم کرنا چاہے تو یہ بھی میں نے اس کی کام چوری تصور کی اور اسے سخت ملامت کرتا رہا۔ وہ کہتی کہ میں مر جاؤں گی تو گھر کون سنبھالے گا؟ تو میرا جواب ہوتا کہ کل کیوں مرتی ہو؟ آج مر جاؤ۔ تمہارا پوچھنے والا کون ہے؟

جب بیوی بیمار ہوتی تو بجائے اس پر توجہ دینے کے دوسری شادی کے چکر میں گھر سے باہر رہتا۔ جب وہ مسلسل بیمار رہنے لگی تو میں نے دوسری شادی رچالی۔ دوسری بیوی بہت چالاک تھی۔ اس نے گھر اور بچوں کے کاموں سے غفلت برتی، مگر میرے ذاتی کام خود سنبھال لیے۔ اس طرح مجھے اس نے اپنا غلام بنالیا اور میں اس کے اثر میں آکر بچوں تک کو بھول گیا۔ اس کی سزا قدرت نے مجھے اس طرح دی کہ جب میری دوسری بیوی کے ہاں ولادت ہوئی تو دوسری بیوی مر گئی۔ پہلی نے اگرچہ طلاق نہ لی تھی، مگر اپنے میکے جا بیٹھی تھی۔ مجھے گھریلو کاموں اور بچوں کو سنبھالنے کے لئے پھر اپنی پہلی بیوی کو بلانا پڑا، مگر اس نے میرے پاس آنے سے انکار کر دیا کہ جس گھر میں میرے بچے نہیں ہیں، میں وہاں آکر کیا کروں گی؟ کیونکہ سوتیلی ماں کے سلوک اور شادی کے بعد میری بے رخی کے باعث، میرا اکلوتا اور قابل بیٹا امریکا چلا گیا تھا اور اپنی ماں کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ ایک لڑکی تھی، جس کی سوتیلی ماں نے ایک بڈھے سے شادی کر دی تھی، جو اسے لے کر دبئ چلا گیا تھا۔ آج میں تنہا اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہوں۔ دوست احباب رشتے دار مجھ پر طنز کر کے چلے جاتے ہیں کہ یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری اور مخلوق خدا کو ستانا اور غرور و تکبر کا نتیجہ ہے۔ اب میں ہوں اور میری بیماریاں میری ساتھی ہیں۔ مگر نہ اولاد میرے پاس رہنا گوارا کرتی ہے اور نہ کوئی رشتہ دار۔ نرس رکھنے کی مجھ میں استطاعت نہیں۔ اگر

خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں کب کا کر چکا ہوتا۔ بس تنہائیوں کے عذاب جھیل رہا ہوں۔[1]

نکتہ چینی

1 نکتہ چینی، تحکمانہ انداز، اعتراض، تنقیص، تقابل، یہ تمام وہ روحانی بیماریاں ہیں جو گھریلو خوشگوار تعلقات کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ میاں بیوی میں، حاکم محکوم میں، باپ بیٹے میں اور ماں بیٹی میں محبت کے بجائے نفرت پیدا کر دیتی ہیں۔

لہٰذا ان تمام بیماریوں سے خود بھی بچنے کی پوری کوشش کیجیے۔ اور نمازوں کے بعد اور تلاوت قرآن کریم کے بعد دعا مانگیے کہ اے اللہ! ان تمام بری عادات سے میری اور سارے مسلمان بھائی، بہنوں کی حفاظت فرما۔

ماہر نفسیات کہتے ہیں: دنیا کا آسان ترین کام، دوسروں کے افعال پر نکتہ چینی یا اعتراض کرنا ہے۔ لیکن اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے کہ اعتراض کے بجائے اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾[2]

تَرجَمہ: ”جواب میں وہ کہہ، جو اس سے بہتر ہو۔“

یعنی داعیانِ حق کی خصلت یہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کی برائی کو طریقِ احسن سے دفع کریں۔ وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لینا اور معاف کر دینا تو عمل حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا، تم اس کو معاف بھی کر دو اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ بھی کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں حکم یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے، تم اس کے مقابلے

[1] بشکریہ روزنامہ جنگ
[2] سورۂ حم السجدہ آیت ۳۴

میں صبر سے کام لو۔ جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے، تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو۔ اور جس نے تمہیں ستایا، اس کو معاف کر دو۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی شخص نے گالی دی یا برا بھلا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم و خطاوار اور برا ہوں، تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے۔[1]

بہت سے والد، نکتہ چینی یا اعتراض، صحیح نیت اور اور صحیح جذبے سے کرتے ہیں، بیوی کو یا اولاد کو راہ راست پر لانے کے لئے یا گھر کے حالات صحیح کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اور بعض، فقط اپنے دل کی بھڑاس نکتہ چینی کے ذریعے نکالتے ہیں۔

یاد رکھیے! ان دونوں صورتوں میں نکتہ چینی اور اعتراض، جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے۔ یا اعتراض کی چھوٹی سی چنگاری، آگ کے شعلوں کی شکل میں بھڑک اٹھتی ہے۔

۲ نکتہ چینی اور اعتراض کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بار بار اس طرح کہنے سے طبیعت میں جھنجھلاہٹ اور مزاج میں چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ہر بات کہنے اور سمجھانے کا انداز بدل جاتا ہے یہاں تک کہ چیخنے اور چلانے کی عادت ہی پڑ جاتی ہے۔

۳ تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بار بار نکتہ چینی اور اعتراض سے جب اثر نہیں ہوتا تو خود والد تھک جاتا ہے اور بالآخر خاموش ہی ہو جاتا ہے کہ میرے کہنے سے بھی کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو کیا فائدہ ہے؟ میں تو انہیں کے فائدے کے لئے کہہ رہا تھا، مگر یہ نہیں مانتے تو یہ جانیں اور ان کا کام۔ اور اس طرح شیطان اس نکتہ چینی اور اعتراضات کے ذریعے سے گھروں میں لڑائی جھگڑے کروا کر کامیاب ہو

---

[1] ماخذہ معارف القرآن: ج ۷ ص ۴۵۳

جاتا ہے۔ یا مایوس کروا کر اصلاح کی کوشش کو ناکام بنا دیتا ہے۔

۴ نکتہ چینی تعلقات کو ایسے راستے پر لے آتی ہے، جو کبھی ختم نہ ہونے والے منفی چکر کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ نکتہ چینی اصل مسئلہ سے توجہ ہٹا کر بذاتِ خود ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ ایسے افراد کسی ایک مسئلے کو حل کرنے بیٹھتے ہیں۔ تو اٹھنے سے پہلے تین مسئلے اور پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ پہلا مسئلہ حل ہونے کے بجائے اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

مثلاً: بچے اسکول یا مدرسہ سے آکر جوتے، موزے، بیگ، تھرماس اس طرح لاپرواہی سے رکھ دیتے ہیں کہ ایک باشعور عورت، ذمہ دار خاتون خانہ اور ایک ماں کی حیثیت سے یہ تمام مناظر دیکھ کر جھنجھلا جاتی ہے۔ اور روایتی انداز میں سب پر چیختی چلاتی ہے۔ خصوصاً حمل کے ایام میں یا بچہ کو دودھ پلانے کے زمانے میں اس کی نیند کے پورے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پر شوہر، اسی پر اور اس کی تربیت پر نکتہ چینی کرتا ہے اور اس کے نقصانات میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچے زیادہ بے ادب ہو جاتے ہیں، تنگدل ہو جاتے ہیں، بڑے بیٹے اور بیٹیاں ماں کے اندر چڑچڑاپن محسوس کرتے ہیں۔ بیوی، شوہر سے تنگ آ جاتی ہے اور شوہر، بیوی سے اور اپنے خیالات کی تائید میں، اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی بدسلوکی سے پیش آنے والی ان کی ماں کا عمل، اس لئے مزید ایک ثبوت فراہم کرتا ہے کہ میری بیوی اتنی ظالمہ ہے جس نے مجھے اور میرے بچوں کو دق کر رکھا ہے۔ یہ مجھ سے اور میری والدہ اور بہنوں سے کیا نبھائے گی۔ بلکہ اپنے ہی بچے، جن کو ۹ ماہ تک پیٹ میں رکھا، اپنے خون جگر سے ان کی دودھ کی شکل میں پرورش کی، لیکن آج وہ بچے بھی اس سے تنگ ہیں۔

لہٰذا یاد رکھیے! نکتہ چینی جس پریشانی کو دور کرنے کے لئے یا جس مسئلے کے حل کرنے کے لئے کی گئی تھی، وہ تو حل نہیں ہوا، بلکہ اور بہت سارے مسائل پیدا ہو

گئے۔ اور بہت سی پریشانیاں وجود میں آگئیں۔ اور گھر کے بہت سے افراد کو آپ نے اپنے سے دور کر دیا۔

لہٰذا نکتہ چینی سے خود بھی بچیے اور دوسروں کو بچائیے۔ نکتہ چینی سے بچنے کے لئے ہم کچھ تدابیر لکھتے ہیں۔ ان کو غور سے پڑھیے اور دعا کیجیے کہ اے اللہ! مجھے حسنِ اخلاق و نرم لہجہ اور میٹھی زبان عطا فرمائیے۔

(1) بات واضح انداز میں سمجھائیں

بات صاف اور واضح کریں مبہم بات نہ کریں۔

اسکول یا مدرسہ بھیجنے کے لئے، فلانے/ فلانی! ساری رات سوتے رہے، سارا دن بھی سوتے ہی رہ گئے، فوراً کھڑے ہو جاؤ، کمرہ دیکھو اپنا، کباڑ خانہ لگ رہا ہے۔ اسکول کے کپڑوں پر بھی استری نہیں ہوئی۔ رات کو ہوم ورک کر کے کیوں نہیں سوئے؟ کتنا سمجھایا تھا کہ پیشاب کر کے سو جاؤ، رات کو پیشاب نہیں کیا نا؟ وغیرہ یہ تمام جملے شکایتوں سے پر ہیں۔ بڑی بیٹی سے، میں تمہیں اتنا غیر ذمہ دار دیکھنا نہیں چاہتا، ہر روز صبح اپنے بال سلجھا کر کنگھی میں بال یونہی چھوڑ دیتی ہو۔ ہمیشہ میں چلاتا رہتا ہوں کہ بال بیسن کی جالی میں چپک چپک کر نالی بند کر دیتے ہیں، وغیرہ جیسے مکالمے بولنے کے بجائے انہیں واضح الفاظ میں نرمی سے سمجھائیں اور ہرگز تحکمانہ انداز نہ ہو۔

مثلاً بچوں سے کہا کہ اپنے کپڑے الماری میں قرینے سے رکھو۔ اس سے آپ کو بھی یہ یہ فائدے ہوں گے اور میرے کاموں میں بھی آسانی ہو جائے گی، جس سے اللہ تعالیٰ بھی آپ سے خوش ہو جائیں گے اور میں بھی۔ یا "دیر نہ لگانا" کے بجائے، مغرب کی نماز پڑھ کر فوراً آجانا یا شام "پانچ بجے آجانا" کہہ کر وضاحت کریں۔ اور اس کے فوائد ضرور بتائیں۔

۲ الزامات نہ تھوپیں

کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پریشان ہونا چھوڑ دیں۔ اور ساتھ ہی گھر والوں پر الزام نہ لگائیں کہ اس خرابی میں ان کا ہاتھ ہے۔ کسی مسئلہ میں زیادہ ہی پریشان ہوں، تو فوراً اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت صلوۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [1]

ترجمہ: ''اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے۔''

یعنی مشکلات میں اور مہمات میں، ہمت برداشت اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل وقت اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھ سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں، دراصل وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے تعاون سے ہوتے ہیں۔ اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ اور صلوۃ الحاجت، اپنی حاجتیں پوری کرانے اور پریشانیاں دور کروانے اور بیوی بچوں سے باتیں منوانے کا بہترین اور معتمد ترین اور مجرب طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جن بندوں اور بندیوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہوا ہے، ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے دو رکعت حاجت کی نماز کو خزائنِ الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

جب آپ صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر، دعا مانگ کر، پھر اپنی بیوی بچوں سے کہیں گے، تو آپ کا یہ عقیدہ اور یقین زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو جائے گا کہ کام کرنے والا

[1] سورۃ البقرۃ آیت ۴۵

دراصل وہ بندہ نہیں ہے۔ نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے۔ بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر اگر وہ کام ہو گیا تو آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے پر مزید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب وانعامات ملیں گے اور نعمتوں میں اور زیادہ ترقی ہوگی اور کام نہ ہونے پر یقین ہوگا کہ یا تو اس کام کے نہ ہونے میں میرے لئے خیر ہے۔ یا میرے مانگنے میں کمی ہے یا مجھے مانگنے کا تو اجر مل گیا۔ اور اس چیز کے نہ ملنے پر قدرت کی جانب سے صبر حاصل ہو جائے گا اور یہ جو شکایت بیوی سے یا بچوں سے ہوتی ہے، وہ ختم ہو جائے گی اور دل بھی مطمئن ہو جائے گا۔ کسی پر الزامات تھوپنے کے بجائے اپنے ہی نفس پر اور اپنے ہی برے طریقے سے ڈانٹنے اور نکتہ چینی کرنے کے انداز پر افسوس ہوگا اور مزید دعائیں مانگنے اور رو رو کر دعائیں مانگنے کی توفیق ہوگی۔

کوئی واقعہ رونما ہونے کے بعد اس کے نتائج پر بھی الزامات نہ تھوپیں۔ کہ کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ گلاس یہاں پر مت رکھو، پھر بھی نہیں مانا۔

پانی ختم ہو جانے پر سب پر الزام نہ ڈالیں کہ دیکھو کتنا زیادہ زیادہ پانی تم لوگ بہاتے رہتے ہو یا تم سے اتنا کام نہیں ہوا کہ کئی دنوں سے نلکا ٹپک رہا ہے اور اب تک نلکا نہیں بدلا۔ یہ طریقے سب نامناسب ہیں۔

موقع شناسی اور مردم شناسی، یہ عقل مند شوہر اور باپ کے دو جوہر ہیں۔ جس کا استعمال ہر حالت میں بہت ہی مفید رہتا ہے۔

۳ ”کیا چیز صحیح ہے؟“ پر توجہ دیں

یہ ایک ایسا بہترین اور قیمتی اصول ہے کہ والدین، اساتذہ یا کسی بھی شعبہ کا سربراہ اس کو اپنا لے، تو وہ اپنے ماتحتوں میں محبوب بھی بن جائے گا اور ماتحت اس کی خواہش ومنشا کے موافق کام بھی کریں گے اور اس کو اپنا سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ

اپنا استاد اور معلم بھی مانیں گے۔ وہ یہ ہے کہ خوش گوار ماحول پیدا کرنے کے لئے ''کیا چیز غلط ہے؟'' کے بجائے، ''کیا چیز صحیح ہے؟'' پر توجہ مرکوز کریں۔ جو غلط ہے، اس کو بھول جائیں۔ اور صحیح کیا ہے، وہ بچوں کو سمجھائیں۔ کیا کرنا چاہیے اور کیا ہونا چاہیے، یہ سمجھائیں، نہ یہ کہ یہ کیوں کیا؟

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عادت مبارکہ تھی ''کَانُوْا یُمِیْتُوْنَ السَّیِّئَۃَ بِتَرْکِ ذِکْرِھَا'' وہ برائی کو ختم کردیا کرتے تھے، اس کے ذکر کو ختم کر کے۔

جب برائی کا ذکر ہی نہیں ہوگا تو وہ خود ہی ختم ہو جائے گی۔ جس بری بات یا عادت کو آپ اپنے گھر کے بچوں سے ختم کرنا چاہتے ہیں، اس کا ذکر ہی ختم کردیں۔ کیچڑ کو کوئی شخص ہٹانے کے لئے پتھر پھینکے تو اس کے چھینٹے کرتے پر بھی پڑیں گے۔

لہٰذا برائی کو برائی سے دھونے کی بجائے، برائی کو نیکی سے دور کیجیے۔ اسی طرح بڑوں کا ارشاد ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

﴿اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یُمِیْتُوْنَ الْبَاطِلَ بِھَجْرِہٖ وَیُحْیُوْنَ الْحَقَّ بِذِکْرِہٖ﴾[1]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں، جو باطل کو مار دیتے ہیں اس طرح پر کہ باطل بات کو چھوڑ دیتے ہیں اور حق کو زندہ کرتے ہیں، اس کا تذکرہ کر کے۔''

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قادسیہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وصیت فرمائی۔ جس میں ایک وصیت یہ بھی تھی، جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿یَا سَعْدُ! لَا یَغُرَّنَّکَ مِنَ اللّٰہِ اَنْ قِیْلَ خَالُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. فَاِنَّ اللّٰہَ

[1] حیاۃ الصحابہ (عربی): ج ۳ ص ۲۶۹

عَزَّوَجَلَّ لَا يَمْحُو السَّيِّءَ بِالسَّيِّءِ وَلٰكِنَّهُ يَمْحُو السَّيِّءَ بِالْحَسَنِ﴾ [1]

ترجمہ: ''سعد تمہیں یہ بات دھوکہ میں نہ ڈالے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کہلاتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے، بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں۔''

ان تین تدابیر پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضرور سوچیں کہ اہلیہ صاحبہ میں چڑچڑاپن کس وجہ سے پیدا ہو رہا ہے؟ نیند کی کمی کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے یا کاموں کی کثرت کی وجہ سے؟ اگر کوئی ایسی عارضی وجہ ہے تو اس کے حل کی پوری کوشش کیجیے، اور اس زمانے میں اہلیہ کو معذور سمجھیں۔ اگر وہ اس وقت بچوں کو پور پیار نہیں دے سکتی تو آپ اس کمی کو پورا فرما دیں۔

اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انفرادی واجتماعی (یعنی گھر میں اور گھر کے باہر کی) زندگی کے مراحل میں ان اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ اب کتاب بند کر کے ان تین اصولوں کو سوچیں کہ آپ اس پر کتنا عمل کر سکتے ہیں؟ اور کتنا عمل اب تک کیا ہے؟

بیوی کی غلطی پر صبر باعث مغفرت

حضرت مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: یہ بات کتنی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ خود باقی رہنے والا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس کے پاس ہے، وہ بھی باقی رہنے والا ہے۔ اور جو کچھ تمہارے بھیجے ہوئے عمل اس کے پاس پہنچ گئے، وہ بھی باقی رہیں گے۔ یعنی دنیا کی لذت اور خوشی پا کر ہم نے اگر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

[1] حیاۃ الصحابہ (عربی): ج۲ ص۱۹۲

کرلیا تو لذت اور خوشی تو رہنے والی نہیں۔ مگر شکر کے وہ چند کلمات، جو ہم نے اپنی زبان سے ادا کر لئے، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس باقی رہیں گے اور مصیبت اور تکلیف کا صدمہ تو ہمیشہ باقی نہ رہے گا، ہاں اس پر صبر کے نکلے ہوئے الفاظ حیات جاودانی اختیار کرلیں گے اور قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ شمار کرا کر ایک نیکی کا کئی بار بدلہ عطا فرمائیں گے۔ [۱]

اب سوچئے اور ذہن بنا لیجئے کہ آج سے بیوی کی غلطیوں پر صبر کروں گا۔ برداشت کروں گا خواہ کیسی بھی غلطی ہو جائے، لیکن برداشت کرلوں گا۔ اس لئے کہ اس غلطی پر جو صدمہ اور تکلیف مجھے پہنچ رہی ہے، یقیناً وہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گی، لیکن اس فانی صدمہ پر صبر وحوصلہ کے ساتھ برداشت کرنا اور خالص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جذبہ سے معاف کر دینے کی باقی رہنے والی فضیلت، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہو جائے گی۔

مثلاً: ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب کا ڈھکنا درست طریقے سے بند نہ کرنے یا بجلی کے استعمال کی کم سے کم کرنے کی تاکید کے باوجود غفلت وکوتاہی پر یا باورچی خانہ کے بلب خراب ہونے اور جلدی نہ بدلنے کی وجہ سے رات کو اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرا گیا، اب اس سے جو تکلیف ہوئی، اس پر سخت لہجہ میں آپ نے بیوی کو ڈانٹا اور اس نے بھی پلٹ کر غصہ کا انداز اختیار کیا۔ اب اس کے معمولی غصہ پر آپ کو شدید غصہ آئے گا، مگر اس پر صبر کیجئے اور یہ سوچئے اور بار بار محاسبہ کریئے کہ بدزبانی نہ تو ہمیشہ رہے گی اور نہ اس کا نقصان ہمیشہ قائم رہے گا، بلکہ صرف بدزبانی جیسی بے بنیاد چیز پر ہم نے اس کے بدلے ایک اور گالی دے دی تو بیوی کی اور ہماری، دونوں کی بدزبانی کا گناہ دونوں پر باقی رہ جائے گا اور یہ کہ ہم کو دنیا وآخرت دونوں میں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم اس وقت بدزبانی کو برداشت کر گئے اور جواباً اس کو

[۱] از مجالس مفتی اعظمؒ مرتبہ مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم

کہہ دیا کہ اللہ تم کو نیک ہدایت دے، جب تمہارا غصہ ختم ہو جائے گا، پھر بات کریں گے اور میں تمہیں سمجھا دوں گا یا تم مجھے سمجھا دینا۔ جس کی غلطی ہو، وہ مان جائے۔ تو یہ دعائیہ جملے ہمارے واسطے سرمایہ آخرت اور اس کے واسطے ذریعہ ہدایت بن جائیں گے۔

یاد رکھیے! نقصان وصدمہ کے تاثرات تھوڑی دیر میں یا تھوڑے دنوں میں ختم ہو جائیں گے، لیکن باقی رہنے والی اُس صبر یا بے صبری کے بدلے میں ملنے والی نیکیاں یا برائیاں ہوں گی، جس کا مظاہرہ اس نقصان کو پا کر ہم نے اپنے دل اور زبان سے کیا۔

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمود دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ دیوبند ہی کے باشندے تھے۔ بڑے عالم تھے اور ہزاروں علماء کے استاذ تھے۔ حضرت شیخ الہند دارالعلوم کے پہلے شاگرد اور مولانا محمود پہلے استاد، ان دونوں حضرات سے دارالعلوم کی بنیاد پڑی۔ ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا: کیا گزری؟ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اس نے بخش دیا۔

پھر پوچھا: مغفرت کا سبب کیا ہوا؟

فرمایا: اور کسی چیز کے بارے میں یا پڑھنے لکھنے کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ درس وتدریس کے بارے میں بھی کسی نے نہیں پوچھا۔ البتہ کہا گیا کہ فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کھچڑی پکانے کو کہا تھا اور کھچڑی میں نمک تیز ہو گیا تھا۔ اور بیوی نے غلطی سے نمک تیز کر دیا۔ اور تم نے اس کھچڑی کو صبر کے ساتھ کھا لیا۔ اور اپنی بیوی کو کچھ کہا نہیں اور تم نے اس تکلیف کو صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دکھے گا۔ اس صبر وتحمل کے نتیجے میں تمہیں بخشا جاتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ انعامی وظائف ہوتے ہیں، جب کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔

دیوبند ہی کے ایک مدرس اور بڑے عالم مولانا منفعت علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بڑوں بڑوں کے استاد تھے، خود میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یعنی مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہم کے والد) کے استاد تھے۔ کانپور میں اچانک ان کا انتقال ہوگیا۔ شاید کوئی قلبی مرض پیش آگیا اور وفات ہوگئی اور کوئی قریبی عزیز تو کیا ہوتا کوئی دوسرا شخص بھی پاس نہیں تھا۔ ان کے مرنے کے بعد ہمارے عزیزوں میں سے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا ہوا؟

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور یہ فرمایا کہ تیری موت بے کسی میں آئی اور اس پر ہمیں رحم آیا اور تمہیں بخش دیا۔

تو ایسا ہوا کرتا ہے کہ بعض اوقات اللہ جل شانہ چھوٹی چیزوں کو قبول کر لیتے ہیں، عمل چھوٹا ہوتا ہے، لیکن وہ اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے قبول کر لیا جاتا ہے اور سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بار بار اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ لوگ اس مغالطہ میں نہ پڑ جائیں کہ بس اتنا چھوٹا سا عمل کر لیا اور باقی سب کام چھوڑ دیئے تو بھی بخشش ہو جائے گی۔ [1]

ایک شخص سے کوئی گناہ ہوگیا تو کسی اللہ تعالیٰ کے ولی کے پاس گیا کہ یہ گناہ ہوگیا ہے۔ تو فرمایا: تم اپنی بیوی کو محبت سے ایک لقمہ اللہ کو راضی کرنے کے جذبے سے کھلا دو، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ نیکی اللہ کے غصے کو دور کر دے گی، اس لئے کہ بیوی کو لقمہ کھلانا بھی صدقہ ہے، اور صدقہ اللہ کے غضب کو دور کر دیتا ہے، صدقہ بلا کو کھا جاتا ہے۔

[1] از مجالس مفتی اعظم مرتبہ حضرت مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم: ص ۴۰۲

بیوی کا دل نہ دُکھایئے

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ قصداً اور عملی طور سے اس بات کی کوشش کرے کہ میرا رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، وغیرہ ایسا ہو، جس سے دوسروں کو راحت پہنچے، کسی کو مجھ سے تکلیف اور ذرا بھی ٹھیس نہ پہنچے۔ غور کیجیے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو عباد الرحمٰن کہا گیا ہے، جو زمین پر چلتے ہیں، آہستہ۔ یہ مطلب نہیں کہ چال چیونٹی کی ہو، بلکہ ان کی چال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی بڑا آدمی جا رہا ہے۔ یا لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کریں تو وہ کہیں "سلام" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جاہل کا جواب سلامتی سے دیں۔ ظلم کا جواب عدل سے دیں۔ اس عنوان سے اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے، آہستہ چلتے ہیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، پستی عاجزی سے چلتے ہیں۔ سینہ نکال کر نہیں، چلتے کسی کو دھکا دے کر نہیں چلتے، اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ"[1]

"مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہے۔"

مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف عام طور پر کسی کو زبان اور ہاتھ سے پہنچتی ہے۔ اپنے رہن سہن اور چال ڈھال، بول چال، ایسی بنائیے کہ کسی اپنے یا پرائے کو تکلیف نہ پہنچے۔ اسی طرح فرمایا ایمان کے ستر شعبے ہیں اس میں ادنیٰ یہ ہے کہ راستہ کی تکلیف دینے والی چیز ہٹا دو، جس سے دوسروں کو اذیت ہو۔[2]

اتنی اہمیت دی ہے، اس عمل کو کہ شعبہ ایمان قرار دیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ ہم نے پتھر راستہ میں ڈالا نہیں، مگر ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو راستے سے ہٹا دیں۔ اور جو خود ڈال دے ایسی چیزیں اس کا کیا کہنا، ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہیے

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ: ج ۱ ص ۶

[2] مشکوٰۃ، کتاب الایمان: ج ۱ ص ۱۲

کہ مسلمان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ کسی کے دل کو مجروح کرنا اس سے بڑا دنیا میں کوئی گناہ نہیں، اور کسی مومن کا کسی طریقے سے دل خوش کرنا سب سے بڑی نیکی ہے، قرآن وحدیث ساری بھری ہوئی ہے، اس بات سے کہ ایذا رسانی سے بچو۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے دو قیدیوں نے خواب بیان کیئے۔ ان میں سے ایک کی یہ تعبیر تھی کہ تم عیش کرو گے، بادشاہ کی خدمت میں ہو جاؤ گے، دوسرے کو پھانسی ہوگی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی تعبیر متعین تھی اور یہ بھی متعین تھا کہ شاہی ساقی بری ہو کر اپنی ملازمت پر پھر فائز ہوگا اور باورچی کو سولی دی جائے گی، مگر پیغمبرانہ شفقت ورحمت کی وجہ سے متعین کر کے نہیں بتلایا کہ تم میں سے فلاں کو سولی دی جائے گی۔ تاکہ وہ ابھی سے غم میں نہ گھلے، بلکہ اجمالی طور پر یوں فرمایا: کہ تم میں سے ایک رہا ہو جائے گا اور دوسرے کو سولی دی جائے گی۔[1]

غرض یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے دل کو ادنیٰ درجہ کی تشویش دینے سے بھی منع کیا ہے۔ فرمایا ایک مجلس میں تین آدمی ہوں تو دو آدمیوں کو کانا پھوسی نہ کرنا چاہیئے کہ تیسرا اکیلا رہ جائے گا۔ اس کے دل کو تشویش ہوگی حالانکہ اس کو گالی نہیں دی، برا نہیں کہا، مگر اس سے بچایا کہ تشویش نہ ہو۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ گھر میں تنہا تھے، اہلیہ صاحبہ کسی عزیزہ کے یہاں گئی تھیں اور حضرت سے کہہ گئی تھیں کہ ڈربہ کھول دیں۔ حضرت کو یاد نہ رہا اور ڈربہ کھولنا بھول گئے۔ نماز وتلاوت میں دل نہ لگا، کچھ دینی مضامین لکھنا چاہتے تھے مگر القاء نہ ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی، اس وقت دل میں آیا آج مرغیاں کھولنا بھول گیا ان کو بند کر

[1] تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۴۷۷ (یوسف: ۴۱)

رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے میرا دل بند کر دیا۔ اللہ پاک نے جن کو بصیرت دی ہے ان کے سامنے تو مرغی کا دل دکھانے پر بھی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے، ہم اندھا دھند کتنے دل دکھاتے ہیں اس کا احساس ہی نہیں۔ ان کا دل کھلا ہوا تھا۔ وہ اگر کسی وقت ذرا بھی حق تعالیٰ سے دور ہو جاتے تو ان کو اطلاع ہو جاتی ہے: اللہ پاک فرماتے ہیں ''جس کسی کے گھر جاؤ بغیر اجازت کے نہ جاؤ، اور جا کر سلام کرو۔'' اور ایسے وقت جاؤ کہ اس کے کھانے کا وقت نہ ہو۔ آرام کا وقت نہ ہو یہ فرائض میں ہے اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کو ایذاء پہنچانے سے بچو۔ کسی کی ناگواری سے بچو کسی کے دل پر بار نہ آنے پائے، اپنی طرف سے پوری کوشش ہو۔ دعا ہو، پکا ارادہ ہو کہ مجھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ میری وجہ سے کسی کا دل نہ دکھے، قصداً ہو یا بلا ارادہ۔ دونوں صورتوں میں کسی کے دل دکھنے کا ذریعہ نہ بنوں۔ جب یہ نیت و ارادہ ہوگا اور پھر اس کے لئے دعا بھی ہوگی اور کوشش بھی ساتھ ساتھ جاری رہے گی تو اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔ خاص طور پر بیوی اور ماتحتوں کا بہت ہی خیال رکھنا ہوگا کہ میری وجہ سے ان کو تکلیف نہ پہنچے بیوی کا دل نہ دکھے۔ صرف شوہر کی اس نیت اور دعا ہی سے کتنے مسائل حل ہو جائیں گے۔

بعض لوگ کسی کا دل دکھنے کا ذریعہ بن کر اذیت کا سبب بن کر کہتے ہیں کہ میرا ارادہ نہیں تھا کہ ایسا ہو، بس ہو گیا، اہل علم فرماتے ہیں کہ اتنا کافی نہیں ہے کہ ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ ضروری ہے کہ یہ ارادہ کرے کہ مجھ سے تکلیف کسی کو نہ پہنچے۔ یعنی حقوق العباد کے معاملے میں صرف عدم قصد اذیت کافی نہیں ہے بلکہ قصد عدم اذیت کرنا ضروری ہے۔ جیسے نگاہوں کی حفاظت کے معاملے میں بھی بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ گناہ گار ہونے سے بچنے کے لئے صرف عدم قصد نظر کافی نہیں ہے بلکہ قصد عدم نظر ضروری ہے۔ ورنہ ہر شخص لاپرواہی سے نگاہوں کو ڈھیلا چھوڑے رکھے

اور جہاں عام غیر محارم عورتوں کی ریل پیل رہتی ہو نظریں گھماتا رہے اور کہے کہ میں نے جان کر ارادے سے تو نہیں دیکھا، تو اس کو بھی یہی سمجھایا جائے گا کہ تو نے ارادہ ہی کب کیا کہ نظر نہ پڑے، خوب سمجھ لیں کہ صرف یہ دعوی کہ میرے قصد کے بغیر نظروں کے سامنے آ رہی ہیں تو میں کیا کروں؟ کافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ قصد اور ارادہ (اور اس کے مطابق عملی ہمت بھی) لازم ہے کہ میری نظر نہ پڑے۔

نظر کی حفاظت نہ کرنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اپنی بیوی چاہے وہ کتنی بھی حسین ہو نگاہ سے گر جاتی ہے، اس لئے کہ شیطان کا یہ بہت بڑا دھوکا ہے کہ دوسروں کی عورتوں کو مرد کی نگاہ میں بہت خوبصورت دکھلاتا ہے اور اپنی حلال بیوی کو بدصورت دکھلاتا ہے، تاکہ میاں بیوی میں جھگڑے ہوں۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ اپنی نگاہ چشمی و نگاہ قلبی دونوں کی سختی سے حفاظت کرے کہ دل میں بھی کسی نامحرم عورت کا تصور کر کے لذت حاصل نہ کرے۔

اور یہ دعا کرے:

﴿اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ [۱]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میرا دل پاک کر دے نفاق سے اور میرا عمل ریا سے اور میری زبان جھوٹ سے اور میری آنکھ خیانت سے کیونکہ تو خوب جانتا ہے آنکھوں کی چوری اور جو سینوں میں چھپا ہوا ہے۔''

نظر کی حفاظت کے لئے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک وعظ ''آنکھوں کی حفاظت کیجئے'' کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید رہے گا۔

---

[۱] مشکوٰۃ، باب جامع الدعاء: ج ۱ ص ۲۲۰

بیوی کو کبھی بُرے القاب سے یاد مت کیجیے

اس بات کو ذہن نشین کر لیجیے کہ برے القاب کے ذریعہ یا گرج دار غصیلے لہجہ کے ساتھ ڈانٹنے سے اصلاح نہیں ہوتی، وقتی طور پر شوہر کے ظالم و جابر ہونے کا تو احساس بیوی کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ اسی طرح شوہر کے بے وقوف اور بے وفا ہونے کا بھی یقین بیوی کو ہو جاتا ہے کہ چھوٹی سی غلطی پر یا بغیر پوری بات تحقیق کیے اپنے خیالات میں میرے قصوروار ہونے کا حتمی فیصلہ کر کے مجھ پر بچوں کے سامنے کس طرح برستے ہیں، ایک تو ان میں عقل نہیں، سمجھ نہیں اور دوسرے جانوروں سے بھی زیادہ بے وفا ہیں کہ میں صبح سے شام تک شوہر اور بچوں کے لئے کاموں میں لگی ہوئی ہوں اور تھوڑی سی غفلت پر ان سب احسانات کو بھول کر آپ مجھ سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں ظالم، جنگلی، پاگل، کام چور وغیرہ......

اس طرح کے برے القابات بعض اوقات بیوی کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست ہو جاتے ہیں کہ وہ بھولے بھی نہیں بھولتے۔ اور بعض اوقات تو شوہر کے انتقال پر جب اس کے کفن دفن کی تیاری کی جا رہی ہوتی ہے اور عورتیں سب روتی ہیں اور بیوی بھی خوب دل سے روتی ہے مگر اس کو اپنے تصورات میں وہ منظر، وہ جگہ وہ وقت، وہ لہجہ ایسا یاد رہتا ہے کہ اس وقت بھی جہاں شوہر کے اور احسانات یاد رہتے ہیں وہاں یہ برا منظر بھی یاد رہتا ہے کہ مرحوم جب غصہ ہوتے تھے تو چیر پھاڑنے والے درندہ کی طرح کاٹنے دوڑتے، اور جو کچھ منہ آتا تھا بول دیتے تھے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ ضرور اس بارے میں اپنا محاسبہ کرتا رہے، بار بار اکیلے میں اپنے آپ سے کہتا رہے کہ وہ شوہر ضرور ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں پہلے وہ انسان یعنی اشرف المخلوقات ہے۔ وہ شیر، چیتا، یا سانپ، بچھو کی طرح نہیں ہے۔ اور پھر اشرف المخلوقات میں وہ مسلمان ہے۔ جس کی تعریف پیغمبر صادق، سید

الرسل، آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے:

﴿اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ﴾ [1]

ترجمہ: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

تو ہر مسلمان میں میری بیوی بچے بھی داخل ہیں۔ مسلمان کے پاس سمجھانے اور افہام وتفہیم کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ اگر ۹۹ مرتبہ کوئی بات آپ بیوی کو سمجھا چکے ہیں اور پھر بھی اس نے وہی غلطی کی ہے تو یاد رکھیے، سویں مرتبہ بھی آپ کے پاس سمجھانے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

لوگ دارالافتاء میں آکر کہتے ہیں کہ مفتی صاحب ہم نے اپنی بیوی کو ہزار مرتبہ یہ بات سمجھائی ہے پھر بھی نہیں سمجھتی۔ تو مفتی صاحب ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟

کوئی بتاتا ہے دس سال، بارہ سال، دو سال وغیرہ تو ہزار مرتبہ تو پھر بھی نہ ہوا ہزار مرتبہ تو سفید جھوٹ ہے۔

یاد رکھیے! شیطان آپ سے ہزار مرتبہ کا کہلوا کر آپ کے نفس کو دھوکہ دیتا ہے کہ ''دیکھ تو نے ہزار مرتبہ سمجھا دیا پھر بھی یہ نالائق بیوی نہ سمجھی؟''

بلکہ آپ تو اپنے آپ کو یوں مطمئن کیجیے کہ اگر بالفرض والمحال میں نے ہزار مرتبہ بھی سمجھا دیا تو اب بھی میرے پاس سمجھانے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے ''حق بات حق نیت سے حق طریقے سے کہی جائے تو ضرور مؤثر ہوتی ہے۔ جہاں بات مؤثر نہیں ہوتی وہاں ان تین باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔ اگر ان رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ مؤثر ہوگی، مخاطب اثر قبول

[1] بخاری، کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده: ج ۱ ص ۶

کر کے صحیح عمل کرے گا۔ اگر مخاطب عمل نہ بھی کر سکا تو کم از کم یہ فائدہ لازمی ہے کہ اس کو صحیح علم ہو جاتا ہے۔“[1]

غور کیجیے، اس عبارت کو دوبارہ پڑھیے یہ اس تجربہ کار عالم کی بات ہے جس کو علماء ”شیخ الاسلام“ کے نام سے یاد فرماتے ہیں اور بے شمار لوگ ان کی تفسیر[2] اور مسلم شریف کی شرح[3] سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

آپ اگر بیوی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ان برے القابات سے، گرجدار لہجہ سے کبھی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی، جو اصلاح کا طریقہ ہے وہ اپنایئے، آپ کے لئے بھی اس میں عافیت ہے حفاظت ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اپنے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھتے ہیں، حضرت والد فرمایا کرتے تھے کہ نکیر (ملامت) ہمیشہ منکر (بری یا ناجائز بات) پر ہونی چاہیے اور غیر منکر پر نکیر کرنا خود قابل نکیر ہے کیونکہ یہ خود منکر ہے۔ لہٰذا بعض لوگ جو مساوات پر یا محض آداب و مستحبات کی تعلیم پر نکیر کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کا طرز عمل درست نہیں ہے۔ آداب و مستحبات کی تعلیم و تبلیغ تو کرنی چاہیے ان کی ترغیب بھی دینی چاہیے اگر کوئی شخص کسی مستحب کو چھوڑ دے تو اس کو تنہائی میں نرمی سے متوجہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں لیکن اس پر نکیر و ملامت کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات محض کسی ترک مستحب پر مجمع عام میں روک ٹوک یا ناراضگی کا اظہار شروع کر دیتے ہیں ان کے طرز عمل میں دو غلطیاں ہوتی ہیں۔ ایک تو غیر منکر پر نکیر کرنا۔ دوسرے جس شخص پر روک ٹوک کی جا رہی ہے، اسے مجمع عام پر رسوا کرنے کا انداز اختیار کرنا۔ اور بعض اوقات

---

[1] ماخوذ از مجالس مفتی اعظم مرتبہ مفتی عبدالرؤف سکھروی: ص ۲۹۳
[2] تفسیر عثمانی
[3] فتح الملہم

اس تمام نکیر و ملامت کے پس پشت عجب اور نفسانیت بھی کار فرما ہوتی ہے جو ایک مستقل گناہ ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات اس طرز عمل پر کاربند ہوتے ہیں، عام طور سے دیکھا یہ ہے کہ دین کے اہم معاملات سے ان کی نگاہیں اوجھل رہتی ہیں۔ آداب و مستحبات بڑے محبوب اعمال ہیں۔ ان پر چلنا وسعت میں ہو تو عمل کرنا چاہیے۔ اور دوسروں کو پیار و محبت سے ان کی ترغیب بھی دینی چاہیے لیکن ان کے ترک پر نکیر و ملامت کا انداز اختیار کرنا درست نہیں۔ [1]

یہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے قرآن و حدیث فقہ و تفسیر کی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ لہٰذا دعا بھی کیجیے اور کسی وقت میں دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگیے۔ اے اللہ! میرے اندر سے ایسی تمام بری عادتیں نکال دیں اور لوگوں کے ساتھ خاص طور پر بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

بعض اوقات چھوٹی سی بات پر شوہر کو بہت ہی غصہ آجاتا ہے خصوصاً اگر قوت پر کوئی چیز نہ ملے۔ مثلاً شدید پیاس کا تقاضا ہے، اب دیکھا تو گلاس نہیں مل رہا، سر میں درد ہو رہا ہے، منہ میں گولی ڈال لی، اب پانی پینے فریج کے پاس گئے تو بوتل نہیں رکھی، ہوئی غسل کرنے بیٹھ گئے تو صابن نہ تھا، اب اس طرح سب مراحل پر صبر کریں، اور بیوی کو ضرور سمجھائیں لیکن طریقہ سے سمجھائیں۔ سب سے پہلے تو یہ کوشش کریں کہ اسی وقت نہ سمجھائیں بلکہ تین نمازوں کا وقت گزرنے کے بعد سمجھائیں۔ مثلاً آپ کو یہ پریشانی فجر کے بعد ہوئی ہے تو ظہر، عصر، مغرب ان تین نمازوں کا وقت گزر جائے۔ پھر عشاء کے بعد سمجھائیں۔ اسی طرح اگر کوئی تکلیف دہ بات عصر کے بعد پیش آئی تو کوشش کیجیے کہ فجر کے بعد سمجھائیں اور سمجھاتے ہوئے یہ طریقہ

---

[1] ماخوذ از میرے والد میرے شیخ: ص ۱۴۰

ہرگز اختیار نہ کریں۔

دیکھو تم کیسی بے وقوف ہو، کیسی پاگل ہو، جب کئی مرتبہ سمجھا چکا ہوں مجھے پانی کی ضرورت رہتی ہے تو کمرہ میں گلاس کیوں نہیں رکھا، کیسی ظالم عورت ہو کہ میں نے تمہیں کہا تھا آج میرے پیٹ میں درد ہے، کھچڑی کھاؤں گا، پھر بھی تم نے کھچڑی نہیں بنائی وغیرہ۔

بلکہ برے القابات دینے کے اس انداز سے بچتے ہوئے مثبت انداز میں سمجھائیں۔ اور ان تین نمازوں کے وقت گزرنے کے درمیان یہ بھی ضرور سوچیں کہ اس میں میری کیا غلطی ہوگی، جب آپ انصاف کرتے ہوئے ٹھنڈے دل سے سوچیں گے تو بیوی کی غلطی میں آپ کو اپنی بھی غلطی نظر آئے گی۔ مثلاً: اپنے آپ کو یوں سمجھایئے کہ تم نے گولی منہ میں کیوں رکھ لی بغیر پانی کے گلاس لئے ہوئے، یا غسل کرنے سے پہلے صابن، تولیہ خود کیوں نہ دیکھ لیا وغیرہ۔

کھچڑی کے لئے دوبارہ اگر میں یاد دہانی کروا دیتا تو کونسی میری شان میں بٹہ لگ جاتا، اور انسان ہے بھول ہو ہی جاتی ہے صرف بھولنے پر ظالم، چور، پاگل بیوقوف، جاہل، ناکارہ، بدتربیت اور جنگلی کے القابات سے اگر میں کسی کو نوازتا ہوں تو حقیقۃً یہ میں اپنے آپ ہی کو کہہ رہا ہوں۔ ان شاء اللہ الرحمٰن اس طرح کرنے سے بہت ہی فائدہ ہوگا، آپ کو سکون میسر ہوگا، صحت و عافیت ملے گی، گھریلو جھگڑوں کے علاوہ اور بہت سارے باہر کے جھگڑے بھی ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے دونوں کے درمیان آپ محبوب ہو جائیں گے۔

دوسروں کی غلطی کو اپنی غلطی تسلیم کرنا اور اپنی غلطی نہ ہونے کے باوجود اعتراف جرم اور ندامت کا انداز اختیار کرنا بڑے دل گردہ کی بات ہے۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اپنے آخری دور میں ایک جماعت کے ساتھ لکھنو تشریف لے گئے، دارالعلوم ندوہ میں قیام تھا۔

حضرت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ نے پاناٹالہ میں خصوصی اجتماع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب میں رکھا تھا اور حضرت کو ندوہ سے لانے کے لئے اپنے چھوٹے بھائی حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا تھا۔ مولانا عبدالرحیم کسی وجہ سے تاخیر سے پہنچے اور پاناٹالہ حضرت کے پہنچنے میں تاخیر ہوگئی، جس کے سبب شریک ہونے والے مہمان انتظار کر کے واپس چلے گئے۔ جب مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پہنچے تو مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ نے تاخیر سے آنے کی شکایت کی تو حضرت نے فوراً فرمایا کہ غلطی ہوگئی۔

اور پھر اپنے رفقاء سے فرمایا کہ بھئی بھائی کی غلطی کہہ کر اپنی صفائی دی جا سکتی تھی مگر زیادہ بہتر یہی ہے کہ ہم غلطی کے نہ ہوتے ہوئے بھی اعتراف کرلیں، یہ کام اس مزاج کو چاہتا ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کا مزاج اپنوں اور غیروں کی جھیلنا ہے۔[1]

تو سوچیے اگر اپنی غلطیوں کو ڈھونڈنے لگ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ میں وہ صفات قبولیت پیدا فرمائیں گے جن صفات کی بناء پر آدمی سے نبیوں والا کام یعنی (دعوت الی اللہ) کا کام لیا جاتا ہے۔

بچے سے دوستی کیجیے

تعلیم کا مقصد فقط یہ نہیں کہ ایک مخصوص نصاب آپ نے بچے کو رٹوا دیا اور بچے نے امتحان پاس کرلیا، بلکہ باپ کا فرض ہے کہ وہ اپنے معصوم بچے کی علمی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی عملی زندگی کو بھی پیش نظر رکھے اور اس کی ایسی تربیت کرے کہ وہ زندگی کے ہر امتحان اور زمانے کے ہر طرح کے حالات کو سہارنے کی طاقت رکھتا ہو۔

[1] ماخوذ از ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس دہلوی: ص ۴۳

اس کے لئے ضروری ہے کہ بچے کے اندر ایک طرح کی خود اعتمادی ہو اور وہ ہر کام اعتماد سے کرتا ہو، اور یہ خود اعتمادی بغیر گھر کے خوشگوار اور ہمدردانہ ماحول کے پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے گھر کے اندر کا ماحول خوشگوار، ہمدردانہ اور بے تکلف ہونا چاہیئے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر معصوم بچے کو ڈانٹنا، پھٹکارنا کسی طرح مناسب نہیں، اس سے بچے میں اضطراب اور خوف پیدا ہوتا ہے جس سے وہ زندگی کا کوئی کام پھر اعتماد سے نہیں کر سکتا۔ اس لئے باپ کو چاہیئے کہ بچوں کی بہتری کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لئے مثبت اور تعمیری دلچسپیاں اور مشاغل فراہم کریں جن سے صحت مند خطوط پر بچوں کی جبلتوں کی صحیح رہنمائی ہو اور ان کے جذبات کی صحیح تسکین ہو اور وہ کسی محرومی کا شکار نہ ہوں۔ بچوں کو تحفظ کا احساس دلایئے، اور اس بات کا احساس دلایئے کہ گھر میں اس کی بات بھی وزن رکھتی ہے، اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور اس کا ایک مقام ہے۔ اس کے لئے بچوں کو ان باتوں اور احساسات کے اظہار کا موقع دیجئے جو وہ دوستوں کی محفل میں اپنی کمزوری یا کسی اور وجہ سے ظاہر نہیں کر سکتے۔

لہٰذا بچوں کو کبھی کبھار اپنے پاس بٹھایئے، ان سے بات کیجیئے، ان کی بات سنیئے، ان کو باتوں میں بے تکلفی سے شریک کیجیئے، ان کو موقع محل کے مطابق سوچ سمجھ کر بولنا سکھایئے، ان کے چھوٹے چھوٹے مسائل سنیئے اور ان میں دلچسپی کا اظہار کیجیئے، ان کے ساتھ ان کے کھیل میں شریک ہو جایئے اور ان سے یوں گھل مل جایئے کہ وہ آپ کو اپنا گہرا اور مخلص دوست سمجھیں اور اپنی ہر بات آپ سے بلا تکلف کہہ سکیں۔ اس طرح ان کی پریشانیاں اور مسائل آپ کے سامنے آئیں گے اور آپ آسانی کے ساتھ اس کا حل تلاش کر سکیں گے اور انہیں کئی خارجی لغویات اور لغزشوں سے بچا سکیں گے۔

لیکن اس بات کا خاص خیال رکھیئے کہ اگر آپ کے سامنے بچے کی کوئی خطا یا

کوتاہی آئے تو آپ جان بوجھ کر اس کو نظر انداز نہ کریں ورنہ آپ کا یہ طرزِ عمل بھی اس کو اس کام کا عادی بنا دے گا، بلکہ ایسی صورت میں آپ اس کی غلطیوں کی نشان دہی اکیلے بلا کر کریں اور اسے مناسب طریقے سے بغیر ذلیل کیئے ہوئے سمجھا کر منع بھی کریں کہ اسے ناگوار نہ گزرے اور وہ آپ سے اپنی باتیں چھپانے نہ لگے۔

ایک نکتہ سمجھ لیں کہ اتنی سختی ٹھیک نہیں کہ وہ بچہ آپ کو ظالم سمجھ کر کچھ نہ کہہ سکے، اور اتنی بے تکلفی بھی ٹھیک نہیں کہ باپ بیٹے کے مقدس رشتے کا خیال ہی نہ رہے اور جو منہ میں آئے وہ جھٹ سے کہہ دے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بچوں کی صحیح تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بچوں کے لئے ایسے دوست تلاش کیجیے

یہ بات ایک حقیقت ہے کہ انسان پر اس کے ہم نشین کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، اگر ہم نشین اچھا اور نیک ہے تو اس کی طبیعت بھی نیکی کی طرف مائل ہوتی ہے اور اچھے اور نیک کام کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتے ہیں اور برے کاموں سے اس کی طبیعت خود بخود متنفر ہو جاتی ہے۔ اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ"[1] یعنی آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے ہر ایک دیکھ لے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر مثال سے سمجھایا ہے۔ فرمایا: نیک دوست کی مثال ایسی ہے، جیسے مشک (خوشبو) بیچنے والا کہ یا تو آپ اس سے خوشبو خرید لیں گے، یا وہ آپ کو ہدیہ دے دے گا ورنہ کم از کم اس کی خوشبو تو پہنچتی ہی رہے گی۔ اور برے دوست کی مثال بھٹی جھونکنے والے کی طرح

[1] مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۲۷

ہے کہ یا تو چنگاری اڑ کر تیرے کپڑے جلا دے گی، اگر یہ نہ ہوا تو بدبو تو پہنچے گی ہی۔[1]

اس لئے باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کے دوستوں پر نظر رکھے اور کسی ایسے بچے سے ہرگز اسے دوستی نہ کرنے دے جس سے اس کے اخلاق یا اعمال بگڑنے کا خطرہ ہو، اور خود اپنے بچے کے لئے اچھے دوست تلاش کر کے بچے کی دوستی ان سے کرائے۔ بچے کے لئے اچھے دوست تلاش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگے، اپنی اہلیہ یعنی بچے کی والدہ سے بھی دعا کروائیں کہ اے اللہ! ہماری اولاد کو نیک ساتھی اور شریف دوست عطا فرما اور برے دوستوں سے ان کی حفاظت فرما۔

دوستی کے لئے جن صفات کا ہونا ضروری ہے وہ آپ اچھے طریقے سے جانتے ہیں، البتہ یاد دہانی کے لئے ہم چند صفات بیان کرتے ہیں جن کا حامل، اچھا دوست ثابت ہو سکتا ہے۔ ان صفات سے پہلے یہ بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ دینی ماحول کا بچوں پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنے بچے کو دینی ماحول دیجیے، اس کے لئے آپ کے پورے گھر کا دین دار ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ بچے بات سے زیادہ عمل سے سیکھتے ہیں۔

وہ صفات یہ ہیں:

1. جس بچے سے آپ اپنے بچے کی دوستی کرانا چاہتے ہیں، وہ بچہ آپ کے بچے کا ہم عمر ہو، اپنے سے عمر میں بڑے یا چھوٹے بچوں سے دوستی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔
2. اسی طرح اس بچے کے والدین بھی نمازی اور دیندار ہوں، ان کے گھر میں ٹی وی اور اسی طرح کی دوسری خرافات نہ ہوں۔ اور ان کا معیار آپ کے معیار زندگی کے برابر ہو، اپنے سے بہت زیادہ امیر سے دوستی بھی مناسب نہیں۔
3. نماز، روزہ اور شرعی احکام کا پابند ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دینے والا

---

[1] مشکوٰۃ، باب الحب فی اللہ ومن اللہ: ج ۲ ص ۴۲۶

ہو۔

۴ اگر بچیاں ہوں تو ان کی والدہ کے ذریعے ایسی سہیلیوں کا انتخاب کروائیں جو شرعی پردہ اور دوسرے شرعی احکامات کی پابند ہوں۔

۵ یہ بات بھی ضروری ہے کہ دوست ایسا ہو کہ اپنے دوستوں میں سے کسی میں اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کا چرچا نہ کرے اور نہ اس کی ہاں میں ہاں ملائے، بلکہ محبت اور پیار سے اس برائی سے ہٹانے کی کوشش کرے۔

اگر آپ نے ان صفات کو دیکھ کر بچے سے دوستی کرائی تو ان شاء اللہ رب کریم سے قوی امید ہے کہ اس سے بہت ہی اچھے نتائج برآمد ہوں گے اور آپ کا بچہ بہت ساری خوبیوں کا مالک ہوگا۔ لیکن جس طرح اچھے دوست نفع اور فائدے کا باعث ہیں اسی طرح برے دوست نقصان کا سبب ہوتے ہیں، اس لئے اپنے بچوں کو برے دوستوں کی صحبت سے دور رکھیے۔ دوستوں کے پاس جانے کا وقت بھی متعین رکھیے، مغرب کے وقت بچے ضرور گھر پر آجائیں، اس کی پابندی کرائیں۔

بچے کی نگہداشت

"بچے قوم کے معمار ہوتے ہیں۔" یہ مقولہ تو سب نے ہی سنا ہوگا، لیکن اس مقولے کو بہت کم لوگ اہمیت دیتے ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح معمار ہو سکتے ہیں؟

مثلاً: جب انسان زمین میں کسی پودے کا بیج لگاتا ہے، صبح و شام وہ اس کے لئے دعا کرتا ہے، ہر روز زمین کے اس حصے کی دیکھ بھال کرتا ہے جہاں بیج بویا گیا ہو، پھر جب چند دنوں کے بعد وہاں کوئی ننھی کونپل پھوٹتی ہے تو اس آدمی کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی اور پھر پابندی کے ساتھ وہ اس پودے کی دیکھ بھال کرتا ہے، پابندی سے پانی دیتا ہے، کھاد ڈالتا ہے، دوسرے جانوروں اور پرندوں سے اس چھوٹے

پودے کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے ساتھ اس کی دعائیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ جب وہی چھوٹا سا پودا بڑا ہو کر تناور درخت بنتا ہے تو اس کی ٹھنڈی چھاؤں اور ہوا راہگیروں کے لئے باعث رحمت ہوتی ہے، اس درخت کی پیداوار بھوک مٹانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرنے، دھول مٹی، سیلاب، گرمی کی تپش کو روکنے میں بھی یہ درخت مددگار ہوتے ہیں، اسی طرح کسی بھی قوم کا مستقبل اس کی نئی نسل سے وابستہ ہوتا ہے، بچے ہی مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، صحت مند بچے صحت مند قوم اور صحت مند معاشرے کے ضامن ہوتے ہیں۔ آج کے بچے ہی آنے والے کل کے رکھوالے ہیں۔ یہی کل کو بڑے ہوکر ملک وقوم اور دین وملت کی حفاظت کریں گے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ بچوں کی صحت پر خاص توجہ دی جائے۔ چنانچہ بچوں کی صحت وتندرستی کے لئے ضروری ہے کہ پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد ان کی خاص طور سے نگہداشت کی جائے۔ ایک صحت مند جسم ایک صحت مند دماغ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس لئے بچوں کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی نشوونما کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

آیئے! بچے کی نگہداشت، ذہنی وجسمانی صحت اور شخصیت میں توازن برقرار رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں پر خصوصی توجہ دیں۔

یہ اصول ماں باپ دونوں کے لئے یکساں ہیں:

(۱) بچے کی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھیں۔

(۲) بچے کا لباس ہلکا پھلکا، ڈھیلا ڈھالا، صاف اور آرام دہ ہونا بہت ضروری ہے۔

(۳) موسم کے مطابق بچے کے لباس کا انتخاب کریں۔

(۴) ہمیشہ ہلکے رنگ پسند کریں، کیونکہ جس طرح بچے نرم ونازک ہوتے ہیں اس لحاظ سے ان کے لئے رنگ بھی نرم وملائم ہی مناسب رہتے ہیں۔

۵ بچے سے کبھی چیخ کر بات نہ کریں، بلکہ نہایت دھیمے لہجے میں آہستہ اور آسان بات کریں۔

۶ بچے میں احساس ذمہ داری پیدا کریں، وہ اس طرح کہ اس کے ذہن میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کریں کہ وہ اپنی چیزوں کا خیال خود رکھے۔ اپنے کام خود اپنے ہاتھ کرے۔ اس طرح اس میں لاپروائی کی عادت کم ہوگی۔ مثلاً: کھانے کا تقاضہ ہے تو دسترخوان بچے سے بچھوائیں، کھانے کے بعد برتن اٹھانے کی اور صفائی کی ترغیب دیں، اس کے فوائد بیان کریں۔

۷ بچے کے ساتھ ہمیشہ لفظ ''آپ'' کے ساتھ گفتگو کریں۔

۸ اگر بچے سے کوئی غلطی ہو جائے یا قیمتی چیز ٹوٹ جائے تو بچے کو نہایت پیار سے سمجھائیں کہ وہ آئندہ اس بات کا خیال رکھے، اگر آپ مارنے یا ڈانٹنے سے کام لیں گے تو آپ کا نقصان تو ہرگز پورا نہ ہوگا، بلکہ بچے کے ذہن میں آپ کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے گی۔

۹ بچے کو ہمیشہ مارنے یا ڈانٹنے سے گریز کریں، کیونکہ جب آپ بچے کو ڈانٹیں گے تو ممکن ہے وہ اس ڈانٹ سننے کو اپنی عادت بنا لے اور جب آپ مار کا حربہ استعمال کریں گے تو آپ کا بچہ ڈھیٹ ہو جائے گا، ڈھیٹ ہونے کے ساتھ نڈر بھی ہو جائے گا اور وہ کوئی بھی نقصان وہ کام کرنے سے پہلے یہ سوچے گا کہ جو کرنا ہے کر گزرو، زیادہ سے زیادہ مار ہی پڑے گی نا۔

۱۰ بچے کی ہر خواہش کو ہرگز پورا نہ کریں۔ اس طرح بچہ خودسر ہو جاتا ہے۔ ہر خواہش پوری کرنے سے بچے کی شخصیت میں صبر، ہمدردی، یکسانیت اور مل جل کر رہنے جیسے جذبات کی نفی ہو سکتی ہے۔

۱۱ آپ کا بچہ جو بات آپ سے کہنا چاہتا ہے، اس کی بات بھرپور توجہ سے سنیں تاکہ جواباً وہ بھی آپ کی بات توجہ سے سن سکے۔

۱۲ ایک بچے کی خامیاں دوسرے بچے کے سامنے ظاہر نہ کریں، اس طرح اس دوسرے بچے میں غرور پیدا ہونے کا امکان ہے۔

۱۳ ایک بچے کی تعریف دوسرے بچے کے سامنے بہت زیادہ اور بار بار نہ کریں، اس طرح وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

۱۴ بچے میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور بچے کو اس کی عمر کے مطابق چھوٹی چھوٹی باتوں کا فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کریں۔ مثلاً وہ کون سی آئس کریم کھانا پسند کرے گا، انڈے کا آملیٹ کھائے گا یا فرائی انڈا لے گا۔ اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بچے میں اس کی رائے ضرور لیں۔ اور ہلکی پھلکی تقریبات میں بچوں کو بھی شامل کریں۔ اس طرح ان کی شخصیت میں اعتماد پیدا ہوگا۔

۱۵ بچے کو کسی چیز سے ڈرانے کی ہرگز کوشش نہ کریں مثلاً "بابا آجائے گا۔" "اس جگہ جن بابا ہے۔" "اگر تم نے فلاں کام کیا تو میں ماروں گا۔" وغیرہ کے بجائے فلاں کام کی نفرت دلائل سے اس کے دل میں بٹھانے کی کوشش کریں، اور اس کے مقابلہ میں اچھے کام کے فضائل و فوائد اتنے سمجھا دیں کہ وہ برے کام سے بچ جائے۔

۱۶ بچے کی غذا کا خاص خیال رکھیں۔ ثقیل (بھاری) اور دیر سے ہضم ہونے والی غذا سے پرہیز کروائیں۔

۱۷ بچے کی حرکات و سکنات، آنکھوں، جلد، پیٹ کا غیر معمولی بڑھنا، جسم کی حرارت، پیشاب اور فضلے کی رنگت، رونا اور سستی و کاہلی پر نظر رکھیں۔ اس لئے کہ بچہ بڑوں کی طرح اپنے محسوسات بیان نہیں کر سکتا اور یہ ساری نشانیاں بچے کی صحت اور بیماری کا پتہ دیتی ہیں۔

۱۸ اپنے بچوں کو بہت زیادہ کھلونے نہ لے کر دیں۔ خاص طور پر ایسے کھلونے جو

تصویر کے حکم میں ہوں، مثلاً: گڈے گڑیا وغیرہ، ہاں ایسے کھلونے ضرور لے کر دیں جو ان کی جسمانی صحت کے لیے بھی مفید ہو، ذہنی آزمائش اور مشغولیت بھی ہو۔

۱۹ بچے کے ساتھ تصوراتی گفتگو نہ کریں، بلکہ اسے حقیقی باتوں سے آگاہ کریں۔

۲۰ بچے کے ساتھ ہمیشہ سچ بولیں، بلکہ اسے سچ اور جھوٹ کی تمیز کروائیں۔

۲۱ بچے کو کسی قسم کا دھوکا دینے کی کوشش نہ کریں۔ ممکن ہے کہ وہ بڑا ہو کر آپ کو دھوکا دینے لگے۔

۲۲ بچے کو روزانہ کے کاموں کے اوقات کا عادی بنائیں۔ مثلاً: وقت پر سونا، جاگنا، کھانا، پڑھنا، کھیلنا وغیرہ۔

۲۳ بچے کے لئے ایسے کمرے کا انتخاب کریں جو کھلا، ہوا دار اور صاف ستھرا ہو۔

۲۴ بچے کو سمجھائیں کہ لباس تبدیل کر کے کپڑے مخصوص جگہ پر رکھے۔ یہ نہ ہو کہ پورے کمرے میں کپڑے پھیلاتا پھرے، موزے ایک کونے میں ڈالے اور جوتے دوسرے کونے میں رکھے۔

۲۵ اپنے اور بچے کے درمیان ذہنی فاصلہ نہ رکھیں، بلکہ دوستانہ رویہ رکھیں۔

۲۶ بچے کو دوسروں کی موجودگی بالخصوص اس کے ہم عمر دوستوں کے سامنے کسی بات پر نہ ڈانٹیں اور نہ ہی اس کی غلطیاں گنوائیں، اس طرح آپ کے بچے کی عزت نفس مجروح ہو سکتی ہے۔

۲۷ سات سال کے بعد بچوں کو اپنے کمرے میں نہ سلائیں، بچوں کے درمیان برابری روا رکھیں۔

اگر بچے کی نگہداشت ان اصولوں پر کی جائے تو یہ ایک نسل پر احسان ہوگا، ایک معاشرے پر احسان ہوگا اور کسی حد تک معاشرتی برائیاں، آپس کے اختلافات، ذہنی رنجشیں، امیری وغریبی کا فرق، طبقاتی نظریات اور حرص و کینہ پروری میں کمی کی جا

سکتی ہے۔ بچے کی صحیح نگہداشت ہی اسے قوم کا بہترین معمار بنا سکتی ہے۔

بچے کے پیٹ کے درد کی شکایت کو نظر انداز نہ کریں

اسکول سے بچنے کے لئے عموماً بچوں کا یہ بہانہ ماؤں کو پسند نہیں آتا نتیجتاً روتے دھوتے بچے اسکول روانہ کر دیے جاتے ہیں جہاں وہ پوری توجہ سے پڑھائی نہیں کر پاتے۔

یاد رکھیں! اگر کوئی بچہ مستقل پیٹ میں درد کی شکایت کرتا ہے تو اسے نظر انداز مت کریں، ضروری نہیں کہ یہ محض بہانہ ہی ہو۔

بچوں کو عموماً پیٹ میں درد کی شکایت رہتی ہے جو جلد ٹھیک نہیں ہو پاتی۔ ہوسکتا ہے کہ بچے درد کو صحیح طور پر بیان نہ کر پاتے ہوں، اس صورت حال میں مکمل ڈاکٹری معائنہ ضروری ہے۔ خون اور پیشاب کے ٹیسٹ اس مسئلہ کو سمجھنے میں بہت مددگار ثابت ہوتے ہیں اور ان کی مدد سے ''خون کی کمی'' یا ''یورین انفیکشن'' کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔

پیٹ کے درد کی دیگر وجوہات بھی ہوسکتی ہیں، پیٹ میں (LYMPH NODES) کی سوجن، حلق میں انفیکشن، ناقص خوراک، دودھ یا گندم کے باعث فوڈ الرجی بھی اس تکلیف کا موجب ہوسکتی ہے۔ دیگر ممکنات میں السر، پتے کی بیماری، ٹی بی اور زہریلے مادوں کے فعال ہونے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ضروری نہیں کہ جسمانی عوارض ہی پیٹ کے درد کا موجب ہوں، ماہرین نفسیات کے مطابق عموماً شدید درد نفسیاتی دباؤ یا تفکر کا باعث بھی ہوسکتا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ محض ذہنی اختراع ہے۔ بچوں میں افسردگی، تفکر اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے پیدا ہونے والے خوف چاہے وہ گھر میں ہوں یا اسکول میں، جسمانی درد کا باعث بھی بنتے ہیں۔ بچوں کا زرد رنگ، پیٹ کی سختی، ابکائیاں یا قبض کی علامات اچھے اشارے نہیں ہیں۔

بعض بچوں کو پیٹ کے درد کے دوران ٹانگوں اور سر درد کی شکایت بھی ہوتی ہے اور اگر آدھے سر کا درد موروثی ہو تو اس کی شکایت بھی سننے میں آتی ہے۔

تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ جن بچوں کے والدین یا گھر کے دیگر افراد بچوں کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں اور انہیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ تنہا نہیں، ایسے بچے نمایاں طور پر اس مسئلے پر قابو پالیتے ہیں۔

ایک بچے کے سلسلے میں تمام ڈاکٹری ٹیسٹ درست ثابت ہوئے، لیکن اس کے درد کی اہم وجہ یہ تھی کہ اسے اسکول میں بچے بہت زیادہ تنگ کرتے اور مستقل مذاق کا نشانہ بنائے رکھتے تھے۔ جب اس کا علم اس کے والدین اور اساتذہ کو ہوا اور انہوں نے باہمی کوششوں سے اس شکایت کو دور کر دیا، تو بچے کو نفسیاتی دباؤ کی وجہ سے ہونے والے پیٹ کے درد سے نجات مل گئی۔

اسی طرح کم پانی پینا، یا پیشاب کے تقاضہ پر پیشاب نہ کرنا، پیشاب کرنے کے بعد اچھی طرح جسم کو نہ دھونا یہ بھی بیماریوں کا سبب بن سکتے ہیں، لہٰذا صبح اٹھتے ہی پانی کا گلاس ضرور پلانے کی عادت بنایئے، اسی طرح وقتاً فوقتاً پانی کا پوچھتے رہیئے، اور پیشاب روکنے کی عادت کے نقصانات بتلایئے اور سمجھایئے کہ اس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ پیشاب کے تقاضہ پر فوراً پیشاب نہ کرنا، یہ ایک بری عادت ہے، جس کو اسلام نے پسند نہیں کیا۔ اسی لئے فوری پیشاب کے تقاضے پر نماز کو موخر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح پیشاب کرنے کے بعد اچھی طرح پانی بہا دینا، جسم کی اچھی طرح صفائی کرنا، صحت اور پاکیزگی کی علامت ہے۔

اسی طرح بچے کو اُبلا ہوا پانی استعمال کروائیں اور خود بھی اُبلا ہوا پانی ہی استعمال کریں۔

چھالیہ جیسے مہلک زہر سے بچے کو دور رکھیے، چھالیہ کے مسلسل استعمال سے

مہلک بیماریوں کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

چیونگم کے ''نشے'' سے بچے کو دور رکھیے، مسلسل چیونگم چبانے سے بچے کے منہ کا لعاب ختم ہو جاتا ہے۔ یہ لعاب کھانے کو نگلنے اور ہاضمے کے عمل میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

غیر معیاری ٹافیاں بچوں کے دانت خراب کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں اور مستقل میٹھی اشیاء کا استعمال اور دانت کی صفائی کا فقدان، بچوں کے چمکتے دمکتے دانتوں کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ بچوں کو معیاری کمپنی کی ٹافیاں دلوایئے اور فوراً اچھی طرح برش کروایئے۔ کبھی بھی بچے کو مصنوعی رنگ والی اشیاء خرید کر نہ دیں۔ یہ اشیاء بچوں کے معدے میں پہنچ کر زہر کا کام انجام دیتی ہیں۔

آپ کا بچہ مکمل شخصیت کا مالک بن سکتا ہے

بچے کے دنیا میں آنے کے بعد جو بات توجہ طلب ہے، وہ یہ کہ بچے کی ''جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی نشوونما'' بہتر سے بہتر ہو سکے۔

جب بچہ بولنا شروع کرے تو کبھی بھی اس کو کوئی برا لفظ مت سکھائیں۔ بچپن میں اکثر لاڈ پیار میں گھر والے، بچے کو غلط الفاظ سکھا دیتے ہیں اور جب بچہ توتلی زبان میں ان لفظوں کو بار بار دہراتا ہے تو سب خوش ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دوبارہ سننے کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ اس سے بچہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی بہت اچھی بات ہے، لیکن جب وہ یہی الفاظ کسی مہمان کے سامنے دہرائے تو اس کا فعل باعث شرم ہوتا ہے۔

مثلاً بڑے بھائی یا چچا زاد بھائی کسی بچے کو پاگل کہتے ہیں، اب وہ توتلی زبان میں ''پادل، پادل'' کہتا ہے تو سارے گھر والے محفل کو مزین کرنے کے لئے اس سے یہ لفظ کہلواتے ہیں، بھئی وہ کون ہے؟ اچھا پادل، وغیرہ۔ والدین کو چاہیے ایسے

وقت میں طریقے سے سمجھا دیں کہ یہ الفاظ زبان کو گندا کر دیتے ہیں۔ ان الفاظ سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔

لہٰذا بچے کے بولنے کا آغاز ہمیشہ اچھے لفظوں سے کریں۔

اسی طرح جب آپ کے گھر مہمان آئیں تو ان کے استقبال میں کبھی بھی اپنے بچوں کو نظر انداز مت کریں، بلکہ بچے کا پورا نام لے کر مہمانوں سے اس کا تعارف کروائیں تاکہ بچے کو اپنی اہمیت کا احساس ہو۔

اگر آپ مہمانوں کے پاس بیٹھے ہوں اور آپ کا بچہ آکر کچھ پوچھے تو اپنی گفتگو میں کبھی بھی بچے کو نہ ڈانٹیں، بلکہ گفتگو روک کر اس کی بات توجہ سے سنیں اور مناسب جواب دے کر اسے مطمئن کریں۔

بچے کی کسی بھی خرابی کا ذکر ہر ملنے والے سے نہ کریں۔ بچہ جب دیکھے گا کہ میری فلاں عادت کا ذکر ہر ایک کے سامنے کیا جاتا ہے، تو سوچے گا کہ ضرور اس میں کوئی خاص بات ہے، تو وہ عادت کو چھوڑنے کے بجائے مستقل طور پر اپنا لے گا۔

بچے کی کسی ناکامی کا ذکر کسی ملنے والے سے ہرگز نہ کریں۔ آپ کے اس عمل سے بچے کی شخصیت بری طرح ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

بچے کی معمولی کامیابی کو بھی بچے کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کریں تاکہ اس میں اعتماد اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو۔

جب بھی بچے کے اسکول میں "یوم والدین" ہو، اس میں ضرور شرکت کریں، آپ کے اس رویے سے بچے میں تحفظ کا احساس اور خود اعتمادی پیدا ہوگی۔ کسی دوسرے بچے کو اس کے مقابل نہ لائیں، ایسا کرنے سے ایک تو آپ کے بچے میں آپ کے لئے بہت زیادہ نفرت پیدا ہو جائے گی اور دوسرا اس کی مضبوط شخصیت پر جو کاری ضرب لگے گی، آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

بچے کے سامنے، مہمانوں سے اور ملنے والوں سے دل کھول کر بچے کی تعریف

کریں۔ بچے کو اعتماد کی دولت سے مالا مال کرنے کی یہ سب سے آسان ترکیب ہے۔

بچے سے کبھی بھی جھڑک کر بات نہ کریں۔

بچے کو ہمیشہ عزم و ہمت سے بھرپور بہادروں کے واقعات سنائیں، اس سے بچے کا اندر کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔

بچے کے دوستوں پر نظر رکھیے کہ وہ کس گھرانے سے ہیں؟ کس مزاج کے ہیں؟ بچے کے دوست تقریباً اس کے ہم عمر ہی ہونے چاہئیں۔

اسکول سے آنے کے بعد کوشش کریں کہ بچہ کا زیادہ وقت گھر میں ہی گزرے، کیونکہ باہر نکل کر اگر وہ ایک بات اچھی سیکھتا ہے تو دو خراب باتیں ضرور سیکھتا ہے۔

بچے کے ساتھ وقت نکال کر کھیلیے۔

بچے کی صلاحیتوں کو سراہیں، کیونکہ ہر بچہ اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنے بچے کو اس خوشی سے محروم نہ رکھیں۔

بچے کو اپنی حیثیت کے موافق اس کی مرضی کی خریداری کرنے دیں۔ کبھی بھی بچے پر اپنی مرضی مسلط نہ کریں، آج یہ چھوٹے چھوٹے فیصلے خود کر کے کل بڑے فیصلے بھی خود کرے گا۔ اسے اعتماد سے فیصلہ کرنے دیں۔

بچپن میں اپنے بچے کے سارے کام خود مت کریں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اپنے بچے کے حق میں بہتر نہیں کرتے۔ بچوں کو شروع سے ہی چھوٹے چھوٹے کام کی عادت ڈالیں، اس طرح ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہوگا اور وہ بڑے ہو کر بھی چست و چالاک بن سکیں گے۔

ہمیشہ اپنے بچے کو بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت کرنے کی تلقین کریں۔

اگر آپ نے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے مندرجہ بالا باتوں پر عمل کر لیا تو یقین جانیے کہ آپ کا بچہ ان شاء اللہ ایک مکمل اور پر اعتماد شخصیت کا مالک ہوگا اور

یقیناً آپ کو بھی خوشی ہوگی۔ کیونکہ اولاد کی کامیابی، ماں باپ کی بہترین پرورش کا ہی نتیجہ ہوتی ہے۔

بچوں کو صبح کا ناشتہ اپنی نگرانی میں کروایئے

حکماء نے ناشتے کو صحت کے لئے بہت ہی مفید و نفع بخش سمجھا ہے۔ اگر صبح صحیح طریقے سے ناشتہ کرایا جائے تو بچہ ان شاء اللہ تعالیٰ صحت مند ہوگا اور صحت مند جسم ہی صحت مند دماغ پیدا کرتا ہے۔ یہی دماغ بعد میں جا کر آپ کے لئے دنیوی و اخروی کامیابی کا ذریعہ بنے گا۔ لہٰذا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے، اسی میں سے خود اپنے آپ پر اور اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیجیے۔ تعمیرات اور فضول ملبوسات و نمائشی چیزوں پر خرچ کرنے کے بجائے یہی رقم پھلوں اور مقوی غذاؤں پر خرچ کریں اور بچوں کی بھی تربیت اسی طرح کریں کہ وہ اپنے آپ پر اور غریبوں پر خرچ کریں اور ناشتہ کی اہمیت ان کو ذہن نشین کرائیں، اور اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ بچہ بغیر ناشتہ کیئے ہوئے اسکول یا مدرسہ وغیرہ نہ جائے اور ہاں ناشتے کے بعد کی دعا بچوں کو ضرور یاد کروائیں اور ان سے سنیں بھی تاکہ ان کو عادت پڑ جائے۔ دعا یہ ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ﴾ [1]

ترجمہ: ''تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔''

رات بھر بھوکے رہنے کے بعد صبح کے وقت ناشتہ بہت ضروری ہوتا ہے، کیونکہ معدہ ایک طویل وقت تک خالی رہتا ہے۔ صبح ناشتہ کرنے سے دماغ کو بھی توانائی حاصل ہوتی ہے، رات کو خون میں گلوکوز کی سطح کم ہو جاتی ہے، اس لئے صبح کے وقت اس کو دوبارہ بڑھانے کے لئے قدرے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ گلوکوز کی

---

[1] ابن سنی: ص ۱۵۸

ضرورت دماغ کو یادداشت کے عمل کے لئے ہوتی ہے، یہ اسکول کے بچوں اور مشقت کرنے والے نوجوانوں کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

بقول اطباء صبح کا ناشتہ تیزی سے اثر دکھاتا ہے، اور جانچ پڑتال کے معاملے میں کارکردگی بڑھاتا ہے۔ ماہرین کے مطابق گندم سے بنی ہوئی ڈبل روٹی (جسے ہم براؤن بریڈ بھی کہتے ہیں)، تمام اناج وریشے دار غذا، قبض کو کم کرنے میں مدد دیتی ہے۔ روزانہ گندم کے ریشے کے استعمال سے کولون سرطان کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔

ناشتہ نہ کرنے کا ایک بہانہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ناشتے میں موجود اشیاء کھانے کا جی نہیں چاہتا، یا جو لوگ رات گئے سوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نیند پوری نہیں ہوتی، اس لئے وہ صبح کا ناشتہ نہیں کرتے۔ لیکن ایسا کرنا ان کی صحت کے لئے بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔

اگر آپ روزانہ بچوں کو ناشتہ نہیں کراسکتے تو صرف ایک گلاس جوس ضرور پلائیں، چند دنوں بعد اس کے ساتھ ایک ٹوسٹ اس وقت تک دیں، جب تک بچہ کا وزن آپ کے مطلوبہ معیار کے مطابق نہ ہوجائے۔ ناشتے کے لئے ہمیشہ اپنے پاس ایک سے زائد اقسام کے اناج رکھیں تاکہ بدل بدل کر کھلاسکیں۔ اگر صبح جلدی ہو تو رات کو ہی ناشتے کا انتظام کرلیں۔

ان کے علاوہ دودھ، دہی، پنیر، مختلف قسم کے پھل اور ان کا جوس بھی صحت کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔

ان تمام نعمتوں کو خود اور اپنے بچوں پر استعمال کریں اور منعم حقیقی کا شکر ادا کریں۔ جس مالک نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اس کو راضی کرنے کی فکر کریں۔ ہم سے کوئی ایسا کام نہ ہو، جس سے وہ مالک ناراض ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہوگی کہ نعمتیں تو اس مالک کی دی ہوئی کھائیں اور پھر اس سے جو قوت حاصل ہو، وہ اس کی فرمانبرداری پر خرچ کرنے کے بجائے نافرمانی پر لگے۔

توبہ، توبہ......

نہیں نہیں! ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ آج ہی سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر نعمت پر بار بار "الحمد اللہ، الحمد للہ" کہتے رہیں اور دل و جان سے اس کے حکموں پر عمل کریں اور بچوں کو بھی پیار و محبت سے سمجھا کر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق عمل کرنے والا بنائیں۔

غور کیجیئے! جس ربُّ العالمین نے رات بھر میٹھی نیند سلایا اور عافیت سے صبح اٹھایا اور ناشتہ میں اتنی نعمتیں عطا کیں، پھر فجر کی نماز میں سستی کرنا یا قضا کر کے پڑھنا کتنی محرومی کی بات ہے؟ اس لئے ہونا تو یہ چاہیئے کہ جس دن فجر کی نماز مسجد میں جماعت سے رہ جائے یا عورتیں اور بالغ بچیاں گھر پر وقت پر نہ پڑھ سکیں، تو اس دن نفس کو سزا کے طور پر ناشتہ ہی نہیں دینا چاہیئے کہ اے نفس! آج تو ناشتے کا مستحق نہیں ہے، آج تو نے مالک حقیقی کی پکار پر جواب نہیں دیا۔ اگر فجر میں اٹھنا دشوار ہو تو یہ سوچیئے کہ اگر ملک کا صدر یا وزیر اعظم رات چار بجے ہمیں انعام دینے کے لئے بلائے کہ آ جاؤ، تو کیا ہم انکار کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ "اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن" ہمیں بلا رہے ہیں: "اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْم، اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْم"

نماز بہتر ہے نیند سے، نماز بہتر ہے نیند سے، پکار رہے ہیں، تو خود بھی اور گھر کے تمام بالغ بچوں، بچیوں کو بھی فجر کی نماز وقت پر پڑھنے اور پڑھانے کا اہتمام کریں، پھر ناشتہ کریں تو یہ ناشتہ قوت اور طاقت کا ذریعہ بنے گا، ورنہ یہی ناشتہ اللہ نہ کرے بیماریوں کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

بچے کو گھر پر ہی ناشتہ کروائیں، اگر بچہ ناشتہ لے کر اسکول جائے گا تو یا تو وہ چلتے ہوئے ناشتہ کرے گا، جو کہ صحت کے لئے مضر ہے یا پھر اسکول جا کر دوسرے بچوں کے سامنے ناشتہ کرے گا۔ دوسرے بچے اگرچہ ناشتہ کر کے آئے ہوں گے، لیکن بچپن کی فطرت کے باعث ضرور اسے للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھیں گے اور

ان کا دل بھی کھانے کو چاہے گا۔ ممکن ہے کہ اسکول میں کچھ ایسے بچے بھی ہوں، جن کے گھر کے مالی حالات زیادہ مستحکم نہ ہوں، ان کے والدین بمشکل ان کی پڑھائی کا بوجھ برداشت کر رہے ہوں اور انہیں ایسا اچھا ناشتہ میسر نہ ہو، جیسا کہ آپ کا بچہ کر رہا ہے۔ اس سے ان کم سن اور معصوم بچوں میں افسردگی پیدا ہوگی اور ان میں کمتری کا احساس ابھرے گا۔

اس لئے کوشش کریں کہ بچوں کو اپنے سامنے ہی ناشتہ کرائیں۔ بعض گھرانوں میں والدین صبح اسکول جانے والے بچوں کو ناشتہ کرانے کی ذمہ داری اپنے ملازمین کو دے دیتے ہیں، یہ بالکل ہی نامناسب ہے۔ ملازمین عام طور پر اس سلسلے میں غیر ذمہ داری اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ والدین جیسی شفقت ان میں عموماً مفقود ہوتی ہے۔ والدین جیسی شفقت سے وہ بچے کو ناشتہ تو کیا، کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کرواسکتے، اور بعض اوقات والدہ بھی ملازمہ کی طرح سلوک کرتی ہے یا خود بچے کی والدہ کی نیند پوری نہیں ہوئی ہوتی، یا شوہر کی غلط سختیوں کی وجہ سے وہ بیزار ہو جاتی ہے۔

لہٰذا والدین کو چاہیے کہ بچوں کو بہت ہی پیار و محبت سے ناشتہ کروائیں۔

اچھا کھانا کون سا ہے؟

اچھا کھانا صرف حلوہ نہیں، صرف کیک، پیسٹری نہیں، صرف سموسے یا کباب یا آئس کریم اور کولا مشروبات نہیں، بلکہ اچھا کھانا وہ ہے، جس میں خون اور گوشت پیدا کرنے والی چیزیں یعنی لحمیات (پروٹین) بھی ہوں۔ جس میں قوت اور طاقت پیدا کرنے والی چیزیں یعنی نشاستہ (کاربوہائیڈریٹ) بھی ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے گھروں میں روزانہ خوراک میں دودھ، دہی، گوشت، اناج، دالیں، سبزیاں اور پھل سب شامل ہوں۔ اس طرح ہمارا کھانا صحیح معنوں میں اچھا کھانا ہوگا

اور ہماری صحت ان شاء اللہ ہمیشہ اچھی رہے گی۔

کسی سبزی ترکاری، کسی پھل، کسی دال اور کسی بھی غلے کو گھٹیا نہ سمجھیں۔ قدرت نے ہر چیز کو کسی نہ کسی فائدے کے لئے پیدا کیا ہے۔ مثلاً: شہتوت، اللہ تعالیٰ کے حکم سے گلے کی بیماری کو روکتا ہے۔ مولی، جگر اور تلی کو اللہ کے حکم سے ٹھیک کرتی ہے۔ گاجر، اللہ کے حکم سے آنکھوں کو طاقت دیتی ہے۔ پپیتا، پیٹ کے لئے بہت اچھا ہے۔ لیموں، مالٹے اور کینو، بیماریوں کو روکتے ہیں۔ لہسن، رگوں کو صاف کرتا ہے۔ پیاز، جراثیم کو مارتی ہے۔ ادرک، پیٹ کو ٹھیک رکھتا ہے۔ پودینہ، کھانا ہضم کرتا ہے۔ سویا کھانے سے پیٹ نہیں پھولتا۔ تل، اللہ تعالیٰ کے حکم سے طاقت پیدا کرتے ہیں، ہری مرچوں میں حیاتین ''سی'' ہوتی ہے۔ جو نزلہ زکام جیسی بیماریوں کو روکتی ہے۔

اولاد کے لئے رشتہ کا انتخاب

والدین کو چاہیئے اولاد کے رشتے کے لئے شروع سے دعا کرتے رہیں۔ نمازوں کے بعد ذکر و تلاوت کے بعد اولاد کا نام لے کر گڑگڑا کر خوب دعا مانگتے رہیں کہ اے اللہ! اس بچی یا بچے کا رشتہ اچھی جگہ مقرر فرما۔

اور جب اولاد شادی کے لائق ہو جائے تو شادی کرنے میں دیر نہ کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق سے مطمئن وخوش ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کردو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔''[1]

---

[1] ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی من ترضون دینہ فزوجوہ: ج۱ ص۲۰

حدیث کی کتاب مشکوۃ شریف کی شرح مظاہر حق میں لکھا ہے:

"اگر ایسا نہ کرو گے، بلکہ ایسے شخص کے پیغام کو نظر انداز کر کے کسی مالدار یا ثروت والے شخص کے پیغام کے انتظار میں رہو گے، جیسا اکثر دنیاداروں کی عادت ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثر عورتیں بغیر خاوند کے بیٹھی رہ جائیں گی، اور اکثر مرد بغیر بیوی کے پڑے رہیں گے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بدکاری اور برائیوں کا عام چلن ہو جائے گا، بلکہ ان عورتوں کے سرپرست اور ولی بری بری قسم کے عار و غیرت میں مبتلا ہوں گے۔ پھر جو لوگ ان کو عار و غیرت دلائیں گے، وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگیں گے۔ آخرکار اس برائی و فحاشی اور لڑائی جھگڑے سے ایک ہمہ گیر فتنہ و فساد کی شکل پیدا ہو جائے گی۔"[1]

اسلام نے انسانیت کے لئے اور خصوصاً اس کے ماننے والے مردوں و عورتوں کے لئے بغیر عذر شرعی غیر شادی شدہ رہنا کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا۔ اس پر غیر معمولی اصرار کرایا گیا اور اس قسم کی شدید وعیدوں والے الفاظ استعمال فرمائے تاکہ فتنوں اور گناہوں کا جڑ ہی سے قلع قمع ہو جائے۔ اور بے حیائی، بدنظری، زناکاری کے دروازے بالکل بند ہو جائیں۔ اسلام نے عصمت و عفت کے انمول سرمایہ کی حفاظت کے لئے نکاح کی کتنی اہمیت بتلائی، بلکہ اس کی ترغیب کے ساتھ وعدہ غنیٰ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾[2]

اس کے ساتھ ساتھ تین کاموں کا اہتمام کرے، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں ندامت نہ ہوگی۔

---

[1] مظاہر حق: ج ۳ ص ۲۵۸

[2] پارہ ۱۸ سورۂ نور آیت ۳۲

❶ جب بھی کسی بچی یا بچے کا رشتہ آئے تو مشورہ کا ضرور اہتمام رکھے۔ شریعت میں مشورے کی اہمیت وتاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مؤمنین کی صفات بیان فرماتے ہیں:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: "یعنی ان کے کام آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں۔"

﴿عَنِ الْحَسَنِ قَالَ وَاللهِ مَا اسْتَشَارَ قَوْمٌ قَطُّ إِلَّا هُدُوا الْأَفْضَلَ مَا بِحَضْرَتِهِمْ ثُمَّ تَلَا: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾[2]

ترجمہ: "حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم مشورے سے کام کرتی ہے تو ضرور ان کی بہترین راستے کی طرف راہنمائی کی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔"

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تک تمہارے امراء و حکام وہ لوگ ہوں گے، جو تم میں بہتر ہیں اور تمہارے مالدار لوگ سخی ہوں (کہ اللہ کی راہ میں اور غرباء پر خرچ کریں) اور تمہارے کام باہمی مشورے سے طے ہوا کریں۔ اس وقت تک تمہارے لئے زمین کے اوپر رہنا یعنی زندہ رہنا بہتر ہے۔ اور جب تمہارے امراء و حکام تمہاری قوم کے برے لوگ ہو جائیں اور تمہارے مالدار بخیل ہو جائیں اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہو جائیں، کہ وہ جس طرح چاہیں کریں، اس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا (یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی)۔[3]

---

[1] سورۃ شوریٰ آیت ۳۸

[2] الادب المفرد، باب المشورۃ: ص ۸۶

[3] ترمذی، ابواب الفتن: ج ۲ ص ۵۲ (ایچ، ایم سعید کمپنی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بہترین معاملے کی طرف ہدایت فرما دے گا۔ یعنی اس کا رخ اسی طرف پھیر دے گا جو اس کے لئے انجام کار، خیر اور بہتر ہو۔

اور مشورہ بیوی سے بھی ضرور لیجیے۔ اس لئے کہ جہاں آپ بچے کے والد ہیں، اسی طرح وہ بچے کی والدہ ہے۔ چاہے بیوی آپ سے تعلیم میں، قابلیت میں، ذہنی صلاحیت میں کتنی بھی کم ہو، لیکن اس سے مشورہ ضرور لیجیے۔

بیوی سے مشورہ لینے کی اہمیت کا اندازہ ہم اس سے لگا سکتے ہیں کہ بچے کی دودھ چھڑانے کی مدتِ مقررہ سے کم میں دودھ چھڑانا چاہیں، تو شرعاً ماں باپ کو حکم ہے کہ باہمی رضامندی اور مشورے سے ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑالیں (یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورے سے) تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ [1]

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی اگر بچہ کے ماں باپ دونوں آپس کی رضامندی اور باہمی مشورہ سے یہ ارادہ کریں کہ شیر خوارگی کی مدت یعنی دو سال سے کم میں ہی دودھ چھڑا دیں، خواہ ماں کی معذوری کے سبب یا بچے کی کسی بیماری کے سبب تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ آپس کے مشورے اور رضامندی کی شرط اس لئے لگائی کہ دودھ چھڑانے میں بچے کی مصلحت پیشِ نظر ہونی چاہیے، آپس کے لڑائی جھگڑے کا بچے کو تختۂ مشق نہ بنائیں۔ [2]

---

[1] سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۳

[2] خلاصہ معارف القرآن: ج اول ص ۵۷۹

غور فرمایئے! بچے کے دودھ پلانے کی مدت کو کم و بیش کرنے کے لئے قرآنی ہدایت یہ ہے کہ آپس کے مشورہ اور باہمی رضامندی سے ہو تو بچے یا بچی کے رشتہ کے سلسلہ میں مشورہ کی کتنی اہمیت ہوگی۔ خاص طور پر بچیوں کے رشتے کے معاملے میں تو بہت ہی زیادہ ضروری ہے کہ والد صرف اپنی مرضی نہ چلائیں، بلکہ لڑکی کی والدہ سے ضرور مشورہ کرے۔ اسی لئے حدیث میں حکم ہے:

﴿اٰمِرُوْا النِّسَاءَ فِیْ بَنَاتِهِنَّ﴾ [1]

ترجمہ: ''عورتوں سے مشورہ کرو، ان کی بچیوں کے بارے میں۔''

اسی لئے مشورہ استخارے سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن مشورہ ان افراد سے لیا جائے، جو اس بارے میں اچھی بھلی واقفیت بھی رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ چند باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ افراد (۱) دیندار...... (۲) سمجھدار...... (۳) تجربہ کار...... (۴) رازدار...... ہوں۔ کیوں کہ ایسے افراد آپ کو مخلص بن کر سمجھداری کے ساتھ اپنے تجربہ کے مطابق اور آپ کے راز کی حفاظت کرتے ہوئے مفید ترین مشورہ دیں گے۔

اسی طرح خاندان کے بزرگوں سے بھی رائے معلوم کریں کہ میرا فلاں جگہ رشتہ بھیجنے کا ارادہ ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟ مزید یہ کہ اس لڑکی کے بہن بھائیوں کے جہاں رشتے ہوئے ہیں، ان سے اور ان کے گھر والوں سے بھی ضرور مشورہ کرلیں۔

کہتے ہیں کسی کو بہت زیادہ خیر خواہی کا جذبہ اٹھا تو سوچا کہ دو ستاروں کا آپس میں نکاح کروانا چاہیئے (ثریا اور سہیل کی جوڑی اچھی رہے گی)، لیکن مشورے کی اہمیت سے واقف تھا، ہماری طرح نہیں تھا کہ ''جو میرے جی میں آیا وہی ٹھیک ہے۔'' کسی کے پاس جاکر مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ:

[1] کنز العمال: ج۱۶، ص۱۳۱، رقم: ۴۴۶۳۳

أَيُّهَا الْمُنْكِحُ الثُّرَيَّا سُهَيْلًا
عَمْرَكَ اللّٰهُ كَيْفَ يَلْتَقِيَانِ
هِيَ شَامِيَةٌ إِذَا مَا اسْتَقَلَّتْ
وَ سُهَيْلٌ إِذَا مَا اسْتَقَلَّ يَمَانٍ[1]

اے ثریا کے ساتھ سہیل کا نکاح کرنے والے! اللہ تم کو ایسی بھلائیوں کے کام کرنے کے لئے لمبی عمر دے۔ لیکن سوچو تو صحیح کہ ان دونوں میں ملاپ ہوگا کیسے؟ اس لئے کہ ثریا بلند ہوتی ہے تو شام پہ نمودار ہوتی ہے اور سہیل جب طلوع ہوتا ہے تو یمن پر بلند ہوتا ہے۔

لہٰذا میاں بیوی میں مناسبت بھی دیکھنی چاہیے۔ ہمارے خاندان کے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ معمولی فرق اور تفاوت تو چل جاتا ہے، لیکن بہت زیادہ فرق مثلاً: لڑکا بہت امیر ہو اور لڑکی بہت ہی غریب یا اس کے برعکس، یا لڑکی بہت ہی تعلیم یافتہ اور لڑکا بالکل ان پڑھ، لڑکی تو عالمہ ہے اور لڑکا ایسا کہ ناظرہ قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا یا اس کے برعکس وغیرہ...... ان امور میں دو خاندانوں کو ضرور مناسبت دیکھنی چاہیے۔ دولہا کے والدین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دیکھیں کہ لڑکی کی پرورش کس گھرانہ میں ہوئی ہے، اس کی ماں کا کیا حال ہے؟ اس کی بہنوں کا کیا حال ہے؟ وغیرہ۔

آپ کی سہولت کے لئے کتاب کے آخر میں چند اکابر علمائے کرام کے ٹیلی فون نمبر اور پتے لکھے ہیں، ان سے بھی ضرور رابطہ فرمائیں۔

پھر جب آپ کے پاس کئی آراء جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اس فیصلے میں اپنی مدد شامل فرما دیں اور مشورے کی دعا پڑھ کر اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی ایک رائے پر عمل کریں۔

---

[1] تحفۃ العروس: ص ۶۸

اللہ پاک نے چاہا تو یقیناً آپ کے فیصلے میں خیر و برکت ہوگی۔ مشورے کی دعا مندرجہ ذیل ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ﴾ [1]

ترجمہ: ''اے اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دے، جس میں میرے لئے بہتری ہو اور میری، میرے نفس کے شر سے حفاظت فرما۔''

۴ اولاد کی رائے کو ضرور ترجیح دیں۔ اللہ نہ کرے کہ اگر والدین میں سے کسی کی رائے، بچے کی رائے کی یکسر مخالف ہو تو اولاد کو ضرور سمجھائیں۔ دوستوں اور سہیلیوں کے ذریعے سے سمجھائیں، لیکن ہرگز اپنی رائے زبردستی ان پر مت تھوپیں۔ صرف اپنی انا کا مسئلہ بنا کر ان کی رائے کے خلاف فیصلہ نہ فرمائیں۔

ہماری عاجزانہ گزارش ہے کہ تصورات کی دنیا میں ۲۰/۲۵ سال پیچھے چلے جائیے، جب والد یا والدہ خود ہی دولہا یا دلہن بن رہے تھے کہ جب آپ کے والدین آپ کے رشتے کے لئے فکر مند تھے تو آپ کے دل کی دھڑکن اور نبض کی حرکت میں عام اوقات کی نسبت فرق نہیں آجاتا تھا؟

اپنے ضمیر کی عدالت میں بیٹھے ہوئے قاضی سے فیصلہ لیجیے۔

لڑکی بعض اوقات ماں سے بھی دل کی بات اور ارمان کھل کر کہہ دینے کی ہمت اپنے اندر نہ پاتی تھی اور سہیلی کو فون کر کے یا ہم عمر خالہ زاد اور پھوپھی زاد لڑکی کو پرچہ لکھ کر دل کا غم اور دل کے ارمانِ ناتمام ان کو بتاتی تھی کہ میں تو یہ چاہتی ہوں، مگر مجھ سے میری مرضی اور تمنا تو معلوم ہی نہیں کی گئی وغیرہ۔

لہٰذا محترم والدین! آپ سے گزارش ہے کہ اولاد کا رشتہ بالخصوص بیٹی کے رشتہ والا مرحلہ طے کرتے وقت ان سے ضرور رائے لیں۔ ان کی رائے پر توجہ دیں، ورنہ مستقبل میں یہ ایک خطرناک صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

---

[1] کنز العمال: ج ۲ ص ۸۵، رقم: ۳۷۱۰

اگر بیٹی دیندار شوہر چاہ رہی ہو اور والدین صرف دنیا میں مگن اور مست لڑکے کے انتخاب پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تو غور فرمائیں کہ اس کشمکش میں اگر کوئی غلط فیصلہ والدین کی طرف سے ہوگیا تو خوش وہ بھی نہیں رہیں گے۔

اسی سلسلے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بچی کی طرف سے اپنے رشتے کے سلسلے میں بھیجا ہوا سوال اور مولانا کی طرف سے اُس کا دیا گیا جواب ہم نقل کرتے ہیں۔

اپنی بچی کے لئے رشتہ کا انتخاب

سوال: میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے، جو بظاہر تو نماز روزے کا پابند ہے اور خاندان کے زیادہ تر افراد کئی حج وعمرے ادا کر چکے ہیں، لیکن آج کل کے بیشتر خاندانوں کی طرح ہمارے خاندان میں بھی دین کے صرف آسان فرائض کو ہی دین سمجھ لیا گیا ہے اور وہ بھی صرف سطحی طور پر اور اس پر، بہت فخر کیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ میرے خاندان میں نماز، روزے کی تو تھوڑی بہت پابندی ہے اور اسی کو دین سمجھ لیا گیا ہے، جب کہ دوسرے فرائض و واجبات مثلاً: پردے کا اہتمام، داڑھی کا رکھنا یا حلال حرام کی تمیز کرنا، ان باتوں پر کوئی زور نہیں دیا جاتا نہ کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس آج کل کی تمام بدعات کی جاتی ہیں اور ان پر ہزاروں روپے بے جا خرچ کئے جاتے ہیں اور خوش اس بات پر ہیں کہ ان کی وجہ سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ (اللہ پاک ان کو ہدایت دیں۔ آمین) دوسری طرف ہر گھر میں ڈش انٹینا، وی سی آر کا چوبیس گھنٹے استعمال میں رہتا ہے اور شادی بیاہ کے موقع پر ہر قسم کی خرافات، مثلاً گانا وغیرہ اپنے عروج پر ہوتا ہے۔

مولانا صاحب! کچھ عرصے پہلے تک لاعلمی کی بناء پر (اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے) میں بھی ان تمام کاموں میں حصہ لیتی تھی، لیکن کچھ عرصے پہلے کچھ اچھے اور

دین دار لوگوں کی صحبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی اور مجھ پر یہ روشن ہوا کہ ہم آج تک گناہوں میں مبتلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں معاف فرمائے۔ (آمین) اس کے علاوہ میں نے آپ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، جن سے مجھے اپنے دین کو صحیح طور پر سمجھنے میں بے انتہا مدد ملی۔ خاص طور پر آپ کی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' پڑھ کر مجھے صراط مستقیم کے معنی پتہ چلے۔ جس کے بعد میں نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو بدلنا شروع کیا۔ اب میں پردے کا جس حد تک ممکن ہے، اہتمام کرتی ہوں۔ تمام فحاشی سے ممکنہ حد تک بچنے کی کوشش کرتی ہوں، ٹی وی جیسی خرافات کو مکمل طور پر چھوڑ چکی ہوں۔ اللہ پاک مجھے مضبوط رکھے اور میرے ارادوں میں استقامت عطا کرے۔ آمین۔ تمام بدعات سے ہر ممکن طریقے سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں اور گھر والوں کو بھی ان سے بچنے کی تلقین کرتی رہتی ہوں۔ لیکن ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا، ان کے دلوں کو پلٹ دے گا۔ فی الحال میری کوششیں بالکل ناکام ہیں۔ آپ سے اپنے لئے دعا کی طالب ہوں کہ اللہ پاک مجھے استقامت عطا فرمائے، کیونکہ میں اس راستے پر اور آگے تک جانے کی خواہش مند ہوں۔

اب میں اصل مسئلے کی طرف آتی ہوں۔ میرے والدین اب میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ رشتے بھی بہت آ رہے ہیں، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میرے والدین کے پیش نظر محض میری کسی اچھے کھاتے پیتے لڑکے کے ساتھ شادی ہے اور انہیں میرے دینی رجحان اور دینی مستقبل کا کوئی خیال نہیں۔ میرے والدین ہر بات کو اہمیت دیتے ہیں، لیکن اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ وہ شخص دیندار کتنا ہے؟ نماز روزے کا پابند ہے یا نہیں؟ حلال کماتا ہے یا نہیں؟ اس کی داڑھی ہے یا نہیں؟ جب کہ میری خواہش ہے کہ میری شادی جس شخص سے ہو، وہ مکمل باشرع مسلمان ہو۔ جو خود میری رہنمائی کرے۔

میری گزارش دوسری لڑکیوں کے والدین سے بھی ہے کہ وہ خدارا اس بات کو اولین اہمیت دیا کریں۔ میں نے یہ سب کچھ پوری خلوص نیت سے لکھا ہے اور دل کی گہرائیوں سے میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی خواہش مند ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ میں سوچتی ہوں اور کرنا چاہتی ہوں، وہ میں نے دل کی تمام تر سچائی کے ساتھ آپ کو لکھ دیا ہے۔ لکھنے کو تو ابھی اور بھی بہت سی باتیں ہیں، لیکن آپ کے قیمتی وقت کا بھی خیال ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ ان لفظوں میں، میں اپنے جذبوں کی شدتیں سمو سکی ہوں یا نہیں؟ بہرحال ان تمام باتوں کی روشنی میں آپ مجھے مشورہ دیجیے کہ:

١ اگر میں اپنے والدین سے اس معاملے میں سختی کرتی ہوں تو کہیں میں ان کی نافرمانی کی مرتکب تو نہیں ہو رہی؟

٢ اگر میرے والدین سب کچھ جانتے بوجھتے اور میرے دینی رجحان کو دیکھتے ہوئے بھی میری شادی کسی ایسے شخص سے کر دیں، جو شرع کا پابند نہ ہو تو اس کا گناہ کس کے سر ہوگا؟ اور اس میں میرا قصور کتنا ہوگا؟

٣ سوال حذف کر دیا گیا۔

جواب: آپ کا خط پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی ہدایت عطا فرمائے۔ دراصل بات یہ ہے کہ دنیا تو ہمارے سامنے ہے، لیکن آخرت ہماری نظروں سے غائب ہے۔ جب مرنے کے بعد دوسرے عالم میں پہنچیں گے، اس وقت ہمیں حقیقت حال معلوم ہوگی، مگر افسوس کہ اس وقت ہماری بات کو سننے والا بھی نہیں ہوگا اور کوئی ہماری فریاد کو اللہ تعالیٰ کے سوا سننے والا بھی نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

”دانا اور ہوشیار وہ آدمی ہے، جس نے اپنے نفس کو احکام الٰہی کے تابع کر لیا، اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے محنت شروع کر دی۔ اور احمق ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ

بڑے آرزوئیں دھرے (کہ اللہ تعالیٰ بخش ہی دے گا)۔"

اس لئے اب آپ کے سوالوں کا جواب لکھتا ہوں۔

① اگر آپ کے والدین کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی کرنا چاہیں، جو دنیا میں مست ہو اور آخرت سے غافل ہو، جس کو نماز روزے کی، حلال حرام کی، دین کے دوسرے احکام کی کوئی پرواہ نہ ہو، تو آپ والدین سے صاف کہہ دیجئے کہ آپ شادی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ والدین کی نافرمانی نہیں، کیونکہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو، اس میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

② بچیاں والدہ کے ساتھ کھل کر بات کرلیا کرتی ہیں۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے یہ کہہ دیں کہ آپ ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے ہرگز راضی نہیں ہوں گی، جو دین دار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کا ساتھ اسی لئے بنایا ہے کہ وہ دین کے معاملے میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں اور ایک دوسرے کو جہنم کے عذاب سے بچانے والے بنیں۔ شادی کے لئے ایسے آدمی کا انتخاب کرنا، جو کہ خود بھی جہنم کا راستہ اختیار کیئے ہوئے ہو، ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

③ اس سوال کے تین حصے ہیں:

(الف)...... ساری عمر تجرد کی زندگی گزارنا ایک لڑکی کے لئے مشکل ہے، اس لئے میں اس کا مشورہ آپ کو ہرگز نہیں دوں گا۔

(ب)...... جو پہلے سے شادی شدہ ہو، اور اس کے اہل و عیال بھی ہوں، اس کے ساتھ شادی کرنا بھی نامناسب ہے، کیونکہ سوکنوں میں ان بن رہتی ہے، اس طرح آپ کا دین برباد ہوگا۔

(ج)...... میرا مشورہ یہ ہوگا کہ کسی ایسے دیندار آدمی سے شادی کی جائے، جو عالم ہو، تبلیغی جماعت میں جڑا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ کا دل میں خوف رکھتا ہو، مزاج کا سخت نہ ہو، اور ہر معاملے میں آخرت کو پیش نظر رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ بقدر

ضرورت دنیا بھی رکھتا ہو۔ ان شاء اللہ ایسا رشتہ مبارک ہوگا۔

ایک مفید تدبیر

ایک مفید تدبیر یہ بھی ہے کہ والدہ اور بہنوں نے جہاں جہاں رشتوں کے لئے سوچا ہے تو لڑکی اور اس کے گھر والوں کے کوائف لکھ لیں، مثلاً لڑکی کی عمر...... لڑکی کی دینداری...... لڑکی کی تعلیم...... لڑکی کی شکل وصورت وجسمانی ہیئت...... لڑکی کی والدہ کا خاندان...... لڑکی کے والد کا خاندان...... لڑکی کے والد کا پیشہ...... لڑکی کے والد اور بھائیوں کی نمازوں کی ترتیب اور حالت...... لڑکی کے بہن بھائیوں کی شرافت ولیاقت...... جہاں لڑکی کی دوسری بہنوں کا رشتہ ہوا ہے، وہ لوگ صابر وشاکر ہیں یا نہیں......؟

ان سب باتوں کو ایک کاغذ میں لکھ کر گھر کے سمجھ دار افراد نماز پڑھ کر دو رکعت تک کر بیٹھ جائیں اور والد کو یا ان کی غیر موجودگی میں کسی کو امیر بنالیں اور پھر باری باری ہر ایک سے والد یا دولہا خود یا والدہ مشورہ لے لیں...... آپ کا کیا مشورہ ہے؟ مثلاً ان تین لڑکیوں میں سے ہمارے گھر کے لئے یا بھائی...... کے لئے کون سی لڑکی مناسب رہے گی؟ پھر امیر سب کی رائے کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرلے کہ پہلے اس جگہ رشتہ بھیجتے ہیں۔ پھر اگر اس رشتے کے جواب کے بعد دوبارہ مشورہ کی ضرورت پیش آگئی تو دوبارہ سب بیٹھ جائیں گے۔ امیر کو چاہیئے کہ ہونے والے دولہا کی رائے کو زیادہ اہمیت دے۔

اس مشورہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ گھروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشورہ کی سنت زندہ ہوگی۔ اور جہاں سنت زندہ ہوگی، وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوگا۔

دوسرا اہم فائدہ یہ ہوگا کہ گھر کے افراد میں آپس میں محبت قائم ہوگی۔ تمام

بھائی بہن یہ سمجھیں گے کہ والد کی نظر میں یا والدہ کی نظر میں میری اہمیت ہے، میرا مقام ہے، خصوصاً شادی شدہ بڑے بیٹے بہت ہی زیادہ خوش ہوں گے کہ والد نے چھوٹے بھائیوں کے لئے ہم سے مشورہ لیا۔ یہ سب سے بڑا فائدہ ہے کہ گھر کے تمام افراد کے دل آپ میں ملے ہوئے ہوں۔

تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ ایک کا فیصلہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ اجتماعی فیصلہ ہوگا۔ بظاہر تو ایک امیر کا فیصلہ ہوگا، لیکن حقیقتاً یہ پورے گھر کا فیصلہ ہوگا، اور بعد میں کسی کو کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ ابا آپ نے مجھ سے نہیں پوچھا؟ بڑی بھابی کہے گی: امی آپ نے مجھ سے نہیں پوچھا، اس لئے پھنس گئے، وغیرہ......۔

آدابِ مشورہ

ہاں یہ ضرور ہے کہ مشورہ کے آداب ضرور بیان کرلئے جائیں کہ:

۱ ہر ایک باری باری سے رائے دے۔ دوبارہ رائے دینی ہے تو بیچ میں نہ بولے، بلکہ آخر میں اجازت لے کر بولے۔

۲ کوئی دوسرے کی رائے کاٹے نہیں۔ ہاں آپ اپنی رائے کا فائدہ اور حکمت بتا سکتے ہیں۔

۳ رائے، رائے سمجھ کر دے فیصلہ سمجھ کر نہیں۔ اگر کسی کی رائے پر فیصلہ نہ ہوسکا تو اس پر طعن وتشنیع یا جھگڑا نہ کرے، یا خدانہ کرے، کسی آزمائش کے آنے پر یہ نہ کہے کہ میں نے تو پہلے سے کہا تھا...... دیکھو تم نے میری بات نہ مانی، اگر میری بات مان لیتے تو یہ نہ ہوتا...... وغیرہ

حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ﴾[1]

---

[1] مشکوٰۃ، باب التوکل والصبر: ج۲ص۴۵۲

ترجمہ: لفظ "اگر" شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔

اور جو امیر یا گھر کا بڑا فیصلہ کر دیں اس پر سب راضی ہو جائیں۔ ان آداب کی رعایت رکھتے ہوئے گھر کے سمجھدار...... رازدار...... بیٹھ کر مشورہ کر لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت سی خیریں وجود میں آئیں گی۔

اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو دولہا کو چاہیئے کہ یہ کوائف ایک کاغذ میں لکھ کر کسی ایسے تجربہ کار معمر عالم/مفتی کے پاس جائے، جو اپنے علاقے اور قوم کے رہنے سہنے اور ان کے مزاج سے واقف ہو اور اس سے مشورہ کر لے۔

۴ تیسری بات یہ کہ استخارہ کا اہتمام کرے۔ استخارہ کرنے میں بھی چند باتوں کا ضرور خیال رکھے، جن کی علمائے حقانی اور بزرگان دین نے وضاحت فرمائی ہے کہ:

(الف)...... استخارہ کے لئے نفل پڑھنے میں رات یا عشاء کے بعد کی کوئی قید حدیث میں نہیں ہے۔ لہٰذا چوبیس گھنٹوں میں کسی بھی وقت (جو وقت نوافل کی ادائیگی کے لئے ممنوع نہ ہو) نوافل ادا کر کے دعا کرے۔

(ب)...... دوسرے یہ کہ استخارہ خود کریں۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو گناہ گار ہیں اور کسی دوسرے سے استخارہ کرواتے ہیں۔ ایسے حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ پہلے چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کریں، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور پھر استخارہ کریں۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ زیادہ راضی ہوں گے۔

(ج)...... تیسرے یہ کہ اس بات کو ضروری نہ سمجھیں کہ استخارہ کرنے سے جواب خواب میں آئے گا، بلکہ صرف حالات پر نظر رکھیں۔ جس کام کے لئے استخارہ کیا ہے، اس کی موافقت میں حالات بن رہے ہیں یا کام میں کوئی رکاوٹ پڑ رہی ہے؟ اگر اس کے موافق حالات بن رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ اس میں خیر ہے۔ اور اگر رکاوٹ پڑ رہی ہے تو سمجھ لیں کہ اس کام کے نہ کرنے میں خیر

ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ مشورہ، استخارہ سے زیادہ اہم ہے۔ پھر بڑوں سے مشورہ بھی کرلیں، پھر ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ دل کس بات پر جم رہا ہے؟ اسی کے موافق عمل کریں۔ اگر ایک بار اس عمل سے کسی بھی صورت پر دل مطمئن نہ ہو تو بار بار نفل پڑھ کر دعا مانگیں۔

آپ کا سلوک اپنے والدین کے ساتھ

یہ بڑا توجہ طلب موضوع ہے۔ دراصل آپ اپنے والدین کے ساتھ جیسا سلوک کریں گے، آپ کے بچے بھی بڑے ہو کر ایسا ہی سلوک کریں گے۔ بے شک آپ مالی اعتبار سے اور دینی اعتبار سے اپنے آپ کو بہتر محسوس کر رہے ہوں اور اپنے بچے کی صحیح تربیت کے خواہاں ہوں۔ لیکن اللہ نہ کرے، کسی موقع پر آپ نے اپنے والدین کو دکھ یا تکلیف پہنچائی ہو تو دل سے نادم ہو کر فوراً والدین سے معافی مانگیں اور ان کے سامنے خوب عاجزی کریں، حتیٰ کہ انہیں راضی کرلیں۔

حدیث شریف میں ایک آدمی کا واقعہ آتا ہے کہ زندگی کے آخری وقت میں اُس سے کلمہ شہادت نہیں پڑھا جا رہا تھا، باوجود کوشش کے انہیں ایسا محسوس ہوا کہ دل پر ایک قفل سا لگا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ ان سے ناراض ہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دینے پر جب ان کی والدہ نے معاف کیا، تب ان سے کلمہ پڑھا گیا۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

[1] مجمع الزوائد: ج ۸ ص ۱۸۹، رقم: ۱۳۴۳۳

مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ [1]

ترجمہ: ''تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس (معبود برحق) کے کسی کی عبادت مت کر اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو، اگر (وہ) تیرے پاس (ہوں اور) ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے (کی عمر) کو پہنچ جائیں، (جس کی وجہ سے محتاج ہو جائیں اور جب کہ طبعاً ان کی خدمت کرنا بھاری معلوم ہو) سو (اس وقت بھی اتنا ادب کرو کہ) ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور (ان کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے) یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! (ان دونوں پر رحمت فرمایئے) جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن (کی عمر) میں پالا پرورش کی ہے۔ (اور صرف ظاہری توقیر و تعظیم پر اکتفا مت کرنا، دل میں بھی ان کا ادب اور قصد اطاعت رکھنا)۔'' [2]

آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے نزدیک والدین کی اطاعت اور ان کی دلجوئی کا کتنا بڑا مقام ہے۔ لہٰذا اپنے بچوں کی صحیح تربیت کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے والدین کا خوب احترام کریں، خاص کر جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں۔ ایسے وقت میں بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑچڑا بنا دیتے ہیں اور بعض اوقات وہ ایسی خواہشات کرنے لگتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا اولاد کے لئے نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے، اس وقت اولاد کی ذرا سی بھی بے رخی ان کے دلوں کو زخمی کر دیتی ہے اور ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

---

[1] سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳، ۲۴

[2] معارف القرآن: ج ۵ ص ۴۶۳

مثلاً آپ کا بچہ بیمار ہوا، آپ کو اندازہ ہے کہ اس وقت اگر بہلا پھسلا کر اس کو اسکول بھیج دیا جائے تو کچھ نہ ہوگا، بلکہ ہم عمروں میں بولنے کھیلنے سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

اب دادا دادی نے شروع کر دیا: ''اسے آج ہی بی اے کرائے گا کیا؟ معصوم پر ظلم کر دیا''، وغیرہ۔ اسی طرح گھر میں کوئی چیز ذرا سی بے ترتیب رکھی دیکھی تو فوراً ڈانٹنا شروع کر دیا: ''اے بہو! اس کو اٹھا کر یہاں رکھ دے۔'' آپ کے دفتر سے یا تھکے ہوئے گھر پر آتے ہی آپ سے کوئی بات پوچھنا شروع کر دی یا کاروبار کے متعلق کسی بات پر خوب زور دیتے رہے، بار بار اسی کام کو انجام دینے کی رٹ لگانی شروع کر دی۔ گھر میں بلب کے خراب ہونے پر یا نلکے کے ٹپکنے پر، جب بھی کبھی سامنا ہوا، بات شروع کر دی کہ بدلواتا کیوں نہیں؟ آپ کی مشغولی اور مصروفیات سے بے نیاز ہو کر آپ کے آرام اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے اوقات میں آپ سے سیاست، حکومت، کاروبار، تجارت، ملازمت وغیرہ کے موضوع پر جب وہ کوئی بات یا نکتہ چینی یا تکرار کریں ...... تو ہرگز غصہ میں آ کر انہیں نہ جھڑکیں، بلکہ حتی الامکان ان سے بات کرنے کی اور ان کی دل جوئی کی کوشش کریں۔ ان کے ڈانٹنے، بار بار کہنے پر عذر و تاویلات کا سہارا لینے کے بجائے خاموش ہو کر ''جی ہاں جی ہاں'' کہتے رہیں۔ حتی الامکان کوشش کریں کہ جس طرح وہ کہیں، اسی طرح کریں۔ لیکن اگر وہ کام آپ کے لئے ممکن نہ ہو تو یہ نہ کہیں کہ ''آپ کو پتہ نہیں، آپ برائے مہربانی اس معاملہ میں نہ بولیں''، بلکہ یوں کہیئے: جس طرح آپ نے کہا تھا، اسی طرح میں نے کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن نہ ہو سکا۔ ان شاء اللہ آئندہ خیال رکھیں گے۔

اسی طرح والدہ شفقت کے جذبے میں بہت سے ایسے کام بتائیں، جو آپ کے مزاج کے خلاف ہوں تو اس پر بھی صبر کریں، اور ان کی طرف سے جو بھی اکرام

ہو، اس کی تعریف کر کے قبول کر لیں۔ جن باتوں میں پہلے سے یہ پتہ ہو کہ والدہ اس بارے میں اصرار کریں گی تو بہتر ہے کہ والدہ کے سامنے ان چیزوں کا ذکر ہی نہ کریں، انہی باتوں کا ذکر کریں، جن کے بارے میں ان سے رائے لینا مفید ہو، اور اگر کبھی ایسی بحث چھڑ جائے تو کوشش کریں کہ بات کا موضوع بدل جائے، مثلاً اگر کوئی ایسی بات ہوگئی کہ والدہ سے تکرار ہو رہی ہے۔ والدہ آپ کو کوئی بات سمجھا رہی ہیں اور وہ بات آپ کی سمجھ نہیں آ رہی، یا والدہ محترمہ آپ کی بات نہیں سمجھ رہی ہیں، تو بات لمبی کرنے کے بجائے بات بدل دیجئے۔ یوں کہیئے: "ماں! وہ جو ہماری رشتہ دار بیمار تھیں، ان کا کیا حال ہے؟ یا ماں! اس بچی کی شادی کی تاریخ طے ہوئی؟" وغیرہ۔

اس سلسلے میں مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ایک صاحب بوڑھے ہوگئے، انہوں نے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلا کر فاضل بنا دیا۔ ایک دن گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کوا گھر کی دیوار پر آ کر بیٹھ گیا تو باپ نے بیٹے سے پوچھا: "بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟" بیٹے نے کہا: "ابا جان! یہ کوا ہے۔" تھوڑی دیر بعد باپ نے پوچھا: "بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟" اس نے کہا: "ابا جان! یہ کوا ہے۔" پھر جب تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا کہ "بیٹے! یہ کیا ہے؟" بیٹے نے کہا: "ابا جان! ابھی تو آپ کو بتایا ہے کہ یہ کوا ہے۔" تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا: "بیٹا یہ کیا ہے؟" اب بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آگئی، اور اس نے جھڑک کر کہا کہ "ابا جان! یہ کوا ہے کوا۔" پھر تھوڑی دیر بعد باپ نے بیٹے سے پوچھا: "بیٹا! یہ کیا ہے؟" اس نے کہا کہ "آپ ہر وقت ایک بات پوچھتے رہتے ہیں، ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوا ہے، آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔" بہر حال اس بیٹے نے باپ کو سخت لہجہ میں کہنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد باپ اپنے کمرے میں گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال لایا اور اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا کہ "بیٹا! یہ ذرا پڑھنا، کیا لکھا ہے؟" چنانچہ اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ "آج

میں اور میرا چھوٹا بیٹا صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک کوا آگیا تو بیٹے نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا کہ ابا جان یہ کیا ہے؟ تو میں نے ۲۵ مرتبہ اس کو یہ جواب دیا کہ بیٹا یہ کوا ہے اور اس کی اس ادا پر بڑا پیار آیا۔" اس کے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا: "بیٹا! دیکھ باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے۔ جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے صرف جواب ہی نہیں دیا، بلکہ میں نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ مجھے اس ادا پر بڑا پیار آیا۔ آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ آگیا۔"

لہٰذا والدین کے کسی عمل پر ہرگز غصہ نہ کریں، بلکہ تحمل اور انکساری کے ساتھ ان سے بہترین برتاؤ کریں۔ ان کے ہر حکم کا جواب "جی ہاں" کی صورت میں دیں اور حتی الامکان اپنی جان سے، اپنے مال سے اور ہر اعتبار سے انہیں سکھ پہنچانے کی کوشش کریں۔ خصوصاً والدین میں سے اگر کسی ایک کا انتقال ہوگیا ہو تو دوسرے کی حد سے زیادہ رعایت کریں، اس لئے کہ اب تو اُن کے لئے صرف آپ ہی کا ظاہری سہارا رہ گیا ہے۔ اب والدہ یہ سوچے گی کہ اس کے والد بھی چلے گئے، اب تو میں اکیلی ہوگئی ہوں اور بیٹا اب صرف اپنی بیوی ہی کی سنتا ہے، میری طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے ہو۔ اور ساتھ ہی اپنے والدین کے لئے دعا بھی کیجیے۔ اس دعا کو اپنا معمول بنا لیجیے کہ "رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا" اور اپنے اس وقت کو سوچیں، جب آپ نہایت کمزور اور چھوٹے اور بے عقل تھے، جب انہوں نے کیسی تکلیفیں اٹھا کر آپ کی پرورش کی۔ اب جب کہ وہ کمزور اور آپ طاقتور ہو چکے ہیں تو کیا آپ کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ آپ کسی بھی ناگواری پر انہیں "اُف" بھی کہیں؟ بالکل نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ایذا رسانی میں "اُف" کہنے سے بھی کم

کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی منع کر دیا جاتا۔

کبھی بھی اس بات کو دل میں جگہ نہ دیں کہ آپ نے ماں باپ کا حق ادا کر دیا ہے، ان کے لئے اچھے مکان میں تمام تر سہولتوں کے ساتھ رہائش کا بندوبست کر دیا ہے، یا نوکر چاکر کا انتظام کر دیا ہے۔ آپ کچھ بھی کریں حتیٰ کہ اگر وہ معذور ہوں اور آپ انہیں اپنے کندھے پر بٹھا کر سو بار بھی حج کروا دیں، تب بھی ان کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس بات پر مطمئن نہ ہوں کہ انہیں گھر بار، نوکر چاکر تو دے دیئے، اب ان سے ملنے کی کیا ضرورت؟ بلکہ روزانہ ان سے ملیے، ان سے باتیں کیجیے اور ان کے کچھ چھوٹے موٹے کام اپنے ہاتھ سے کیجیے۔ حدیث میں والدین پر شفقت و رحمت کی نظر ڈالنے پر حج کا ثواب ملنے کی خوشخبری ہے۔ علماء نے والدین سے برتاؤ کے جو آداب بتائے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

اولاد جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرے، بے ادبی نہ کرے، تکبر سے پیش نہ آئے، اپنی آواز کو ان سے بلند نہ کرے، ان کو نام لے کر نہ پکارے، کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے، ان کی بات کے درمیان نہ بولے، وہ بات فرما رہے ہوں تو کتنی ہی غلط بات کیوں نہ کر رہے ہوں، بیچ میں نہ بولے، بلکہ ان کو پورے اطمینان سے بولنے دیں، جب وہ بات پوری کر لیں پھر اپنی طرف سے کوئی بات کرنا مفید ہو تو بولیں، ورنہ اقرار کر لیں کہ غلطی ہوگئی، معافی چاہتا ہوں، اگر کبھی ان کو نصیحت کرے تو چھوٹا بن کر کرے، اور ان کی ایسی خدمت کرے کہ ان کی دعاؤں کا مستحق ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے کہ دو چیزیں بغیر حجاب کے آسمان کے اوپر جاتی ہیں۔ ایک کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور دوسرا باپ کی دعا اولاد کے لئے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا، باپ کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، باپ کی

ناراضگی میں ہے۔[1]

یہاں پر ایک بات توجہ طلب ہے کہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ تبلیغ میں وقت لگا کر یا کسی دینی حلقے میں یا بزرگوں کے پاس بیٹھ کر دین پر عمل کرنے والے بن جاتے ہیں، اور یہ چیز والدین کی ڈانٹ یا طعنوں کا سبب بن جاتی ہے۔ مثلاً باپ یوں کہتا ہے کہ میاں! چلے لگانے سے ہمارے حقوق ادا نہیں ہوتے یا ڈاڑھی رکھنے اور بچوں کو مدارس دینیہ میں بٹھانے پر ماں یا باپ کوئی بات کریں، تب بھی ان سے گستاخی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اچھا سلوک کریں اور ان کے لئے دعا و استغفار کا معمول بنا لیں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کو نصیحت کرنے کے بعد یہ جملہ نقل کیا گیا ہے:

﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾[2]

ترجمہ: ''ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: (بہتر)، میرا سلام لو (اب تم سے کہنا سننا بے سود ہے)، اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی (اس طرح) درخواست کروں گا (کہ تم کو ہدایت کرے) جس پر مغفرت مرتب ہوتی ہے۔''[3]

بس آخر میں یہ گزارش ہے کہ جیسا کہ آپ اپنے والدین کے ساتھ سلوک کریں گے، ویسا ہی اپنی اولاد سے پائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم لوگوں کی عورتوں سے عفیف رہو، تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی۔ تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ

---

[1] ترمذی، ابواب البر و الصلة: ج ۲ ص ۳۵۴

[2] سورۂ مریم آیت ۴۷

[3] معارف القرآن: ج ۶ ص ۳۳

کرے گی۔ "[1]

اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے والدین کا خوب خیال رکھیے، اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی کرنے سے بچیے، اور اگر کبھی نادانستہ کوئی تکلیف دہ عمل ہو گیا ہو تو ان سے اتنی معافی مانگیے کہ وہ آپ کو معاف کر کے آپ سے راضی ہو جائیں۔

والدین اور اساتذہ خود مثالی کردار پیش کریں تو بچہ فطری طور پر ان کی تقلید کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی زندگی میں اخلاق اور اصولوں کو پچل رہے ہیں تو پھر بچے کے بگڑ جانے پر آپ کو کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ وہی بچہ جھگڑالو ہو سکتا ہے، جس کے والدین بات بات پر دوسروں سے جھگڑتے ہوں۔ صلح پسند اور خوش مزاج والدین کا بچہ بھلا کیوں کر جھگڑالو ہو سکتا ہے۔

والد صاحب کی شکایت نہ کریں

زندگی کے کسی بھی موڑ پر بعض اوقات انسان کے دل میں ایسے احساسات پیدا ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر انسان اپنے والدین کو قصوروار سمجھ کر ان سے بدول ہو جاتا ہے۔ مثلاً: دوسرے بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ۱۸ گریڈ کے افسر بنے تو چھوٹے بھائی بیرون ملک میں مستحکم ہیں اور ایک بھائی اپنے ملک میں پریشان۔ بڑے بھائی کی شادی کروڑ پتی گھرانے میں ہونے کی وجہ سے وہ بڑے تاجر ہیں اور ایک بھائی چھوٹی سی دوکان کو رو رہے ہیں۔ تقسیم جائیداد کے وقت ایک بھائی کے حصے میں زمین کا وہ ٹکڑا آیا کہ جس کی قیمت وقت گزرنے پر مزید گر گئی، وغیرہ۔

اس طرح کے حالات میں اکثر لوگوں کو روتے ہوئے، جگہ جگہ اپنے باپ کی ستم ظریفی کا تذکرہ کرتے ہوئے یا انہیں برا بھلا کہتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔

---

[1] الترغیب والترہیب، کتاب البر والصلۃ الترغیب فی برّ الوالدین: ج ۳ ص ۲۱۸

حالانکہ غور کیا جائے تو تقدیر کے فیصلوں کی وجہ سے ایک بیٹے پر خدانخواستہ کوئی برا حال آگیا تو اس میں باپ کا کیا قصور؟ انہوں نے تو اپنی پوری کوشش کی کہ سب بھائیوں بہنوں کو برابر ملے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے آگے کس کی چل سکتی ہے؟ یعنی جائیداد کی تقسیم میں ایک بیٹے کے حصہ میں جو دکان آگئی تھی، اس وقت وہ بہت چل رہی تھی، لیکن کچھ عرصے بعد دکان کے مالک نے دکان خالی کرنے کا نوٹس دے دیا، اور اس بیٹے کو مجبوراً دکان خالی کرنی پڑی۔ جب کہ دوسرے بھائیوں کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا اور وہ خوب ترقی کرتے رہے۔ جو فلیٹ ایک بیٹے کے نام ہوا تھا، اس وقت اس کی قیمت اتنی ہی تھی جتنی دوسرے بھائیوں کے مکان یا فلیٹ کی تھی، لیکن تقدیر سے کچھ عرصے بعد وہاں پر سیمنٹ فیکٹری کے بننے اور دھویں و آلودگی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے فلیٹ کی قیمت گر گئی۔

اگر ایسے شیطانی وساوس کہ باپ نے میرے ساتھ ظلم کیا یا بڑے بھائیوں کو مجھ سے زیادہ دیا۔ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، وغیرہ کو اپنے دل میں جگہ دیں گے تو اس کے تین بڑے نقصان ہوں گے۔

۱ آپ کے رونے دھونے، جگہ جگہ شکایت کرنے سے آپ کی عزت میں فرق تو آئے گا ہی، ساتھ ہی اس کی لپیٹ میں آپ کے بے چارے، بے قصور بھائی اور بہنیں بھی آسکتے ہیں۔ ان کی عافیت والی زندگی بے سکون ہوسکتی ہے۔ آپ کے جگہ جگہ اس طرح تذکرہ کرنے کی وجہ سے لوگ آپ کے بھائی بہنوں کو ظالم یا قصور وار سمجھیں گے۔ ان کے کاروبار یا ملازمت میں نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

۲ دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ بھائیوں سے لڑ کر انہیں ناراض کیا اور جو کچھ تھوڑا بہت آپ کو اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے، اس کی ناشکری ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو بھی ناراض کر دیا۔ حالانکہ صرف جذبہ حسد کارفرما ہے کہ میرے بھائی کروڑ پتی ہیں

اور میں لکھ پتی کیوں نہیں ہوں؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اور جو کچھ دنیوی عافیت حاصل تھی، وہ بھی ہاتھ سے گئی۔

۳ تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ جب آپ اس عمر کو پہنچیں گے، جس عمر میں آج آپ کے والد صاحب ہیں۔ تو جیسے آپ شکوہ کرتے ہیں، ویسے ہی آپ کی اولاد بھی آپ سے شکوہ کرے گی۔ چاہے آپ نے ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے برابری کی ہو۔ اردو کا محاورہ ہے: ''جیسی کرنی ویسی بھرنی۔''

لہٰذا ان نقصانات سے بچنے کے لئے اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی کوئی حال، کوئی مصیبت، کوئی پریشانی آئے تو اس کی نسبت کسی مخلوق کی طرف نہ کریں۔ نہ والدین یا بھائی، بہن نہ دوست یار، بلکہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں، انہیں درست کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو رو کر التجا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حال کو اور دنیوی و اخروی زندگی کو خوشحال بنا دیں، اور یہ سوچیں کہ جس حال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے، وہ حال میرے لئے بہت ہی بہتر ہے۔ کیا پتہ جو حال میں طلب کر رہا ہوں، اس میں مصیبتیں زیادہ ہوں؟ پیسا زیادہ ہو لیکن بیماریاں بھی زیادہ ہوں اور وہی پیسہ دواؤں میں لگے تو کیا فائدہ؟ وہ پیسہ مزید پریشانیوں کا سبب بنے تو کیا فائدہ؟

ہاں ان پریشانیوں کو دور کرنے کی فکر کریں، مثلاً ملازمت نہیں مل رہی تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھ جائیں، والد صاحب کی شکایت نہ کرتے پھریں، بھائیوں کے مظالم بہنوں کے سامنے نہ ذکر کریں، بلکہ کوشش کریں کہ ملازمت مل جائے اور اگر بڑے بھائیوں نے ظلم بھی کیا ہو تو معاف کر دیں، اور یہ یقین رکھیں کہ اگر میرے مقدر میں یہ مال ہوگا تو مجھے ضرور مل کر رہے گا، اگر میرے مقدر میں نہیں ہے تو کیا فائدہ ہے کہ بھائی بہنوں میں جھگڑے کا سبب بنوں۔ اگر میرے صبر اور شکر کی وجہ سے بھائی بہن سکون سے رہ رہے ہیں اور والدین کی عزت سلامت ہے، یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ میرے جھگڑوں کی وجہ سے میرا سکون بھی تباہ ہو اور ان کا چین و سکون بھی برباد

ہو، نیز والدین مرحومین کی عزت پر دھبہ آئے۔ اگر مجھے مال مل بھی گیا اور میرا مقدر نہیں تو مجھ سے کوئی اور چھین کر لے جائے گا۔ اپنے دل کو اس طرح تسلی دے کر مطمئن کریں۔ تجربہ کار لوگوں کا کہنا ہے کہ جن کے مقدر میں مال نہیں ہوتا، وہ سونے میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو مٹی ہو جاتا ہے اور جن کے مقدر میں ہوتا ہے، وہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو سونا بن جاتا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس حال میں رکھا ہے، اس پر شکر کرے، اور یقین رکھے کہ میرے لئے یہی بہتر ہے۔ مچھر نے اگر کاٹا ہے تو حال تو برا ہے، لیکن اگر یہ سوچا جائے کہ سانپ کے ڈسنے سے بچا کر مچھر کا زخم دے دیا تو اس پر بھی شکر کی توفیق ہوگی۔

آپ کا سلوک اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ

اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ شفقت اور محبت والا معاملہ رکھیئے۔ جب اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز خریدیں تو کوشش کریں کہ اپنے بھتیجوں اور بھانجوں کو بھی یاد رکھیئے۔

اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد میں بھی آپس میں محبت والا معاملہ رہے گا۔

ہاں! اگر بھائی بہنوں کے گھر کا ماحول اچھا نہیں ہے، ٹی وی یا کمپیوٹر جیسی خرافات کی بچوں کو آزادی ہے، تو پھر تو اپنی اولاد کو وہاں جانے سے خوب بچائیں۔

ہاں! آپ خود ہدیہ تحفہ بھیجتے رہیں اور ان کو دین پر لانے کی فکر فرماتے رہیں، اور قطع تعلق سے بچتے رہیں۔ حتی الامکان صلح اور معافی کا معاملہ رکھے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باپ شریک بھائی محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ (ماں کی طرف سے نسبت ہے، جو بنوحنفیہ سے تھیں) میں کسی بات پر تلخی پیدا

ہوگئی اور دونوں آپس میں ناراض ہو کر چل دیئے۔ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھر پہنچ کر درج ذیل مضمون پر مشتمل ایک مکتوب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

''محمد بن علی کی طرف سے اس کے بھائی حسین بن علی کی طرف

سلام مسنون کے بعد..... آپ کو ایسا مقام و مرتبہ اور اشرف فضیلت حاصل ہے، جس تک میری رسائی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ میری والدہ بنو حنفیہ کی ایک خاتون ہیں اور آپ کی والدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دختر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اگر میری والدہ جیسی عورتوں سے زمین بھر جائے، پھر بھی آپ کی والدہ کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا اس مقام و مرتبہ کی بنا پر میرا مکتوب پڑھتے ہی مجھے راضی کرنے میرے ہاں چلے آیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس فضیلت کو پانے کے لئے آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، میں اس میں پہل کر جاؤں، والسلام۔''

ادھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خط پڑھا تو فوراً محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آئے اور انہیں راضی کیا۔ باہمی رضامندی کا یہ کس قدر انوکھا انداز ہے۔[1]

اپنے والد صاحب کی خدمت کیجیے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد آپ کی عزت کرے، آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور آپ کی فرمانبرداری کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کے دل میں آپ کی عزت و عظمت بٹھا دے اور آپ کو آخرت کی کامیابی کے علاوہ بے شمار دنیوی

---

[1] ماخذہ کتابوں کی درس گاہ میں: ص ۲۷

فوائد بھی حاصل ہوں، تو آپ کو چاہیئے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ مشہور محاورہ ہے کہ "آدمی جو بوتا ہے، وہی کاٹتا ہے۔" گندم بو کر جو کی تمنا رکھنا اور باجرہ بو کر چاول حاصل کرنے کی توقع بیوقوفی ہے۔ آج ہم اپنے والدین کے ساتھ جیسا برتاؤ کریں گے، کل اپنی اولاد سے ویسا ہی صلہ پائیں گے۔ اس لئے والدین کے ساتھ نہایت ہی نیک سلوک کیجیے، ان کی کسی بات پر "اُف بھی نہ کیجیے"، اور اپنا مال خرچ کرنے اور لینے کی ان کو پوری اجازت دیجیے اور اس پر کسی قسم کی ناگواری کا بالکل اظہار نہ کیجیے، کیونکہ آپ کے مال میں ان کا پورا پورا حصہ ہے۔ بلکہ آپ اور آپ کا سارا مال، آپ کے والد ہی کا ہے۔

ایک واقعہ عجیبہ

قرطبی نے اپنی اسناد مفصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ! اسی وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب اس کا باپ آجائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں؟ جو اس نے دل میں کہے ہیں، خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا۔ جب یہ شخص اپنے والد کو لے کر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے کہا کہ کیا بات ہے؟ آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں؟ والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی، خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایہ" (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہو گئی، اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں)۔ اس کے بعد اس کے والد سے دریافت کیا کہ وہ

کلمات کیا ہیں؟ جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں (جو بات کسی نے نہیں سنی، اس کی آپ کو اطلاع ہوگئی، جو ایک معجزہ ہے)۔

پھر اس نے عرض کیا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے، جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہمیں سناؤ اس وقت اس نے یہ اشعار سنائے ؎

غَذَوْتُكَ مَوْلُوْدًا وَّ مُنْتُكَ يَافِعًا   تُعَلُّ بِمَا اَجْنِىْ عَلَيْكَ وَ تُنْهَلُ

ترجمہ: ”میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی۔ تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا۔“

اِذَا لَيْلَةً ضَافَتْكَ بِالسَّقْمِ لَمْ اَبِتْ   لِسَقْمِكَ اِلَّا سَاهِرًا اَتَمَلْمَلُ

ترجمہ: ”جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے تمام رات تمہاری بیماری کے سبب، بیداری اور بے قراری میں گزاری۔“

كَاَنِّىْ اَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَكَ بِالَّذِيْ   طُرِقْتَ بِهٖ دُوْنِيْ فَعَيْنِيْ تَهْمَلُ

ترجمہ: ”گویا کہ تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے، تمہیں نہیں۔ جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا۔“

تَخَافُ الرِّدٰى نَفْسِيْ عَلَيْكَ وَاَنَّهَا   لَتَعْلَمُ اَنَّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجَّلُ

ترجمہ: ”میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے، جو پہلے یا پیچھے نہیں ہوسکتا۔“

فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَايَةَ الَّتِيْ   اِلَيْهَا مَدٰى مَا كُنْتُ فِيْكَ اُؤَمِّلُ

ترجمہ: ”پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے، جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔“

جَعَلْتَ جَزَائِي غِلْظَةً وَّ فِظَاظَةً   كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ

ترجمہ: ''تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا۔ گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان و انعام کر رہے ہو۔''

فَلَيْتَكَ إِذْ لَمْ تَرْعَ حَقَّ أُبُوَّتِي   فَعَلْتَ كَمَا الْجَارُ الْمُصَاقِبُ يَفْعَلُ

ترجمہ: ''کاش! اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے، جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔''

فَأَوْلَيْتَنِي حَقَّ الْجِوَارِ وَلَمْ تَكُنْ
عَلَيَّ بِمَالٍ دُوْنَ مَالِكَ تَبْخَلُ

ترجمہ: ''تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے ہی مال میں، میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا: ''أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيْكَ'' یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی، سب تیرے باپ کا ہے۔[۱]

صرف یہ ہی نہیں کہ والدین کی خدمت اور فرماں برداری سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور ان کی خدمت سے جنت ملتی ہے، بلکہ اس دنیا کے اندر بھی بیشمار فوائد حاصل ہوتے ہیں، مثلاً رزق میں کشادگی اور عمر میں درازی وغیرہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو، اور اس کی روزی میں کشادگی ہو، اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔''[۲]

---

[۱] تفسیر قرطبی: ج ۱۰ص ۲۴۶، مأخذہ معارف القرآن: ج ۵ص ۴۶۸

[۲] الترغیب والترہیب، کتاب البرّ والصلة وغیرهما، الترغیب فی برّ الوالدین: ص ۲۱۵

دوسری حدیث جو حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس آدمی نے والدین کے ساتھ بھلائی کی، اس کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز فرمادے گا۔''[1]

پیارے بھائی! یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت کی کامیاب زندگی بنانے کے لئے ایک مہلت ہے۔ اس میں جس قدر عمل ہو سکے، انسان کو کر لینا چاہیے۔ مومن کی تو خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ قیامت و آخرت کے لئے تیاری کرے اور اس کے لئے جتنا زیادہ وقت ملے، غنیمت ہے۔ اس معنی میں مومن کے لئے عمر کی درازی بڑی نعمت و انعام ہے اور یہ کسی اور کے ہاتھ میں بھی نہیں، بلکہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ والدین کی خدمت کیجیے اور انعام کے مستحق بنیے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی مقاصد بھی اللہ تعالیٰ پورے فرمادیتے ہیں اور پریشانیاں دور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو سنایا کہ ایک مرتبہ تین آدمی کہیں سفر پر جا رہے تھے، راستے میں بارش نے ان کو آگھیرا، وہ پناہ کے لئے ایک غار میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ اللہ کی قدرت کہ پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور غار کے منہ پر آن گرا اور غار کا دہانہ بالکل بند ہو گیا۔ تینوں افراد بہت گھبرائے کہ نہ وہ اس پتھر کو کھسکا سکتے ہیں اور نہ وہاں کوئی آدمی ان کی مدد کے لئے موجود ہے۔ لہٰذا ناامید ہو کر بیٹھ گئے اور موت کا یقین کر لیا کہ اب آئی کہ تب آئی۔ لیکن پھر آپس میں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ آؤ ہم میں سے ہر ایک اپنی زندگی کے سب سے اچھے عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل اس مصیبت سے نکلنے کی بنا ہی دیں گے۔ ان میں سے ایک گویا ہوا: ''یا اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں دن بھر بکریاں چراتا تھا، شام

[1] الترغیب والترہیب، کتاب البر والصلۃ وغیرھما، الترغیب فی بر الوالدین: ص ۲۱۵

کو گھر لوٹتا اور دودھ دوہ کر سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا، ان کو پلانے کے بعد اپنے بچوں کو دیتا تھا۔ ایک دن میں دور نکل گیا اور لوٹنے میں کافی دیر ہوگئی، رات گئے جب میں گھر پہنچا تو والدین سو چکے تھے۔

میں نے روزانہ کی طرح بکریوں کا دودھ نکالا اور ایک پیالے میں لے کر ماں باپ کے سرہانے جا کھڑا ہوگیا، اور انتظار کرتا رہا کہ یہ جاگیں تو میں دودھ پیش کروں۔ رات خاصی گزر چکی تھی، میرے بچے بھوک سے بے چین تھے، لیکن مجھے یہ گوارہ نہ ہوا کہ ماں باپ سے پہلے ان بچوں کو پلاؤں۔ ماں باپ تو بھوکے سوئیں اور میرے بچے پیٹ بھر کر آرام کریں۔ غرض رات بھر میں اسی طرح پیالہ لئے کھڑا رہا، ماں باپ سوتے رہے، پوری رات گزر گئی۔ یا اللہ! اگر میں نے والدین کے ساتھ یہ سلوک تیری رضا اور خوشنودی کے لئے کیا ہو تو یا اللہ! تو اپنی رحمت سے اس پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا دے۔"

اس آدمی کا کہنا تھا کہ پتھر غار کے منہ سے کچھ کھسک گیا اور آسمان صاف نظر آنے لگا، پھر باقی دونوں افراد نے اپنے اپنے نیک عمل کا واسطہ دے کر دعا کی، اللہ تعالیٰ نے غار کا منہ کھول دیا۔[1]

تفصیل کے لئے حدیث کی کتاب ریاض الصالحین دیکھیے۔ اس واقعہ میں غور فرمایئے! اللہ تعالیٰ نے والدین کی خدمت کی وجہ سے ان کو ناگہانی موت سے بچالیا اور پریشانی اور مصیبت سے نجات دلائی۔ اس لئے اپنے والدین کا غایت درجہ احترام کیجیے۔

﴿حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَوْ غَيْرِهِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَبْصَرَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ لِأَحَدِهِمَا: مَا هٰذَا مِنْكَ؟ فَقَالَ: أَبِي

---

[1] بخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار: ج ۱ص ۴۹۳

فَقَالَ: لَا تُسَمِّهِ وَلَا تَمْشِ أَمَامَهُ وَلَا تَجْلِسْ قَبْلَهُ﴾ [1]

تَرجَمۂ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو آدمیوں کو دیکھا، ان میں سے نوجوان سے پوچھا: یہ تمہارے کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ میرے والد ہیں۔ آپ نے فرمایا: دیکھو! کبھی ان کا نام لے کر مت پکارنا۔ نہ کبھی ان کے آگے چلنا (یعنی جب ان کے ساتھ چلو تو ہمیشہ ان کے پیچھے چلنا) اور کسی مجلس میں جب بیٹھنے لگو تو ان سے پہلے مت بیٹھنا۔''

لہٰذا محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے والدین کی خوب خدمت کیجیے، ان کے ادب و احترام کا خوب لحاظ رکھیے۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ خود بھی ایک مثالی والد بنیں گے اور آپ کی اولاد آپ کے لئے دنیا و آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی۔

اولاد والدین کے لئے یہ دعائیں کرے

قرآن کریم اور احادیث میں بعض ایسی دعائیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ہمیں سکھلائی گئیں ہیں، جو خود انبیاء علیہم السلام نے اپنے والدین کے لئے یا والد کے لئے مانگی ہیں۔ ہم بھی ان دعاؤں کو مانگ کر اپنے والدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کر سکتے ہیں، اور اپنی اولاد کو یہ دعائیں سکھلا کر اپنے معصوم بچوں اور بچیوں کی زبانی اپنے لئے دعائیں کروا سکتے ہیں، مثلاً:

1 ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ [2]

تَرجَمۂ: ''اے ہمارے رب! مجھ کو بخش دے اور میرے ماں باپ کو

---

[1] الادب المفرد: ص ۲۷، باب لایسمی الرجل أباه ولا یجلس قبله ولا یمشی أمامه

[2] سورۂ ابراہیم آیت ۴۱

بخش اور سب ایمان والوں کو۔ اس دن، جب کہ حساب ہو۔"

یہ مبارک دعا اپنے لئے اور والدین کے لئے گناہوں کی معافی کی دعا ہے۔ اے اللہ! ہم سب کی مغفرت فرما۔ اپنی اولاد کو، نواسے، نواسیوں، پوتے، پوتیوں سب کو وصیت کر جائیں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا تین مرتبہ ضرور مانگ لیا کریں۔

❷ ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا﴾ [1]

ترجمہ: "اے رب! ان پر رحم فرما، جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔"

یہ مبارک دعا والدین کے لئے رحمت کی دعا ہے۔ اولاد اللہ تعالیٰ سے یہ مانگے کہ اے اللہ! جیسے والدین نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا، ویسے آپ ان پر رحم فرمائیں۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں اولاد کو والدین کے ادب کی رعایت کے بارے میں دیا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ والدین کی خدمت و اطاعت، والدین ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں، ہر حال میں ہر عمر میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک واجب ہے۔ لیکن واجبات و فرائض کی ادائیگی میں جو حالات عادتاً رکاوٹ بنا کرتے ہیں، ان حالات میں قرآن حکیم کا عام اسلوب یہ ہے کہ احکام پر عمل کو آسان کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں سے ذہنوں کی تربیت بھی کرتا ہے اور ایسے حالات میں تعمیل احکام کی پابندی مزید تاکید بھی کرتا ہے۔ والدین کے بڑھاپے کا زمانہ، جب کہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، ان کی زندگی اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے، اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔

دوسری طرف بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل و فہم بھی جواب دینے لگتے ہیں، تو ان کی خواہشات و مطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں، جن کا پورا کرنا

---

[1] سورۂ اسراء آیت نمبر ۲۴

اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ، انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے، جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں۔ تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت وخواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا، اب جب کہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل وشرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔ آیت میں "كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا" سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آیات مذکورہ میں والدین کے بڑھاپے کی حالت کو پہنچنے کے وقت چند تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ ان کو "اُف" بھی نہ کہے، لفظ "اُف" سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے، جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو۔ یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا، جس سے ان پر ناگواری کو اظہار ہو، وہ بھی اس کلمہ "اُف" میں داخل ہے۔

دوسرا حکم ہے: "وَلَا تَنْهَرْهُمَا"۔ لفظ "نَهَرَ" کے معنی "جھڑکنے اور ڈانٹنے" کے ہیں۔ اس کا سبب ایذا ہونا ظاہر ہے۔

تیسرا حکم ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ہے۔ پہلے دو حکم منفی پہلو سے متعلق تھے، جن میں والدین کی ادنیٰ سے ادنیٰ بار خاطر کو روکا گیا ہے، اس تیسرے حکم میں مثبت انداز سے والدین کے ساتھ گفتگو کا ادب سکھایا گیا ہے کہ ان سے محبت و شفقت کے نرم لہجہ میں بات کی جائے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: جس طرح کوئی غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

چوتھا حکم ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و ذلیل آدمی کی صورت میں پیش کرے، جیسے

غلام آقا کے سامنے۔ جناح کے معنی بازو کے ہیں۔ لفظی معنی یہ ہیں کہ والدین کے لئے اپنے بازو عاجزی اور ذلت کے ساتھ جھکائے۔ آخر میں "مِنَ الرَّحْمَةِ" کے لفظ سے ایک تو اس پر متنبہ کیا کہ والدین کے ساتھ یہ معاملہ محض دکھاوے کا نہ ہو، بلکہ رحمت وعزت کی بنیاد پر ہو۔ دوسرے شاید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ والدین کے سامنے ذلت کے ساتھ پیش آنا، حقیقی عزت کا مقدمہ ہے۔ کیونکہ یہ واقعی ذلت نہیں، بلکہ اس کا سبب شفقت ورحمت ہے۔

پانچواں حکم ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا﴾ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ والدین کی پوری راحت رسانی تو انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی مقدور بھر راحت رسانی کی فکر کے ساتھ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی سب مشکلات کو آسان اور تکلیفوں کو دور فرمائے۔ یہ آخری حکم ایسا وسیع اور عام ہے کہ والدین کی وفات کے بعد بھی جاری ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہمیشہ والدین کی خدمت کرسکتا ہے۔

یہ آپ کی بہت ہی بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہوگی کہ آپ اور آپ کی اہلیہ، ان کے لئے اعتماد اور ہمت پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں کہ پیارے ابا! پیاری امی! آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور جس طرح آپ اپنے بچوں کی تربیت کر رہے ہیں اور ان کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے ہیں، اسی طرح ان کی ہر کڑوی کسیلی کو برداشت کریں تو یہ آپ کی بہت بڑی سعادت ہوگی۔

۳ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یہ دعا پڑھے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

الْحَكِيْمُ. لِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَلَهُ الْعَظَمَةُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. هُوَ الْمَلِكُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعٰلَمِيْنَ. وَلَهُ النُّوْرُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

تَرجَمہ: ”ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جو دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔

آسمانوں کا رب اور زمین کا رب، دونوں جہاں کا رب ہے۔

اور اسی کے لئے بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں، وہی زبردست حکمت والی ذات ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تعریف ہے جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب اور دونوں جہانوں کا رب ہے۔

اسی کے لئے بڑائی آسمانوں میں اور زمین میں، وہ زبردست حکمت والا ہے۔

وہی بادشاہ ہے۔ آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور دونوں جہانوں کا رب ہے۔

اسی کے لئے روشنی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔“

اور اس کے بعد یہ دعا کرے کہ یا اللہ! اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دے تو اس نے والدین کا حق ادا کر دیا۔

④ ارشاد الساری کے آخر میں یہ دعا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِيْ وَبِهِمَا عَاجِلًا وَّاٰجِلًا فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَا اَنْتَ لَهُ اَهْلٌ، وَلَا تَفْعَلْ بِيْ وَبِهِمَا عَاجِلًا وَّاٰجِلًا فِي الدِّيْنِ

وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَا نَحْنُ لَهٗ اَهْلٌ يَا مَوْلَانَا﴿

ترجمہ: ''اے اللہ! میرے ساتھ اور میرے والدین کے ساتھ جلدی ہو یا دیر سے، دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں وہ معاملہ فرما، جو آپ کی شایانِ شان ہو۔ اور میرے اور میرے والدین کے ساتھ جلدی ہو یا دیر سے، دین و دنیا اور آخرت کے تمام مراحل میں وہ معاملہ نہ فرما، جس کے ہم اہل ہیں، اے میرے آقا! (یعنی اے اللہ! ہمارے ساتھ اپنے خاص فضل و کرم والا معاملہ فرما)۔''[1]

مرنے کے بعد نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے

اولاد کی زندگی میں اگر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے، تو اولاد آپ کے لئے ایسا صدقہ ہے، جس کا اجر رہتی دنیا تک آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ موت سے ہم آغوش ہوتے ہی آدمی کی مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے، لیکن وہ اگر اپنے پیچھے صالح اولاد چھوڑ جائے تو یہ ایک ایسا عمل ہے، جس کا اجر مرنے کے بعد بھی آدمی کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کی مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے، سوائے تین اعمال کے (کہ ان کا اجر مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے)، کوئی ایسا صدقہ کر جائے، جو اس کے بعد بھی جاری رہے۔ یا ایسا علم چھوڑ جائے کہ اس کے بعد بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ یا پھر نیک اولاد چھوڑ جائے، جو بعد وفات اس کے حق میں دعا کرتی رہے۔''[2]

---

[1] ماخذہ ارشاد الساری، کتاب الادعیۃ الحج والعمرۃ: ص۸

[2] مشکوٰۃ، کتاب العلم: ج ۱ ص ۳۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا ارشاد ہے کہ ''جب کسی میت کے درجات بلند ہوتے ہیں، تو وہ حیرت سے پوچھتی ہے کہ یہ کیونکر ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو بتایا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتی رہی (اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا۔)''[1]

''حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شب ہم لوگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عاجزی کے ساتھ فرمایا: ''اے میرے پروردگار! ابوہریرہ کی مغفرت فرما، اے پروردگار! ابوہریرہ کی ماں کی مغفرت فرما، اور اے پروردگار! ان سب لوگوں کی مغفرت کردے، جو ابوہریرہ اور اس کی ماں کے لئے دعائے مغفرت کریں۔''

لہٰذا ہم برابر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں تاکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا میں شامل رہیں۔''

لہٰذا اپنی اولاد، بیٹا ہو یا بیٹی، اس کی دینی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ ہر طرح سے انہیں دین دار بنانے کی اور دین کو پوری دنیا میں پھیلانے کی محنت کرنے والا بنائیں۔ بلوغت سے پہلے ہی انہیں نماز، ذکر اور تلاوت کا پابند بنائیں۔ لڑکیوں کو حجاب کا پابند بنائیں اور شرم وحیاء والی بنائیں۔ غیبت، جھوٹ، گالی، چغلی سے اجتناب کرنے والی بنائیں اور کوشش کریں کہ آپ کے بچے مسلمانوں کی عزت و احترام اور قدر کرنے والے ہوں اور دین کو پوری دنیا میں پھیلانے کا جذبہ رکھنے والے اور اس کے لئے محنت، کوشش اور خصوصاً دعا کرنے والے ہوں۔ اگر خدانخواستہ کسی والد کی جوانی منکرات میں گزر چکی ہے تو اب توبہ استغفار کر کے اپنے بچوں کو ضرور دیندار، دین کا عالم، حافظ اور داعی بنایئے اور وصیت کر جایئے کہ میرے فلاں بیٹے یا فلاں

[1] ابن ماجہ، ابواب الأدب، باب بر الوالدین: ص ۲۶۸

پوتے/ پوتی کو حافظ/ حافظہ بنانا اور فلاں کو عالم بنانا وغیرہ۔ اس سلسلہ میں ہم ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں۔

ایک شخص اپنی پوری جوانی شراب و کباب میں لگا بیٹھا۔ جب شادی ہوئی اور بچے ہوئے تو اللہ پاک نے ہدایت عطا فرمائی۔ اپنے ماضی پر بہت نادم ہوا۔ اپنے بیٹے کو قرآن کا حافظ بنانے کے خواب دیکھنے لگا، مگر قضائے الٰہی آ پہنچی۔ عالم نزع میں اپنی بیوی کو وصیت کر گیا کہ بچہ جیسے ہی بڑا ہو اس کو حافظ قرآن بنانا، پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ بیوی بے چاری نے بھی وصیت پوری کی اور مقررہ وقت پر بچے کو مدرسہ چھوڑ آئی۔ بچے کو مدرسہ کے قاری صاحب نے وضو کروا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا: بیٹا! پڑھو میرے ساتھ "بسم اللہ الرحمن الرحیم"۔ بچے نے جیسے ہی توتلی زبان سے تسمیہ پڑھا، بس رحمت الٰہی جوش میں آئی اور باپ سے، جو قبر کے تحت عذاب میں گرفتار تھا، عذاب کو دور کر دیا گیا۔ جب اس نے پوچھا تو فرمایا گیا کہ تمہارے بچے نے جب اللہ تعالیٰ کو رحمٰن و رحیم پکارا تو اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت کر دی۔

اسی طرح کے متعدد واقعات ہیں، لیکن مقصود یہ ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت و تعلیم دینی رخ پر ہونی چاہیے۔

شوہر، بیوی اور اولاد کی ذمہ داریاں

دین اسلام نے میاں بیوی اور اولاد کی الگ الگ ذمہ داریاں مقرر کی ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی ذمہ داریوں پر قائم و پابند رہنے کی سختی سے تاکید کی ہے کہ اسی میں ہماری فلاح ہے، مثلاً: ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی اچھی اور دینی تربیت کریں اور ان کی تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں، ان کی تربیت کے لئے آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ پیار و محبت کے ساتھ رہیں اور ہر معاملے

میں نرمی اختیار کریں، سختی اور درشت کلامی سے بہت زیادہ احتیاط کریں، اس لئے اگر اللہ نہ کرے آپ بیمار ہیں اور بیماری کی وجہ سے یا ویسے ہی مزاج میں کچھ تیزی اور چڑچڑاپن پیدا ہورہا ہے، تو فوراً اسے دور کرنے کی کوشش کیجیے اور سوچیے کہ میری یہ بیماری یا پریشانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہے، گھر والے بے چاروں کا اس میں کیا قصور کہ میں ان پر برسوں یا ان کے ساتھ سخت لہجہ میں بات کروں۔ کیونکہ اس سے نہ تو بیماری دور ہوگی نہ پریشانی۔ البتہ گھر کا ماحول خراب ہوگا اور آپ کی زندگی اللہ نہ کرے اجیرن ہوگی۔

یہاں ہم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور مجموعۂ فتاویٰ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں سے ایک سوال اور اُس کا جواب نقل کرتے ہیں، جس سے واضح ہوگا کہ درشت کلامی سے کس طرح گھر برباد ہوتے ہیں اور اولاد ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں آمین۔

سوال: میری بیوی ہر بات میرے خلاف کرتی ہے، حقوق ادا نہیں کرتی۔ گزشتہ روز میں نے اپنی بڑی لڑکی کو بلا کر والدہ کو سمجھانے کو کہا۔ اس نے کہا کہ اب نبھاؤ مشکل ہے۔ اچھا ہے کہ آپ کے درمیان علیحدگی ہوجائے۔ ایک نالائق بیٹا درمیان میں آگیا اور فیصلہ یہ کیا کہ میں اس (ماں) کو لے جاتا ہوں۔ باوجودیکہ میں نے اس کی ماں کو کافی روکا کہ بغیر اجازت آپ نہیں جاسکتیں، مگر وہ بیٹے کے ساتھ چلی گئی۔ نامعلوم وہ کہاں ہے۔ اب میں اپنے بیٹے کو عاق کرنا چاہتا ہوں اور بیوی کے لئے کیا کروں؟ اس بارے میں مشورہ طلب کرتا ہوں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ بیٹے، ماں باپ کو ایک دوسرے سے علیحدہ کریں اور اوپر سے طرّہ یہ کہ سب بچے ہی یک زبان ہوکر ماں کے طرف دار بن گئے۔

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا اندوہناک خط تفصیل سے پڑھا، بہت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو آسان فرمائے۔ نجی اور ذاتی معاملات

میں، میں مشورہ دینے سے گریز کیا کرتا ہوں۔ اس لئے چند اصولی باتیں عرض کرتا ہوں۔

۱ اولاد جب جوان ہوجائے تو ان کے جذبات کا احترام ضروری ہوتا ہے اور والدین کی چپقلش اور سر پھٹول، اولاد کے دل سے والدین کا احترام نکال دیتی ہے۔ بیوی سے لڑائی جھگڑا اولاد کے سامنے کرنا اصولی غلطی ہے۔

۲ بیوی کے ذمہ شوہر کے حقوق ادا کرنے کی بہت ہی تاکید کی گئی ہے، لیکن شوہر کو بھی یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ (بیوی) کتنے حقوق کا بوجھ اٹھانے کی متحمل ہے۔ اسی لئے شریعت نے مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے، تاکہ ایک بیوی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے اور ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں شریعت نے شوہر پر یہ کڑی پابندی عائد کی ہے کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ کانٹے کے تول سے برابری کرے۔ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھے اور کسی ایک کی طرف ادنیٰ جھکاؤ بھی روا نہ رکھے۔

۳ قیامت کے دن صرف بیوی کی نافرمانیوں ہی کا محاسبہ نہ ہوگا، بلکہ شوہر کی بد خلقی، درشت کلامی اور اس کے ظلم و تعدی کا بھی حساب ہوگا اور پھر جس کے ذمہ جس کا حق نکلے گا، اسے دلایا جائے گا۔

۴ آپ نے جو حالات لکھے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات کے بگاڑ میں سب سے زیادہ دخل آپ کی درشت کلامی کا ہے، (جس میں آپ غالبًا اپنی بیماری اور مزاجی ساخت کی وجہ سے کچھ معذور بھی ہیں)۔ آپ کی اہلیہ اور اولاد پر اس کا رد عمل غلط ہوا ہے۔ اگر آپ اپنے طرز عمل کو تبدیل کرلیں اور اپنے رویہ کی اصلاح کرلیں تو آپ کے اہل و عیال کے انداز میں تبدیلی آسکتی ہے۔

۵ اگر آپ اپنے مزاج کو حالات کے مطابق تبدیل نہیں کرسکتے تو آخری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ بیوی کو فارغ کردیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اپنی اولاد سے

بھی کٹ جائیں گے۔ کیونکہ آپ کی جوان اولاد، آپ کو ظالم اور اپنی والدہ کو مظلوم سمجھ کر اپنی ماں کا ساتھ دے گی اور بطور انتقام آپ سے قطع تعلق کر لے گی۔ یہ دونوں فریقوں کی دنیا و آخرت کی بربادی کا باعث ہوگا۔

❻ بیوی کی ایذاؤں پر صبر کرنا مستقل جہاد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔ پس اگر آپ اس اجر عظیم کے خواستگار ہیں، تو اس کا راستہ صبر و استقامت کی خار دار وادی سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس صورت میں آپ کو اپنی اہلیہ اور اولاد سے صلح کرنی ہوگی۔ ان کو ظالم اور اپنے آپ کو مظلوم سمجھ کر نہیں، بلکہ یہ سمجھ کر کہ ان کی غلطیاں بھی درحقیقت میری نااہلی کی وجہ سے ہیں۔ ظالم میں خود ہوں اور الزام دوسروں کو دیتا ہوں۔

❼ اگر آپ صلح کرنا چاہیں تو اس کے لئے اپنے آپ کو مٹانا ہوگا اور چند باتوں کا التزام کرنا ہوگا۔ ایک یہ کہ آپ کی زبان سے خیر کے سوا کوئی بات نہ نکلے، کبھی کوئی ناگوار لفظ زبان پر نہ آنے پائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے حق کسی کے ذمہ نہ سمجھیے اور نہ کسی کی شکایت آپ کے دل میں پیدا ہو، بلکہ اگر کوئی آپ کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اس کو عطیہ الٰہی سمجھیے اور اگر کوئی بدخلقی یا سختی کے ساتھ پیش آئے تو یہ سمجھ کر کہ میں اس سے بھی زیادہ کا مستحق تھا۔ مالک کا شکر ہے کہ اس نے میری بدعملیوں کی پوری سزا مجھے نہیں دی، اس پر صبر کیجیے۔ تیسرے یہ کہ آپ کی ہر ادا سے اولاد اور اہلیہ کے ساتھ شفقت و محبت کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ آپ کو ایک محبوب شوہر اور شفیق باپ کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

❽ اولاد کو عاق، یعنی وراثت سے محروم کرنا شرعاً حرام ہے اور اولاد عاق کرنے سے عاق ہوتی بھی نہیں۔ اس لئے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس غلط اقدام سے باز رہیے۔ دنیا کو تو آپ اپنے لئے دوزخ بنا ہی چکے ہیں۔ خدارا آخرت میں بھی دوزخ نہ خریدیے۔ جس لڑکے کو عاق کرنے کی دھمکی دی تھی، اسے بلا کر اس

سے صلح صفائی کر لیجیے۔

⑨ بعض اکابرین کا ارشاد ہے کہ بندہ، اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑتا اور مالک کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو پہلی سزا یہ ملتی ہے کہ اس کے بیوی بچوں کو اس کے خلاف کر دیتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ اپنی بیوی بچوں کے رویہ کو قابل اصلاح سمجھتے ہیں تو اس پر بھی توجہ فرمایئے کہ مالک کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہے؟ اور کیا وہ بھی اصلاح کا محتاج تو نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کر لیجیے۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کے ساتھ بیوی بچوں کا معاملہ درست فرما دیں گے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

پانچ چیزیں آدمی کی سعادت کی علامت ہیں۔

① اس کی بیوی اس کے موافق ہو۔

② اس کی اولاد نیک اور فرمانبردار ہو۔

③ اس کے دوست متقی اور خدا ترس لوگ ہوں۔

④ اس کا ہمسایہ نیک ہو۔

⑤ اور اس کی روزی اپنے شہر میں ہو۔

⑥ ممکن ہے میری یہ تحریر آپ کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادہ گرامی کی نظر سے بھی گزرے۔ میں ان سے بھی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ معاملہ کو بگاڑنے سے احتراز کریں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ نیک خاتون کی چھ علامتیں ہیں:

① نماز پنجگانہ کی پابند ہو۔

② شوہر کی تابعدار ہو۔

③ اپنے رب کی رضا پر راضی ہو۔

④ اپنی زبان کو کسی کی برائی، غیبت اور چغلی سے محفوظ رکھے۔

⑤ دنیوی سازوسامان سے بے رغبت ہو۔

۶ تکلیف پر صابرہ ہو۔

اسی طرح اولاد پر لازم ہے کہ والدین کا احترام کریں۔

حدیث میں ہے:

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ: ایک شخص نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! میری والدین کا میرے ذمہ کیا حق ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ تیری جنت ہیں یا دوزخ۔''[1]

ایک حدیث میں ہے:

''حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے ایک شخص سے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے۔ اب اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر، یا اس کو ضائع کر دے۔''[2]

ایک حدیث میں ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضامندی، والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، والد کی ناراضگی میں ہے۔''[3]

ایک اور حدیث میں ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص والدین کا مطیع ہو، اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر (والدین میں سے)

---

[1] مشکوٰۃ، باب البر والصلۃ: ج۲ص۴۲۱

[2] مشکوٰۃ، باب البر والصلۃ: ج۲ص۴۱۹

[3] مشکوٰۃ، باب البر والصلۃ: ج۲ص۴۱۹

ایک ہو تو ایک۔ اور جو شخص والدین کا نافرمان ہو، اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر (والدین میں سے) ایک ہو تو ایک۔ کسی نے عرض کیا کہ خواہ والدین اس پر ظلم کرتے ہوں؟ فرمایا: خواہ اس پر ظلم کرتے ہوں، خواہ اس پر ظلم کرتے ہوں، خواہ اس پر ظلم کرتے ہوں۔"[1]

انسان کے بدن سے صادر ہونے والے اعمال کا دارومدار اس کے دل پر ہے، جس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

"انسان کے بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اگر وہ صحیح ہو تو سارا بدن صحیح رہتا ہے، اگر وہ خراب ہوجائے تو سارا بدن خراب ہوجاتا ہے۔"

لہٰذا اپنے دل کو صحیح کرنے کی فکر کیجیے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ "جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو وہ نقطہ زائل ہوجاتا ہے۔ اگر توبہ نہیں کرتا اور مزید گناہ کرتا رہتا ہے تو نقطوں کی کثرت سے دل آہستہ آہستہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس میں خیر کی کوئی رغبت بھی باقی نہیں رہتی۔"[2]

اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کے دل دو طرح کے ہیں۔ ایک نورانی اور ایک ظلماتی۔ اب یہ ہمارے اور آپ کے اختیار میں ہے کہ ہم اپنے دل کو کیسا بنانا چاہتے ہیں۔ دل کو نورانی بنانے کے لئے ذیل میں ہم چند تدابیر لکھتے ہیں، جن پر عمل پیرا ہونے سے ان شاء اللہ تعالیٰ دل نورانی بن جائے گا، جس کے نتیجے میں اعمال بہتر

---

[1] مشکوٰۃ، باب البر والصلۃ: ج ۲ ص ۴۲۱، (بشکریہ آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج ۷ ص ۲۳۵ تا ۲۳۰)

[2] مشکوٰۃ، باب الاستغفار: ج ۱ ص ۲۰۴

ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ تدابیر قرآن وحدیث سے ماخوذ اور علمائے حقانی کے فرمودہ ہیں۔لہٰذا ان پر بلاشک وشبہ ضرور عمل کرنا چاہیے۔

① توبہ واستغفار کو اپنا معمول بنائیں اور فجر اور عصر کے بعد "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ" تین تین بار پڑھیں۔

② کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا ورد اکثر اپنی زبان پر رکھیں۔ روزانہ ایک وقت مقرر کر کے سو مرتبہ تو کلمہ طیبہ ضرور پڑھیں۔

③ قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کریں، کم از کم ایک یا آدھ پارہ تو ضرور پڑھیں اور آداب کی رعایت کے ساتھ اس طرح پڑھنے کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کو سنا رہے ہیں۔ رسالہ "فضائل قرآن" مؤلفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ میں اس کے آداب لکھے ہیں، ان کا مطالعہ کریں۔

④ موت کو کثرت سے یاد کریں اور ہو سکے تو یہ دعا "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ" روزانہ ۲۵ مرتبہ ضرور پڑھا کریں۔[1]

⑤ وقت فارغ کر کے تبلیغی جماعتوں میں اوقات لگانے کی کوشش کریں۔ اسی طرح مساجد میں فضائل اعمال کی تعلیم اور درس قرآن اور درس حدیث میں بیٹھنے کو اپنا معمول بنالیں۔

⑥ اپنا میل ملاپ دین داروں اور شریعت کے پابند لوگوں کے ساتھ رکھنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح علمائے حقانی اور صلحائے ربانی کی مجالس میں اکثر شرکت کیا کریں۔

⑦ مستند اسلامی کتابوں کو اپنے مطالعہ میں کثرت سے رکھیں۔ "فضائل اعمال" اور "فضائل صدقات" مؤلفہ مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ، حیاۃ الصحابہ مؤلفہ مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ مولانا احسان الحق صاحب دامت

---

[1] فضائل صدقات: ج ۲ ص ۴۵۷

برکاتہم، ''اصلاحی خطبات'' مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، ''روح کی بیماریاں اور ان کا علاج'' جناب حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم، ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ، ''طریقہ وصیت'' تالیف اساتذہ مدرسہ بیت العلم وغیرہ۔

❽ اوراد و وظائف کی چند کتابوں کا پڑھنا اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کریں۔ مثلاً

(الف)...... ''مستند مجموعہ وظائف'' مؤلفہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم۔

(ب)...... ''الحزب الاعظم'' مترجم مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ۔

(ج)...... ''ذریعۃ الوصول إلی جناب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' مترجم مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(د)...... ''استغفار کی ستر دعائیں'' مرتب کردہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم۔

مسلمان والدین کے لئے مفید مشورے

ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام مملوکہ اشیاء کے بارے میں اتنی وضاحت سے لکھ کر رکھے کہ اس کی موت کے بعد اس کی اولاد میں جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ اس کے لئے ہم کچھ تدابیر لکھتے ہیں۔ حتی الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ چونکہ یہ چیزیں معاشرہ میں رائج نہیں ہیں، اس لئے بظاہر مشکل یا ناممکن الوقوع سمجھی جاتی ہیں اور ان کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ حالانکہ اگر تھوڑا سا اہتمام کیا جائے تو نہ یہ مشکل ہے اور نہ ناممکن، اور اس کے ذریعے سے اولاد بہت سارے جھگڑوں سے محفوظ رہتی ہے۔

❶ بہتر یہ ہے کہ دو بیٹوں کی شادی ایک ساتھ نہ کریں، یعنی دو بہوؤں کو ایک ساتھ گھر میں نہ لائیں اور نہ ساتھ رکھیں کہ اس سے دونوں میں تقابل اور ایک

دوسرے کو کمتر دکھلانا، اور ساس کا ایک کی تعریف اور ایک کے عیوب کا اظہار کرنا، دونوں بیٹوں میں نفرت اور مایوسی پیدا کرتا ہے اور بیٹے اور بہو کے درمیان بلاوجہ اختلاف کا سبب بن جاتا ہے اور اس سے گھر کا سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ دیورانیوں جیٹھانیوں کا ایک گھر میں رہنا، جس میں باورچی خانہ بھی ایک ہی ہو، خانگی فسادات کی جڑ ہے۔ بہت ہی مجبوری میں دو بہوؤں کو ایک ساتھ رکھنا ہو تو کم از کم چولہے الگ الگ کر دیں کہ یہ چولہا ہی گھروں میں آگ بھڑکاتا ہے۔[1]

۲ اگر اتنی گنجائش ہو کہ ہر بیٹے/ بیٹی کو جائداد پلاٹ یا مکان دے سکیں تو ہر ایک کو الگ الگ دے کر اسے قبضہ دلوا کر مالک بنا دیا جائے اور معاملے کو تحریری طور پر محفوظ کر لیا جائے۔

اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو موجودہ مکان کی قیمت لگا کر جتنا حصہ ایک بیٹے کی ملکیت میں آتا ہے، اتنی ہی مقدار یا (اگر گنجائش نہ ہو تو) اس کا نصف بیٹیوں کو دے دیا جائے یا اس رقم سے ان کو کوئی پلاٹ دلوا دیا جائے اور ان کو قبضہ دلوا کر مالک بنوا دیا جائے اور موجودہ مکان صرف بیٹوں اور ان کی والدہ کے نام کر کے ان کو قبضہ کروا دیا جائے تو یہ بہت ہی بہتر ہوگا۔ ایسا کرنے سے والد کے انتقال کے بعد بیٹوں پر مکان کو بیچ کر بہنوں کو ان کا حق دینے کا بوجھ نہیں رہے گا اور چونکہ بیٹیاں الحمدللہ اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ گھروں پر ہوتی ہیں، ان کو اکثر صورتوں میں مکان کی ضرورت نہیں پڑتی، اور بیٹوں کا بغیر مکان کے گزارہ نہیں ہوسکتا، تو اب صرف بیٹوں کو آپس میں بھائیوں میں ہی تقسیم کرنے کی ضرورت ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس بیٹی یا بیٹے کو مکان بنانے میں یا دلوانے میں آپ نے مدد کی ہے اور ان کو کچھ رقم دی ہے تو وہ رقم بطور قرض دیں اور لکھ کر دستخط کروائیں

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ''تحفۂ زوجین''، ''اسلامی شادی''، ''ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ''، ''تحفۂ دولہا'' وغیرہ کتابوں کا مطالعہ ہر والد کو کرنا چاہئے۔

کہ اس بیٹے یا بیٹی کو اتنی رقم مکان بنوانے کے لئے قرض دی ہے، جو ان سے وصول کی جائے گی تاکہ والد کے انتقال کے بعد اس سے اس قرض کا مطالبہ کیا جاسکے۔ بصورت دیگر وہ رقم اس کے میراث کے حصہ سے منہا کی جاسکے اور یہ شکایت نہ رہے کہ بڑے بھائی یا بہن کا تو اپنا مکان ہے، جو والد صاحب کے تعاون سے بنا اور اب والد صاحب کے مکان میں ہم سے پورا حصہ مانگ کر ہمارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔

۳ تیسرا مشورہ یہ ہے کہ زندگی میں کبھی بھی ایسا نہ کیجیے کہ سب کچھ تقسیم کر کے خود بالکل ہی فقیر ہو جائیں۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے اور اس کا واقعۃً مشاہدہ بھی ہوا کہ جب باپ نے اپنی ساری جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنی اولاد میں تقسیم کر دی تو وہی اولاد بہو یا داماد کے ورغلانے سے باپ کو اس مکان سے بے دخل کرنے پر تیار ہو گئی یا ماں باپ کی خدمت اور خبر گیری میں لاپرواہی برتنی شروع کر دی۔

۴ چوتھا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کا کاروبار ہے تو کوشش کیجیے گا کہ ہر بچے کا الگ الگ کاروبار سیٹ کریں۔ خصوصاً اگر کسی دو بھائیوں میں شروع سے بنتی نہیں ہے تو ایک ہی کاروبار میں ان کو جمع نہ کریں، بلکہ الگ الگ کر دیں۔ چھوٹا کاروبار ہو اور دونوں بھائی محبت سے رہیں، یہ بہت ہی بہتر ہے اس سے کہ بڑا کاروبار ہو اور دونوں بھائیوں میں کھٹ پٹ ہو۔ ہاں اگر ایسے بھائی ہیں کہ چھوٹے بڑے کی مان کر چل رہے ہیں اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں ضرور ساتھ رکھیں، لیکن ملکیت اور حصے کی تعیین ضرور ہونی چاہیے تاکہ الگ ہوتے وقت اختلاف نہ ہو۔ ورنہ بہت ہی بہتر صورت یہی ہے کہ الگ الگ کاروبار رکھیں کہ اس زمانہ میں طبیعتوں کے مختلف ہونے اور تھوڑی ناگواری والی بات برداشت کرنے کا جذبہ نہ ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے بھی کہ چھوٹے بڑے کا احترام نہیں کرتے اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ نہیں کرتے، اکثر اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ خاص طور

پر اگر بیویوں کا ایک ساتھ رہنا ہو اور ایک چولہے پر کھانا پکتا ہو۔

اس لئے کہ دیورانیوں جیٹھانیوں کا ایک ساتھ رہنا سگے، بھائیوں میں اختلاف کا سبب ہو جاتا ہے۔ ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے کچھ نہ ہو تو شیطان بچوں کو لڑوا کر دیورانی اور جیٹھانی کے ذریعہ دو بھائیوں میں پھوٹ پیدا کر دیتا ہے یا ماسیاں اس کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اور آج کل ایک اور آفت آئی ہوئی ہے، وہ یہ کہ اگر کسی بھائی کا بچہ رنگ روپ میں یا بھول پن میں دوسرے بھائی کی اولاد سے زیادہ پیارا ہے اور دادا دادی یا چچا چچی کی یا پھوپھیوں کی طبعاً رغبت اس بھولے میاں کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے تو یہ خود ایک مستقل وجہ بن جاتی ہے جھگڑے کی۔ وہ اس طرح کہ یہ بہویں اس انتظار میں رہتی ہیں کہ دیکھیں دادی نے بسکٹ یا پکوڑا پہلے کس کو دیا، یا روتے ہوؤں میں سے پہلے کس کو اٹھایا اور چمکارا...... بس پھر اپنے شوہروں کو بھرتی ہیں کہ تمہاری ماں میرے والے کو تو گھاس بھی نہیں ڈالتی، فلاں کے بچے کو زیادہ پیار کرتی ہے۔ پھر وہ مرد دکان یا کاروبار میں لگ کر بھی یہی سوچتا رہتا ہے، جو رات بالکل سوتے وقت یا صبح ناشتہ کے وقت بیوی صاحبہ نے کان بھرے تھے۔ پھر اس بھائی کے ذرا سے نامناسب طرز عمل سے اس بات کو ملاتا ہے کہ اس کی اتنی چلتی ہے اور میں اور میرا بچہ گرے پڑے رہیں وغیرہ۔

لہٰذا بچوں کی شادی کے بعد جس قدر ممکن ہو، ان کے مکان خصوصاً باورچی خانے، الگ الگ رکھیں۔ ہو سکے تو دور دور علاقوں میں رکھیں۔ اسی طرح کاروبار بھی الگ الگ رکھیں۔

۵ اسی طرح اگر آپ کا کاروبار آپ کے بھائیوں کے ساتھ مشترک ہے تو آپ اس میں بھائیوں کو راضی کر کے اپنا حصہ متعین کیجیے۔ یہ ذمہ داری تو شوہر ہوتے ہی آپ کے کاندھوں پر آجاتی ہے، لیکن اب تک غفلت رہی تو اب والد بنتے ہی اس ذمہ داری کا احساس کیجیے کہ آپ کے کاروبار میں آپ کا حصہ متعین ہو، تاکہ آپ کی

موت کے بعد آپ کے بیوی بچے کسی کے محتاج نہ رہیں اور ان کو آپ کے متعین حصہ میں سے بغیر کسی کے احسان اٹھائے مل سکے۔ بعض اوقات کاروبار مشترک چلتا ہے اور ہر شریک جتنا چاہے، ماہانہ خرچ لیتا رہتا ہے اور جب ان کو شریعت کی بتلائی ہوئی یہ تدبیر سمجھائی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم بھائی بہنوں میں ''انڈر سٹینڈنگ'' اچھی ہے۔ یاد رکھیے! اسی وہم میں رہتے ہوئے کہ ہم میں مفاہمت اچھی ہے کوئی ایک بہو یا داماد کچھ کہہ دیتا ہے تو دو پارٹیاں بن جاتی ہیں اور یہی دو بھائی جو شیر و شکر کی طرح رہتے تھے، ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے، اور ہزاروں لاکھوں روپے عدالت میں وکیلوں کی فیسوں پر اور مختلف محکمہ کے لوگوں پر لگتے ہیں اور ایک ہی گھر کا پیسا پانی کی طرح عدالت میں بہتا ہے اور اس دوران جب تک فیصلہ نہ ہو، بعض اوقات حکومت کی طرف سے دکان، کارخانہ پر سیل لگ جاتی ہے، جس سے دونوں خاندان اچھے بھلے پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ حکمت کے ساتھ بہت ہی سنجیدہ طریقے سے اپنے بھائیوں اور والد کو راضی کر کے کاروبار میں ہر ایک کا حصہ متعین کروائے، مکان میں بھی ہر ایک کا حصہ متعین کروائے تاکہ کسی قسم کی پریشانی نہ ہونے پائے۔

۲ ہر مسلمان والد کو چاہیے کہ کتاب ''اسلام اور تربیت اولاد''، ترجمہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ضرور مطالعہ کرے۔

۳ اگر آپ کی شادی شدہ اولاد میں سے کوئی بیٹا یا بیٹی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور آپ مناسب سمجھتے ہیں تو کسی ماہر مفتی صاحب سے پوچھ کر اپنی بیوہ بہو، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے لئے، اتنے مال کی وصیت تحریری طور سے لکھ کر رکھ لیجیے، جتنا مال آپ کے انتقال کے بعد آپ کے ترکہ میں سے موجودہ ایک بیٹے یا ایک بیٹی کو ملے گا (لیکن یہ وصیت ایک تہائی یا اس سے کم کے اندر اندر ہو)۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کے انتقال کے بعد جہاں آپ کے ورثہ میں سے زندہ بیٹے بیٹیوں کو ملے

گا تو آپ کے مرحوم بیٹے اور مرحومہ بیٹی کی اولاد کو بھی آپ کی وصیت کے موافق اتنا مل جائے گا، جتنا ان بچوں کے مرحوم والد کے بھائی اور والدہ مرحومہ کی بہنوں کو ملا ہے۔ اور اگر آپ کی طرف سے وصیت موجود نہ ہو تو ان کو اس حالت میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن یہ وصیت کرنا ضروری نہیں، اگر آپ اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب سمجھتے ہوں تو یہ وصیت کر جائیں تا کہ پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، بالکل محروم نہ ہوں۔ ایسا کرنا ان شاء اللہ تعالیٰ باعث ثواب بھی ہوگا اور خاندانی محبت میں اضافہ کا ذریعہ بھی۔

بڑے بیٹے کو تجارت میں ساتھ رکھنے کی بہترین صورت

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اس بات کی بھرپور کوشش کرے کہ اس کے بڑھاپے میں یا انتقال کے بعد اس کی اولاد اور ورثاء میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ اس کے لئے ہر آدمی اپنی نوعیت اور حالات کے اعتبار سے ماہر مفتیان کرام سے اور تجربہ کار دین دار لوگوں سے مشورہ کر کے ہر کام کو انجام دے اور ہر معاملہ کو اتنا صاف رکھنے کی کوشش کرے کہ اپنی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ من جملہ ان حالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑے بیٹوں کے والد ماجد کے ساتھ تجارت میں لگنے کی شرعی صورت کیا ہونی چاہیئے؟

دارالافتاء میں بہت سے ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں کہ والد کی تھوڑی سی غفلت یا معاملات کو تحریری شکل میں نہ رکھنے کی وجہ سے یا زندگی ہی میں ماہر علماء کرام سے مشورہ نہ کرنے کی وجہ سے والد کے انتقال کے بعد پورے خاندان میں بہت سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ سگے بھائی بہنوں میں قطع رحمی کی نوبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اللہ نہ کرے، کسی مسلمان گھرانے میں یہ کیفیت پیدا ہو کہ فانی دنیا کے چند سکوں کی خاطر سگے بھائی بہنوں میں جدائی یا قطع رحمی کی نوبت آئے۔

لہٰذا اس سے بچنے کے لئے یہاں چند تدابیر لکھی جاتی ہیں، اس پر عمل سے انشاء اللہ تعالیٰ جھگڑے فساد کی نوبت نہیں آئے گی۔

۱ ہر مسلمان والد کو چاہیئے کہ بڑے بیٹے کو جس وقت تجارت میں شامل کرے تو شروع سے اس کی تنخواہ متعین کردے اور جیسے جیسے تجارت بڑھتی جائے اور بیٹا ذمہ داریاں لینا شروع کردے، ویسے ویسے اپنی گنجائش کے موافق اس کی تنخواہ میں اضافہ کرتا جائے۔ اتنی تنخواہ ضرور رکھے کہ ماہانہ ضروریات، پوری کرنے کے بعد اس کے پاس کچھ جیب خرچ اور جمع کرنے کے لئے کچھ رقم بچے۔

۲ دوسری صورت یہ ہے کہ بڑے بیٹے کو شروع سے کاروبار میں شریک بنالے...... فیصد حصہ اس کا متعین کردے، جس سے وہ خوش ہوجائے اور اس کی محنت کا اس کو صلہ بھی مل جائے اور چند سالوں بعد اس کے لئے کچھ جمع شدہ پونجی ہوجائے۔ اسی طرح جو بھی بیٹا جوان ہوتا جائے اور اس کو جب بھی کاروبار میں شامل کرے تو اس کا فیصد حصہ متعین کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان دو تدبیروں پر عمل کرنے سے باپ کی زندگی میں اور موت کے بعد وہ اشکالات پیدا نہیں ہوں گے، جن سے قطع رحمی یا اختلاف وانتشار کی نوبت آسکے۔

یاد رکھیئے! اگر یہ دو تدبیریں عمل میں نہ لائی جائیں اور شروع میں غفلت برتی جائے یا یہ سوچا جائے کہ الحمدللہ میرے بیٹوں میں آپس میں بہت محبت ہے، کوئی مسئلہ نہیں ہوگا یا ابھی تو بہت ہی چھوٹی سی دوکان ہے، معمولی سا سرمایہ ہے، اس میں کیا جھگڑا ہوگا؟ وغیرہ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ:

۱ بعض اوقات والد کے انتقال کے بعد بڑے بیٹے دوکان اور سرمایہ پر قابض ہوجاتے ہیں اور چھوٹے بھائی بہنوں کو بہت ہی جھگڑوں اور پنچایت کے بعد بہت

تھوڑا سا دیتے ہیں اور وہ بھی رُلا رُلا کر اور ٹال ٹال کر۔ اگر پنچایت فیصلہ بھی کر دے تو بھی بہانہ کرتے ہیں کہ ابھی رقم کیش میں نہیں ہے، آہستہ آہستہ ادا کریں گے۔ قسطوں میں دے دے کر اس رقم کی ویلیو بھی گر جاتی ہے اور چھوٹے بھائی بہن اپنے لئے نہ کوئی جائداد خرید سکتے ہیں، نہ تجارت میں سرمایہ لگا سکتے ہیں۔ اور والد مرحوم پر افسوس کرتے ہیں کہ کن ظالم ہاتھوں میں والد نے اپنی عمر بھر کی کمائی دے دی۔ بعض بھائی کہتے ہیں کہ بڑے بھائی تو بہت شریف تھے، لیکن بھابھی نے اور بھابھی کے گھر والوں نے بھائی کو بیوقوف بنا دیا۔ الغرض یہ ساری پریشانیاں اور اختلافات اس لئے وجود میں آئے کہ شروع سے غفلت برتی گئی یا موت کا استحضار کم رہا یا بعد پر ٹال دیا گیا۔

۲ بعض اوقات یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ بڑے بیٹے جب تقسیم کرنے بیٹھتے ہیں اور اس وقت ان کو اپنا حصہ بھی اسی قدر ملتا ہے، جتنا دوسرے چھوٹے بھائیوں کو ملتا ہے تو اس پر بڑے بیٹوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ والد مرحوم نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس لئے کہ ہم بچپن سے والد کے ساتھ دوکان پر لگ گئے، تجارت کو چمکایا، اپنی تعلیم کی قربانی دی، بہنوں کی شادیاں کروائیں، پلاٹ خریدوائے، مکان بنوایا، اب جب والد کا انتقال ہوا تو ہمیں اس میں سے اتنا ہی حصہ ملا، جتنا اس بھائی کو ملا جس نے اپنی تعلیم بھی پوری کر لی، ساری عمر بیٹھے بیٹھے کھاتا رہا اور اس کا اب تو کوئی خرچہ بھی نہیں ہے اور ہمارے تو بیٹے اس بھائی کے برابر ہو گئے۔ آخر ہمیں اپنی محنت کا کوئی صلہ بھی تو ملنا چاہیے۔ اس لئے والد صاحب شروع ہی سے ایسی ترتیب بنالیں، جس سے ایسے بڑے بیٹوں کو والد کی موت کے بعد یہ اشکال نہ ہو کہ ہمیں اپنی محنت کا کوئی صلہ نہ ملا، اور چھوٹے بھائیوں کو یہ اشکال نہ ہوگا کہ ہم دنیا میں دیر سے آئے، اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ والد مرحوم نے تجارت کی باگ ڈور اس طرح بڑے بھائیوں کے حوالہ کر دی کہ ہمیں کچھ بھی نہیں ملا۔ کوئی لکھت پڑھت یا تحریری

کاروائی نہیں چھوڑی، جس سے ہمیں اپنا جائز حق وصول ہو جاتا۔

لہٰذا ہم والد کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ اپنے تمام حالات ماہر علمائے کرام اور تجربہ کار مفتی حضرات کی خدمت میں پیش کر کے ان سے مکمل رہنمائی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی زندگی اور موت دین کے مطابق فرمائے۔

ملازمت کرنے والے والد سے گزارش

ملازم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ جہاں بھی ملازمت کر رہے ہوں، اس کو حلال اور پاکیزہ بنانے کی کوشش فرمائیں۔ جو آپ نے ادارہ یا کمپنی سے معاہدہ کیا ہے، وہ کام پورا کریں۔ اوقات میں کمی کوتاہی نہ کریں، کسی قسم کی بھی خیانت نہ ہو۔ آپ نے یومیہ آٹھ گھنٹہ کی بات کی ہے تو آدھا گھنٹہ/ پندرہ منٹ روزانہ کے ضائع نہ کریں، یا دیر سے نہ پہنچیں۔

امانت کے ساتھ پورا وقت دیں گے تو تھوڑی تنخواہ میں بھی آپ برکت پائیں گے، اور پاکیزہ رزق جب بیوی بچوں کے پیٹ میں جائے گا تو وہ بھی ان کے نیک اور صالح بننے کا ذریعہ بنے گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے والد غلام تھے۔ اپنے مالک کے باغ میں کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مالک باغ میں آیا اور کہا: ''میٹھا انار لایئے۔'' مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ایک درخت سے انار کا دانہ توڑ کر لائے۔ مالک نے چکھا تو کھٹا تھا۔ اس کی تیوری پر بل آئے، کہا: ''میں میٹھا انار مانگ رہا ہوں، تم کھٹا لائے ہو۔'' مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جا کر دوسرے درخت سے انار لائے، مالک نے کھا کر دیکھا تو وہ بھی کھٹا تھا۔ غصہ ہوئے، کہنے لگے: ''میں نے تم سے میٹھا انار مانگا ہے اور تم جا کر کھٹا لے آئے ہو۔'' مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ گئے اور ایک تیسرے درخت سے انار لے کر آئے، اتفاقاً وہ بھی کھٹا تھا۔ مالک کو غصہ بھی آیا اور تعجب بھی ہوا۔ پوچھا: ''تمہیں

ابھی تک میٹھے کھٹے کی تمیز اور پہچان نہیں؟''...... مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ''میٹھے کھٹے کی پہچان کھا کر ہی ہو سکتا ہے اور میں نے اس باغ کے کسی درخت سے کبھی کوئی انار نہیں کھایا'' ...... مالک نے پوچھا: ''کیوں؟'' ...... مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس لئے کہ آپ نے باغ سے کھانے کی اجازت نہیں دی ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر میرے لئے کسی انار کا کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے'' ...... یہ بات مالک کے دل میں گھر کر گئی اور تھی بھی یہ گھر کرنے والی بات! تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعۃً مبارک نے کبھی کسی درخت سے کوئی انار نہیں کھایا۔ مالک اپنے غلام مبارک کی اس عظیم دیانت داری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کرایا۔ اسی بیٹی سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کو اللہ جل شانہ نے علمائے اسلام میں جو مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج تعارف نہیں۔[1]

ملازم حضرات، چاہے وہ اپنے ملک میں ملازمت کر رہے ہوں یا بیرون ملک، ان سے گزارش ہے کہ اپنی تنخواہ کے وہ خود مالک ہیں، کسی کو بھی دیتے ہوئے وہ اس کی وضاحت ضرور کریں کہ وہ ہدیہ ہے یا امانت ہے یا شراکت یا مضاربت کے طور پر دی گئی ہے۔

اس وضاحت نہ کرنے کی وجہ سے یہ معاملہ بعد میں بہت پریشان کن مراحل تک پہنچ جاتا ہے۔ والد کی موت کے بعد دارالافتاء میں جو مسائل آتے ہیں اور سگے بھائی جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا گریبان پکڑتے ہیں اور خاندان بھر میں بدنامی ہوتی ہے، اس کا تصور بھی تنخواہ دیتے وقت نہیں ہوتا۔

شریعت نے ہمیں ہر معاملہ میں صاف گوئی، تکلف سے پرہیز، ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم اس طریقے سے دی ہے کہ کوئی پریشانی، جھگڑے یا قطع رحمی

---

[1] وفیات الاعیان: ج ۳ ص ۳۲، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ص ۱۹۱

کی نوبت نہ آئے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو اس میں ہمت سے کام لینا چاہیے اور یہ سوچ کہ گھر والے کیا کہیں گے؟ والد کیا کہیں گے؟ اقرباء کیا کہیں گے؟ ان سب سوچوں کو ہٹا کر یہ سوچیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ اس طرح وضاحت کرنے سے ممکن ہے تھوڑے دنوں تک گھر والے ناراض ہوں گے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ ان کو ضرور راضی کردیں گے، اور وہ اس صاف گوئی اور شریعت کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہونے والے فوائد پر خوش ہوں گے۔ اس لئے:

۱ آپ اپنی تنخواہ کا جتنا حصہ اپنے والد محترم کو یا والدہ محترمہ کو دے رہے ہیں اور یہ رقم وہ اپنے ذاتی استعمال میں لا رہے ہیں تو اسے آپ ہدیہ سمجھ کر دیجیے۔ اس کی واپسی کی والدین سے امید نہ رکھیں، نہ چھوٹے بھائی بہنوں پر اس کا احسان جتلایئے، بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر ان کے ساتھ حسن سلوک کیجیے، اور کوشش کیجیے کہ اتنا چھپا کر دیں کہ آپ کے بیوی بچوں اور دوسرے بہن بھائیوں کو بھی پتہ نہ چلے کہ آپ نے کتنا دیا۔

۲ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی بہنوں کی شادی کے سلسلہ میں جو رقم دیں، وہ بھی ہدیہ کی صورت میں دیں اور صرف اتنی دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق سادگی سے آپ کی بہنوں کی شادی کرانے میں کافی ہو۔ اس میں عورتوں کی ماننے کے بجائے خود اپنے حالات سامنے رکھتے ہوئے سادگی سے شادی کروائیں۔

یہ دونوں صورتیں تو اس وقت ہیں، جب گھر میں غربت زیادہ ہے اور تنخواہ صرف ضروری امور پر خرچ ہوجاتی ہے۔

۳ تیسری صورت یہ ہے کہ آپ کے والد کی چھوٹی سی دوکان ہے اور آپ جو تنخواہ بھیج رہے ہیں، وہ ساری دکان پر لگ رہی ہے۔ اس صورت میں آپ خود یہ وضاحت کریں کہ یہ میں جو تنخواہ بھیج رہا ہوں، یہ ہدیہ ہے...... یا قرض ہے...... یا

میں دوکان میں شریک ہوں اور جب کاروبار ٹھیک ہو جائے گا...... تو اتنا فیصد نفع مجھے ملے گا۔

وضاحت نہ کرنے کے نقصانات

ایک بھائی گھر سے دور بیرون ملک یا دوسرے شہر یا اپنے ہی شہر میں محنت کر کے خود قناعت کر کے والد کو پیسہ بھیجتا ہے، اور اسی کے بھیجے ہوئے پیسوں سے کاروبار چمکتا ہے۔ اب والد کے انتقال کے بعد دوسرے بھائی اس کو ورثہ دینے کے لئے تیار نہیں یا تیار ہیں تو اس طرح کہ خود انہوں نے اپنے کاروبار یا اپنی ملازمتیں یا اپنا فلیٹ بنا لیا اور اب والد کا وہ مکان یا دکان، جو اسی بھائی کے پیسہ سے بنی ہے، اسی میں سے ایک حصہ جو اس کا بن رہا ہے، وہ دے رہے ہیں، اور اپنا حصہ بھی پورا پورا لے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خود اسی بھائی کی بھیجی ہوئی کمائی سے اس قابل ہوئے کہ خود اپنے حالات کے کفیل ہوئے۔ اور اب اس بھائی کو (جس نے عمر بھر بیرون ملک ملازمت کر کے یا تجارت کر کے اپنی جمع شدہ پونجی بھیجی) جو حصہ مل رہا ہے، وہ اتنا نہیں جس سے وہ اپنا مکان لے سکے یا اپنا کاروبار چلا سکے۔ لہٰذا اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں کہ یہ تنخواہ یا کاروبار کی آمدنی جو والد کو بھیج رہے ہیں، وہ ہدیہ یا قرض یا امانت ہے، تا کہ آپ کا انتقال ہو جائے تو آپ کے بیوی بچے آپ کے والد سے قرض یا امانت وصول کر سکیں۔ اور آپ کے والد کا انتقال ہو جائے تو آپ کو اپنی رقم مل سکے۔ اور اگر آپ کی بھیجی ہوئی رقم بہن بھائیوں کی شادیوں پر، فضول رسموں اور لغویات پر خرچ ہوتی ہے یا مکان کی تزئین اور فضول عمارتوں پر لگتی ہے اور گناہ کے کاموں میں خرچ ہوتی ہے تو بالکل نہ بھیجیں۔ تا کہ ان گناہوں میں آپ شامل نہ ہوں اور اگر بھیجیں بھی تو بہر حال اپنی تنخواہ سے ضرور اپنے لئے اتنا بچا کر رکھیئے کہ جب نوکری چھوٹے یا کمانے کی عمر نہ رہے تو اس وقت کام آئے اور کسی

کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اسی طرح ملازمت کے دوران ہی بیوی بچوں کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ رقم جمع کر کے رکھیئے۔ چاہے کچھ جائیداد ہو، چاہے نقدی جمع کریں کہ اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو بیوی بچے آپ کے بھائیوں یا ساس سسر پر بوجھ نہ بنیں۔

④ چوتھی صورت یہ ہے کہ والد اور بھائی برسر روزگار ہیں۔ والد نے اپنی جمع شدہ پونجی سے ایک پلاٹ خریدا، اب تعمیر کے لئے پیسہ نہیں ہے۔ صرف دو بھائی جو باہر ہیں وہ تعمیر کے لئے پیسہ بھیج رہے ہیں، تو وہ وضاحت سے تحریری طور پر دستخطوں کے ساتھ معاہدہ کرلیں کہ یہ ہماری طرف سے قرض ہے اور والد کے انتقال کے بعد اگر یہ مکان تقسیم ہوا تو پلاٹ کی قیمت میں تو میراث جاری ہوگی، لیکن مکان میں لگائی ہوئی رقم کے تناسب سے تعمیر ہماری ہوگی۔ اس کا ایک فائدہ اس وقت ہوگا، جب بھائی بہنوں کو مکان مل جائے گا اور اپنے اپنے حصہ میں سب خوش ہوں گے۔ اس وقت آپ کے پاس گنجائش ہو تو آپ یہ تعمیر بھائیوں کو ہدیہ بھی کر سکتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان چھوٹے بھائیوں کو ان کی بیویوں کے ذریعے یا کسی اور ذریعہ سے ورغلا نہیں سکے گا کہ بڑے بھائیوں کو ہٹوا دو۔ باپ کے ساتھ ہم نے محنت کر کے بنایا ہے اور بڑے بھائی تو باہر مزے کرتے رہے۔ ہم نے یہاں محنت کی اور بڑے بھائیوں نے لاکھوں یا ہزاروں میں بھیجا ہے تو ہم نے بھی تو سینکڑوں لگا کر تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ لہٰذا ان کو بیچ میں سے کک آؤٹ کرو۔

ایک ضروری گزارش

جب بھی کسی مکان یا دکان کا سودا یا تعمیر وغیرہ کا سلسلہ ہو، والد کریں یا بڑے بھائی کریں، پیسہ اپنا ہو یا قرض لیں، کچھ بھائی یہاں پیسہ لگا رہے ہوں، کچھ بھائی باہر سے بھیج رہے ہوں، ان تمام صورتوں میں گھر کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ

اپنے بڑے کو اس پر آمادہ کریں کہ شرعاً ہمیں یہ حکم ہے کہ تحریری طور پر وضاحت کے ساتھ یہ بات لکھیں۔ اس پر خاندان کے دو بڑے بزرگوں کو گواہ بنائیں کہ مثلاً یہ مکان جو بن رہا ہے، کس کا ہے؟ کون سے بھائی اس میں شریک ہیں؟ کیا میرا بھی اس میں حصہ ہوگا؟ اور بہنوں کو جو جہیز میں یا سونے کی شکل میں شادی کے وقت دیا گیا ہے، کیا اس سے ان کے مکان کا حصہ ادا ہوگیا؟ اب اس مکان میں ہم کتنے بھائی شریک ہوں گے؟ کیا جس بھائی نے والد ہی کے پیسے اور کچھ اپنے پیسے ملا کر اپنا مکان بنا لیا ہے، وہ الگ ہو جائے گا؟ کیا تایا بھی اس میں شریک ہوں گے؟ وغیرہ۔

کتنے بھائی اس میں شریک ہوں گے؟ یہ سب تحریری طور سے لکھوا کر مفتی حضرات سے پوچھ لیں۔

یاد رکھیے! ہر مسلمان کو چاہیے کہ بیوی بچوں کی محبت میں بھائی بہنوں کو، والدین کو محروم نہ کریں، اور والدین اور بھائی بہنوں کی محبت میں بیوی بچوں کو محروم نہ رکھیں، ہر ایک کو اپنا حق ضرور دیجیے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان بہن بھائیوں میں محبت پیدا فرمائے۔ مرتے دم تک دلوں میں کینہ، بغض، حسد پیدا ہونے سے حفاظت فرمائے۔ ہر وہ کام جس کے ذریعہ سے بھائی بہنوں میں جھگڑا ہو اس سے حفاظت فرمائے، آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْن.

مثالی والد ایک نظر میں

1. اولاد کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام سمجھیے، ان کی پیدائش پر خوشی منائیے، ایک دوسرے کو مبارک باد دیجیے، خیر و برکت کے ساتھ استقبال کیجیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو اپنے ایک مسلمان بندے کی پرورش کی توفیق بخشی، اور یہ موقع فراہم فرمایا کہ آپ اپنے پیچھے اپنے دین و دنیا کا جانشین چھوڑ

جائیں، اور مسلمانوں کی آبادی میں ایک مسلمان داعی اور خادم دین کے اضافے کا ذریعہ بنیں۔

۲ اولاد نہ ہو تو اللہ جل جلالہ سے صالح اولاد کے لئے دعا کیجیے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے صالح اولاد کے لئے دعا فرمائی:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ [1]

ترجمہ: "میرے رب! تو اپنے پاس سے مجھے پاکباز اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔"

۳ اولاد کی پیدائش پر کبھی تنگ دل نہ ہوں، معاشی تنگی یا صحت کی خرابی یا کسی اور وجہ سے اولاد کی پیدائش پر کڑھنے یا اس کو اپنے حق میں ایک مصیبت سمجھنے یا ایسے بول بولنے یا کوسنے، طعنے دینے وغیرہ ...... سے سختی کے ساتھ پرہیز کیجیے۔

۴ ولادت کے بعد نہلا دھلا کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیئے۔ پیدا ہوتے ہی بچے کے کان میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پہنچانے میں بڑی حکمت ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "تحفۃ الودود" میں فرماتے ہیں:

"انسان کے کان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی آواز پہنچے۔ اور جس شہادت کو وہ شعوری طور پر ادا کرنے کے بعد داخل اسلام ہوگا، اس کی تلقین پیدائش کے دن ہی سے کی جائے گی، جس طرح مرنے کے وقت اس کو کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔ اذان اور اقامت کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ شیطان جو گھات میں بیٹھا ہوتا ہے

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ۳۸

اور چاہتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی انسان کو آزمائش میں مبتلا کرے، اذان سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اور شیطان کی دعوت سے پہلے بچے کو اسلام اور عبادت الٰہی کی دعوت دی جاتی ہے۔"

۵ اگر ممکن ہو تو اذان و اقامت کے بعد کسی نیک مرد یا عورت سے کھجور یا کوئی اور میٹھی چیز چبوا کر بچے کے تالو میں لگوائیے اور بچے کے لئے خیر و برکت کی دعا کرائیے۔

۶ بچے کے لئے اچھا سا نام تجویز کیجیے، جو پیغمبروں کے نام پر ہو، صحابہ کرام و صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام پر ہو یا اللہ تعالیٰ کے نام سے پہلے عبد لگا کر ترتیب دیا گیا ہو۔ جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ۔

۷ اگر کبھی لاعلمی میں غلط نام رکھ دیا ہو تو اس کو بدل کر اچھا نام رکھ دیجیے۔

۸ ساتویں دن عقیقہ کیجیے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا کیجیے، لیکن لڑکے کی طرف سے دو بکرے کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک بکرا بھی کر سکتے ہیں اور بچے کے بال منڈوا کر اس کے برابر سونا یا چاندی خیرات کیجیے۔

۹ لڑکے کی ساتویں دن ختنہ بھی کرا دیجیے۔ لیکن کسی وجہ سے نہ کرا سکیں تو سات سال کی عمر کے اندر اندر ضرور کرا دیں۔ ختنہ اسلامی شعار ہے۔

۱۰ جب بچہ بولنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ "لا الہ اِلا اللّٰہ" سکھایئے۔

۱۱ بچے کو ماں کا دودھ بھی پلوایئے۔ ماں پر بچے کا یہ حق ہے۔ قرآن نے اولاد کو ماں کا یہی احسان یاد دلا کر ماں کے ساتھ غیر معمولی حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ جو ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے، اس بچے کے دل میں ماں کی محبت، فطری طور پر بڑھتی رہتی ہے اور اکثر ایسے بچے ماں کے فرمانبردار بھی ہوتے ہیں اور ایسی ماؤں کو اپنے بچوں سے بہت کم شکایت ہوتی ہے۔ اس طرح ماں کا فرض

یہ ہے کہ وہ بچے کو اپنے دودھ کے ایک ایک قطرے کے ساتھ توحید کا درس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق اور دین کی محبت بھی پلائے اور اس محبت کو اس کے قلب و روح میں بسانے کی کوشش کرے۔ لہٰذا اس کے لئے آپ کوشش کیجیے اور بچے کی ماں سے ہر طرح کا تعاون کیجیے۔ پرورش کی ذمہ داری ماں پر ڈال کر اپنا بوجھ ہلکا نہ کیجیے، بلکہ اس خوشگوار دینی فریضے کو خود انجام دے کر روحانی سکون اور سرور محسوس کیجیے۔ حتی الامکان بچوں کے لئے تعویذ سے بچیے۔ تعویذ کے بجائے بچوں کو دعائیں یاد کروائیے۔ خود ان پر دم کیجیے۔ منزل پڑھنے اور بچوں کو منزل میں درج شدہ آیات یاد کروانے کا اہتمام کیجیے۔

۱۲ بچوں کو ڈرانے سے پرہیز کیجیے۔ ابتدائی عمر کا یہ ڈر ساری عمر دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے، اور ایسے بچے بالعموم زندگی میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کے لائق نہیں رہتے۔ اسی طرح بھوک کی حالت میں بچے کو زبردستی کوئی حکم نہ دیجیے۔

۱۳ اولاد کو بات بات پر ڈانٹنے، جھڑکنے اور برا بھلا کہنے سے سختی کے ساتھ پرہیز کیجیے اور ان کی کوتاہیوں پر بیزار ہونے اور نفرت کا اظہار کرنے کے بجائے حکمت وسوز کے ساتھ ان کی تربیت کرنے کی محبت آمیز کوشش کیجیے، اور اپنے طرز عمل سے بچوں کے ذہن پر یہ خوف بہرحال غالب رکھیے کہ ان کی کوئی خلاف شرع بات آپ ہرگز برداشت نہ کریں گے۔

۱۴ اولاد کے ساتھ ہمیشہ، شفقت، محبت، نرمی کا برتاؤ کیجیے۔ اور حسب ضرورت و حیثیت ان کی ضروریات پوری کر کے ان کو خوش رکھیے اور اطاعت و فرمانبرداری کے جذبات کو ابھاریئے۔ بچوں سے کیا، کب، کیسے کے سوالات سے بچیے۔ ''ایسا کیوں کیا؟ مجھے سمجھ نہیں پڑتی'' اس طرح ڈانٹنے کے بجائے مثبت پہلو سے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دیتے ہوئے سمجھائیے کہ بیٹا! ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا وغیرہ۔

۱۵ چھوٹے بچوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیریے، بچوں کو گود میں لیجیے، پیار کیجیے اور ان کے ساتھ خوش طبعی کا سلوک کیجیے۔ ہر وقت تند خو اور سخت گیر حاکم نہ بنے رہیے۔ اس طرز عمل سے بچوں کے دل میں والدین کے لئے والہانہ جذبہ محبت بھی پیدا نہیں ہوتا اور ان کی فطری نشو ونما پر بھی خوشگوار اثر نہیں پڑتا۔

۱۶ اولاد کو پاکیزہ تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کے لئے اپنی ساری کوشش وقف کر دیجیے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیجیے۔ یہ آپ کی دینی ذمہ داری بھی ہے اور اولاد کے ساتھ عظیم احسان بھی اور اپنی ذات کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی بھی۔

۱۷ بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز سکھایئے۔ نماز پڑھنے کی تلقین کیجیے۔ ماں کے ساتھ نماز پڑھوایئے اور بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے جا کر ان میں شوق پیدا کروایئے۔ اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں کوتاہی کریں تو انہیں مناسب سزا بھی دیجیے اور اپنے قول وعمل سے ان پر واضح کر دیجیے کہ نماز کی کوتاہی کو آپ برداشت نہ کریں گے۔

۱۸ بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر الگ کر دیجیے اور ہر ایک کو الگ الگ چارپائی پر سلایئے۔

۱۹ بچوں کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھیے۔ ان کی طہارت، نظافت اور غسل وغیرہ کا خیال رکھیے۔ کپڑے بھی پاک صاف رکھیے، البتہ زیادہ بناؤ سنگھار اور نمود و نمائش سے پرہیز کروایئے۔ لڑکی کے کپڑے بھی نہایت سادہ رکھیے اور زرق برق لباس پہنا کر بچوں کے مزاج خراب نہ کیجیے۔

۲۰ دوسروں کے سامنے بچوں کے عیب نہ بیان کیجیے اور کسی کے سامنے ان کو شرمندہ کرنے اور ان کی عزت نفس کو ٹھیس لگانے سے بھی سختی کے ساتھ پرہیز

کیجیے۔ اسی طرح ایک بچے کی غلطی پر سب بچوں کو نہ ڈانٹیں، بلکہ جس کی غلطی ہے اس کو علیحدگی میں سمجھا دیجیے یا مناسب تنبیہ کیجیے۔

۴۱ بچوں کے سامنے کبھی بچوں کی اصلاح سے مایوسی کا اظہار نہ کیجیے، بلکہ ان کی ہمت بڑھانے کے لئے ان کی معمولی اچھائیوں کی بھی دل کھول کر تعریف کیجیے۔ ہمیشہ ان کا دل بڑھانے اور ان میں خود اعتمادی اور حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔

۴۲ بچوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے، کہ انہوں نے کافروں کو کس طرح اسلام کی دعوت دی، کافروں کو اسلام میں لانے کے لئے کس اخلاق کا مظاہرہ کیا، صالحین کے واقعات اور صحابہ کرام کے مجاہدانہ کارنامے ضرور سناتے رہیے۔ تربیت و تہذیب، کردار سازی اور دین سے شغف کے لئے اس کو انتہائی ضروری سمجھیے اور ہزار مصروفیتوں کے باوجود اس کے لئے وقت نکالیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور تمام مسلمان والدین کی بھرپور مدد فرمائے۔ واقعات کی کتابوں کے نام اسی کتاب میں موجود ہیں۔

۴۳ کبھی کبھی بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کچھ کھانا پیسے وغیرہ بھی دلوایئے تاکہ ان میں غریبوں کے ساتھ سلوک اور سخاوت و خیرات کا جذبہ پیدا ہو۔ اور کبھی کبھی یہ موقع بھی فراہم کیجیے کہ کھانے پینے کی چیزیں بہن بھائیوں میں خود ہی تقسیم کریں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا احساس اور انصاف کی عادت پیدا ہو۔

۴۴ بچوں کی ہر جا و بے جا ضد پوری نہ کیجیے، بلکہ حکمت کے ساتھ ان کی یہ عادت چھڑوانے کی کوشش کیجیے۔ کبھی کبھی مناسب سختی بھی کیجیے، بے جا لاڈ پیار سے ان کو ضدی خودسر نہ بنایئے۔

۴۵ کرخت آواز سے بولنے اور گلا پھاڑ کر چیخنے چلانے سے خود بھی پرہیز کیجیے اور

ان کو بھی تاکید کیجیے کہ درمیانی آواز میں نرمی کے ساتھ گفتگو کریں اور آپس میں بھی ایک دوسرے پر چیخنے چلانے سے سختی کے ساتھ بچیں۔

۲۶ بچوں کی عادت ڈالیئے کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں۔ ہر کام میں دوسروں کا سہارا نہ لیں۔

۲۷ بچوں میں باہم لڑائی ہو جائے تو اپنے بچے کی بے جا حمایت نہ کیجیے۔ یہ خیال رکھیئے کہ اپنے بچے کے لئے آپ کے سینے میں جو جذبات ہیں، وہی جذبات دوسروں کے سینے میں اپنے بچوں کے لئے بھی ہیں۔ اسی طرح بھائیوں کے بچوں اور پڑوسیوں کے بچوں کی شکایت بیوی سے ہرگز نہ سنیئے۔

۲۸ اولاد کے ساتھ ہمیشہ برابری کا سلوک کیجیے اور اس معاملہ میں بے اعتدالی سے بچنے کی پوری کوشش کیجیے۔ اگر طبعاً کسی ایک بچے کی طرف زیادہ میلان ہو تو معذوری ہے، لیکن سلوک و برتاؤ اور لین دین میں ہمیشہ انصاف اور مساوات کا لحاظ رکھیئے۔

۲۹ بچوں کے سامنے ہمیشہ اچھا عملی نمونہ پیش کیجیے۔ آپ کی زندگی ان کے لئے ایک ہمہ وقتی خاموشی معلم ہے، جس سے بچے ہر وقت پڑھتے اور سیکھتے رہتے ہیں۔ بچوں کے سامنے کبھی مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولیئے۔

۳۰ لڑکی کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوشی منایئے، جس طرح لڑکے کی پیدائش پر مناتے ہیں۔ لڑکی ہو یا لڑکا، دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا عطیہ ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ آپ کے حق میں لڑکی اچھی ہے یا لڑکا۔

۳۱ لڑکیوں کی تربیت و پرورش انتہائی خوش دلی، روحانی مسرت اور دینی احساس کے ساتھ کیجیے۔ اور اس کے صلے میں خدا سے بہشت بریں کی آرزو کیجیے۔

۳۲ لڑکی کو حقیر نہ جانیئے، نہ لڑکے کو اس پر کسی معاملہ میں ترجیح دیجیے۔ دونوں کے

ساتھ یکساں محبت کا اظہار کیجیے اور یکساں سلوک کیجیے۔

۴۳ جائیداد میں لڑکی کا مقررہ حصہ پوری خوش دلی اور اہتمام کے ساتھ دیجیے۔ اور اپنے بعد وصیت بھی کر جائیں کہ بیٹیوں کو محروم نہ کیا جائے، اور اس کے لئے کتاب "طریقہ وصیت" اور کتاب "احکام میت" کا ضرور مطالعہ کریں۔

۴۴ مثالی والد وہ ہوتا ہے جو بچوں کے دلوں میں اپنی بیوی یعنی بچوں کی والدہ کی خوب عزت وعظمت بٹھائے۔

۴۵ اسی طرح مثالی والد وہ ہوتا ہے جو بچوں کے سامنے بیوی سے بحث ومباحثہ یا تو تو، میں میں کسی حال میں بھی نہ کرے، بلکہ بیوی کی ناگوار سے ناگوار بات پر بچوں کے سامنے صبر کر لیتا ہے، پھر اکیلے میں بیوی کو سمجھاتا ہے کہ بات یوں تھی، مگر بچوں کی تربیت کی خاطر چپ رہا۔ اسی طرح بیوی اور بچوں کو گھر آتے ہی کوئی غم کی خبر یا سوالات کی بوچھاڑ، یا ان کی کسی کمی کوتاہی پر تنبیہ کرنے کے بجائے، ان کے سلام کا جواب دے کر ٹھنڈا پانی وغیرہ پی کر خوب اطمینان سے ان کو سمجھاتا ہے۔

۴۶ مثالی والد وہ ہوتا ہے جو دو بچوں کے درمیان اتنا مناسب وقفہ کرنے کی کوشش کرے کہ ایک بچہ مکمل شرعی مدت تک ماں کا دودھ پیئے اور پھر سنبھلا ہوا ہو جائے اور ماں بھی کھوئی ہوئی کمزوری (جو بچہ کے پیدا ہونے اور دودھ پلانے سے ہوئی تھی) پر قابو پالے اور بہت ننھے منے بچے کے جھمیلے سے اس کی گردن چھوٹے، تاکہ دونوں بچوں کی تربیت ونگہداشت صحیح طرح ہو سکے اور ہر بچے پر انفرادی توجہ دی جا سکے۔ زچگی و رضاعت کا ضعف دور ہو سکے۔ موجودہ شیر خوار بچے کے دودھ پر دوسرا حمل ٹھہر جانے کی وجہ سے ضعف کا اثر نہ پڑے۔

۴۷ مثالی والد اپنی بیوی کی ماں اور خود اپنی ماں کا اتنا عزت واحترام کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل سے راضی ہو کر اس کے بچوں میں بھی وہی شرافت اور دین

حمیت اور والدین کا احترام پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ جو خود اپنی بیوی کے والدین کے لئے اور اپنے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنتا ہے۔ تو اس کی اولاد بھی اس کے لئے اسی طرح آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہے۔

۳۸ مثالی والد وہ ہوتا ہے جو خود بھی اس کتاب میں دی ہوئی ہدایتوں پر عمل کرے اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں میں بھی ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرے، اور زیادہ سے زیادہ مسلمان بھائیوں کو ''تحفہ دولہا''، ''فضائل اعمال'' اور ''فضائل صدقات'' جیسی کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دے اور شوق دلوائے۔ اسی طرح اس کتاب کی ترتیب دینے والے اور اس میں ہر قسم کے تعاون کرنے والوں کے لئے اور دین کی محنت کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے خوب خوب دعائیں کرے۔

۳۹ دو مختلف المزاج، بلکہ ضد المزاج بہوؤں کو ایک ساتھ نہ رکھیں، کوشش کریں کہ دو بیٹوں کی شادی بھی ایک ساتھ نہ ہو اور اگر کرنا ہی ہو تو شادی کے بعد الگ الگ رہیں۔ اس میں بہت سے فوائد اور بہت سی مصلحتیں ہیں، اس کیلئے کتاب ''تحفہ دولہا'' کے اندر دولہا کے والد اور والدہ کو نصیحت کا باب ملاحظہ فرمائیں۔

۴۰ سات سال کی عمر سے بچی کی تربیت اس طرح کریں کہ وہ کسی مرد سے مصافحہ نہ کرے اور باہر جائے تو سر اس طرح ڈھک کر رکھے کہ کوئی بال کھلا نہ رہے اور اسی طرح بچپن سے شلوار کرتا پہنانے کا اہتمام کروائے تا کہ ٹانگیں کھلی نہ رہیں۔

۴۱ ان تمام عملی تدبیروں کے ساتھ ساتھ نہایت سوز اور دل کی لگن کے ساتھ اولاد کے حق میں دعا بھی کرتے رہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے خود بھی بچیے اور اُن کو بھی بچاتے رہیئے۔ خدائے رحمٰن و رحیم سے امید ہے کہ وہ والدین کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پر سوز دعائیں کبھی ضائع نہ فرمائیں گے۔

امتحانی پرچہ

محترم والد صاحب..........

مندرجہ ذیل سوالات کو غور سے پڑھیے اور سوال کو کم از کم تین بار تو ضرور پڑھیئے۔ پھر ٹھنڈے دل و دماغ سے اچھی طرح سوچ سمجھ کر صحیح صحیح اور بالکل انصاف کے ساتھ جواب دیجیے، اگر آپ کا پورا جواب ''جی ہاں'' میں ہے تو آپ دس نمبروں کے مستحق ہیں۔ لہٰذا نمبر والے خانے میں دس نمبر لگا لیجیے، اور اگر کسی سوال کا آدھا جواب ''جی ہاں'' اور آدھا ''جی نہیں'' میں ہے تو اس نمبر والے خانے میں پانچ نمبر لگا لیجیے، اگر خدانخواستہ کسی سوال کا جواب ''جی نہیں'' میں ہے تو آپ اس سوال میں صفر کے مستحق ہیں، لہٰذا نمبر کے خانے میں صفر لگائیے۔ اس طرح اگر آپ کے کل نمبرات سو ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثالی والد بنایا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ آپ کے نمبرات سو سے کم ہیں تو اس کے لئے دعاؤں کے ساتھ ساتھ فکر اور کوشش کیجیے کہ یہ کمی دور ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو مثالی والد بنائے، اب ذرا سوالات کی طرف آیئے۔

سوال نمبر ۱: کیا آپ نے نکاح کرتے وقت اپنے لئے نیک، دیندار اور وفا شعار بیوی اور بچوں کے لئے ایک مثالی ماں کا انتخاب کیا ہے؟ یا اگر اس وقت آپ کو ان باتوں کا خیال نہیں رہا تو کیا اب آپ اپنی اہلیہ کو نیک اور دیندار اور مثالی بنانے کی فکر کرتے ہیں؟

جواب:.......... **نمبر:**..........

سوال نمبر ۲: کیا آپ اپنے لئے طلب اولاد کی دعا کرتے ہیں اور اولاد

کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اولاد کی قدر کرتے ہیں؟ اور شکر اور قدر کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان پر شفقت اور ان کی دینی تربیت کی پوری پوری فکر کرتے ہیں؟ نیز اولاد کو ماں کا دودھ پلواتے ہیں؟

جواب: .... نمبر: ....

سوال نمبر ۳: کیا آپ فجر کے وقت پہلے اٹھ کر اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی بیوی اور بڑے بچوں کو نہایت پیار و محبت سے اور ترغیب کے ساتھ نماز کے لئے اٹھاتے ہیں؟ اور بڑے بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے جا کر جماعت کے ساتھ تکبیر اولیٰ میں شریک ہوتے ہیں؟ اور بیوی اور بڑی بچیوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں؟ نیز بیوی اور بچوں کے لئے خوب خوب دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں؟

جواب: .... نمبر: ....

سوال نمبر ۴: آپ اولاد کے ساتھ خصوصاً لڑکے اور لڑکیوں کے مابین برابری کا سلوک کرتے ہیں؟ کیا لڑکیوں کی پیدائش پر بھی آپ اسی خوشی کا اظہار کرتے ہیں، جو لڑکے کی پیدائش پر کرتے ہیں؟ نیز بچوں کے کسی اچھے کام پر ان کی خوب خوب تعریف کرتے ہیں؟ تاکہ ان کا اعتماد بڑھے اور ان میں مزید اچھے کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہو۔

ذہین اور غبی بچوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دونوں کی برابر حوصلہ افزائی کرتے ہیں؟

جواب: .... نمبر: ....

سوال نمبر ۵: کیا آپ بچوں کے ساتھ پیار، محبت، شفقت اور نرمی کے ساتھ اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں؟ اور بچے کی کسی نادانستہ غلطی پر آپ

بچے کو اس کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے نرمی سے سمجھانے کے بعد پیار سے تنبیہ کرتے ہیں؟ اور ایسے مثبت تدابیر اختیار کرتے ہیں کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو؟ اور کسی ایسی غلطی پر، جس کے کرنے پر آپ نے سزا کی دھمکی دی ہو، سزا دیتے ہیں تاکہ بچے کے دل میں آپ کا رعب رہے؟ اسی طرح بچوں کے دل میں ان کی والدہ کی اہمیت اور رعب بٹھانے کے لئے آپ ان کے سامنے ان کی والدہ کی تعریف کرتے ہیں؟

جواب: .... نمبر: ....

سوال نمبر ۶: کیا آپ اپنے بچوں کی نگہداشت، ان کی صفائی ستھرائی، ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے ہیں؟ انہیں صبح کا ناشتہ اپنے سامنے کرواتے ہیں؟ ان کے اسکول و مدرسہ وغیرہ کی تیاری میں ان کی والدہ کی مدد کرتے ہیں؟ اسلامی آداب اور دعائیں ان کو یاد کراتے ہیں؟ ان کے اندر عالم اور عالمہ بننے کا شوق پیدا کرتے ہیں؟

جواب: .... نمبر: ....

سوال نمبر ۷: آپ اولاد کے خلاف کسی کی شکایت پر سب کے سامنے انہیں برا بھلا کہنے اور ذلیل کرنے سے بچتے ہیں؟ اور خدانخواستہ مارنے پیٹنے کے بجائے اپنے بچوں سے تحقیق کرتے ہیں؟ نیز غلطی ثابت ہونے پر تنہائی میں نہایت پیار و محبت اور نرمی سے سمجھاتے ہیں تاکہ اس کی عزت نفس مجروح نہ ہو؟ اسی طرح آپ کی اولاد یا بیوی کی جانب سے کسی کے خلاف شکایت پر آپ ٹھنڈے دل سے اس بات اور شکایت کی تحقیق کرتے ہیں، تاکہ کوئی ایسا امر پیش نہ آئے جس پر بعد میں پشیمانی ہو؟

جواب: .... نمبر: ....

سوال نمبر ۸: اس خوف کے تحت کہ اس زمانہ میں دیورانیوں اور جیٹھانیوں کے ساتھ رہنے سے کئی گھریلو مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اس سے بچنے کے لئے آپ بچوں کی شادی کے بعد حتی الامکان ہر بہو کا باورچی خانہ الگ رکھتے ہیں؟ اسی طرح ساس بہو کے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے جو جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں، نیز آپ جس سلوک کے اپنی اولاد سے خواہشمند ہیں، کیا وہی سلوک آپ اپنے والدین کے ساتھ کرتے ہیں؟ والد کی شکایت کرنے سے آپ اجتناب کرتے ہیں؟

جواب: .... **نمبر**: ....

سوال نمبر ۹: ''اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ'' اس آیت کے تحت آپ پر جتنی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یعنی بیوی بچوں کی دینی تربیت کرنا اور ان کو دیندار بنانے کی بھرپور کوشش کرنا وغیرہ...... ان کو آپ مثبت طریقے پر داعیانہ اسلوب اور داعیانہ تڑپ سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

جواب: .... **نمبر**: ....

سوال نمبر ۱۰: کیا آپ نے اپنا وصیت نامہ لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی اور بالغ بچوں کو ترغیب دے کر ان سے وصیت نامہ لکھوا لیا ہے؟ اور اس کے لئے کتاب ''طریقہ وصیت'' مرتبہ اساتذہ مدرسہ بیت العلم، ''احکام میت'' مرتبہ ڈاکٹر عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ، ''اکابر کے وصایا'' مرتبہ مفتی صبار دانش اور ''کتاب وصایا'' مرتبہ خواجہ آفریدی، ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟

جواب: .... **نمبر**: ....

معاشرے کو سنوارنے میں ایک استاذ کا کردار بہت اہم ہے

اس سلسلے میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں اساتذہ کرام کے لئے ہدایات اور
بزرگانِ دین کے نصائح اور ارشادات پر مشتمل ایک راہ نما کتاب

مثالی استاذ

اس کتاب میں بچوں کی معیاری اور مناسب تربیت کے لئے بہترین
راہنما اُصول، واقعات اور تجربات کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں

استاذ بحیثیت مربی
استاذ بحیثیت دوست
استاذ بحیثیت روحانی باپ

منصب استاذ کی فضیلت
استاذ کا مقام و مرتبہ
بہترین استاذ کی صفات

پرنسپل اور مہتمم صاحب کی ذمہ داریاں
پرنسپل اور مہتمم کو پیش آمدہ مسائل کا تجزیہ
بچوں کی اصلاح میں والدین کے کردار پر روشنی

تالیف
مولانا محمد حنیف عبدالمجید

پسند فرمودہ
حضرت مفتی نظام الدین شامزی صاحب

بیت العلم ٹرسٹ گلشن اقبال کراچی فون ۴۹،۶۳۳۹